ایوارڈ نمبر 2
ہر گھر کی زینت
ماہنامہ
دوشیزہ
کراچی
September
2014
WWW.PAKSOCIETY.COM

بانی
سہام مرزا

ماہنامہ
دوشیزہ
کراچی

مُدیرِ اعلیٰ ــــــــ منزہ سہام

مُدیر ــــــــ کاشی چوہان

نائب مُدیر ــــــــ دانیال شمسی

منیجر مارکیٹنگ ــــــــ زین العابدین

قانونی مُشیر ــــــــ جی ایم بھٹو (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انکم ٹیکس ایڈوائزر ــــــــ مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER
APNS
CPNE

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

ستمبر 2014
جلد:42☆شمارہ:09
قیمت:60روپے

خط و کتابت کا پتا
110 آدم آرکیڈ شہیدِ ملت روڈ
بہادر شاہ ظفر روڈ۔ کراچی
فون: 34930470-34939823 -021
ای میل: pearlpublications@hotmail.com

منیجر ایڈمن اینڈ سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ کمپوزنگ/گرافکس: محمد کاشف ☆ عکاس: موسیٰ رضا/مرزا محمد یاسر

باتیں ملاقاتیں

تقریبِ ایوارڈ...

ناول

مکمل ناول

ایوارڈ نمبر 2

انتخابِ خاص

رنگ کائنات

دوشیزہ میگزین

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)......720 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ......5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا......6000 روپے

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

Phone : 021-34939823-34930470

Email : pearlpublications@hotmail.com

بول کہ لب...

ماہِ رمضان بہت سہل سہل گزر رہا تھا۔
لگتا تھا واقعی میں خدا کا خاص فضل نازل ہوگیا ہے۔
جیسے جیسے آخری عشرے کے دن گزرنے لگے، شکرانہ خداوندی بڑھتا چلا جارہا تھا۔
میرے معبود تیرا کرم ہوگیا۔ وارداتیں، اغواء برائے تاوان، بھتہ مافیا، گولی، بوری یا زندگی، ٹارگٹ کلنگ، مہنگائی، محاصرے......
سب کچھ اپنی اپنی جگہ پر مسلسل تھا۔ مگر ایک میانہ روی میں چل رہا تھا۔ مکمل امن تو خواب ہو چکا۔ مگر جو ہے، مولا! تیرا شکر۔ رمضان کے آخری عشرے کا ایک سورج، سفاکی کی نئی مثال لے کر نمودار ہوا۔
سکۂ رائج الوقت صرف پانچ ہزار روپے...... معصوم تبسم سے زندگی بھر کا تبسم چھین لے گئے۔ دونوں بازو کاٹنے والا، ذرا نہ تھرایا۔ ذرا سا اس کا کلیجہ نا کانپا کہ ظالم کسی کی پونجی کو کس طور بے دردی سے خون کر کے دھرتی اور آ کاش کو لہولہان کر رہا ہے۔
ابلیس بھی یہ دیکھ کر ایک بار ضرور سوچنے پر مجبور ہوا ہوگا کہ شکر ہے میں انسان نہیں۔
ساتھیو! میرا دل، میرا قرار معصوم تبسم کے درد میں ڈوب چکا۔ جانے کتنے فرعون ابھی اور باقی ہوں گے۔ جانے اِن یزیدوں نے اور کتنے سر نیزے پہ اٹھانے ہیں۔ میری حکومت وقت سے اپیل ہے۔ خدارا! احتساب ہر علاقے، ہر محلے، ہر گاؤں، ہر دیہات، ہر شہر میں اُن لوگوں کے ہاتھ میں دے دیں جو واقعی مسلمان ہیں۔
کلمہ پڑھنے سے ہم مسلمان نہیں ہوجاتے، مکمل ایمان اُس وقت حاصل ہوتا ہے، مکمل مسلمان اُس وقت ہوتا ہے جب تک وہ خلقِ خدا سے پیار نہ کرے۔ خدارا! انسان سے پیار کرو۔
خدارا! انسانیت کا احترام کرو۔ زندگی کو جہنم کی لپٹوں میں جانے سے بچالو، چار دن کی زندگی گلزار بنالو۔
میرے تبسم! خدا تجھے عزم وحوصلہ دے اور تیری خواہش کہ تجھ پر ظلم کرنے والے کے پہلے ہاتھ کاٹے جائیں پھر پیر کاٹے جائیں اور اُس کے بعد اُسے گولی ماردی جائے۔ پوری ہوجائے۔
ساتھیو! کیا آپ میرے ساتھ ہیں اس احتساب میں۔
اگر ہیں تو اپنی اپنی جگہ، اپنا کردار ادا کریں اور حق کا ساتھ دے کر نظام بدل ڈالیں۔
بول کہ لب آزاد ہیں تیرے......

کاشی چوہان

زادِ راہ

ایک مسلمان اچھی طرح سے جانتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تک ہر نبیؑ اسلام کی دعوت ہی لے کر آیا کیونکہ یہی دعوت عقل و دانش کی بنیاد پر ہے اور یہی تعلیم عقیدے و عمل میں رچ بس جانے والی ہے جس کے بعد تجربے اور......

زندگی کو آسان، باعمل اور ایمان افروز بنانے کا روشن سلسلہ

ایک جوڑے سے خاندان، معاشرہ اور معاشرے سے قوم بنتی رہی ہے۔ یہ سلسلہ جب بھی تھا اور اب بھی ہے کہ ایک جوڑا زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ ایک خاندان بنتا ہے۔ خاندان سے معاشرہ، معاشرے سے قوم، اور سب کے فرائض الگ الگ...... اب بھی وہی ہیں کہ اپنی اولاد کو مالکِ حقیقی سے روشناس کرا کے اس کے حضور واپس جا کر اس زمین پر قیام کا حساب دینا ہے۔ یہ طریقہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ تعلیم بدل سکتی جو انسان کی کامیاب زندگی اور آخری نجات کی ضامن ہے۔ ہاں، اس پر عمل کرنے کے طریقے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے کہ کس طرح سے عمل کرتا ہے اور کرتا بھی ہے یا نہیں اور دراصل حساب بھی اسی آزادی کا لیا جائے گا جو باری تعالیٰ نے صرف انسان کو عطا فرمائی ہے یعنی تمام مخلوقات میں واحد مخلوق یہ انسان ہے جسے عمل کرنے اور نہ کرنے کا اختیار عطا کیا گیا اور اپنے اسی اختیار کو استعمال کر کے ہم سب ایک دوسرے سے مختلف زندگی گزارتے ہیں۔ اسی کا نام ''تمدن'' رکھ لیتے ہیں۔ اسی کو ''ثقافت'' گردانتے ہیں۔ وہی ہمارے رسم و رواج بن جاتے ہیں اور وہی ہماری پہچان سمجھ لی جاتی ہے۔ اس کے بعد جیسا جوڑا بنتا ہے، ویسا ہی گھر بن جاتا ہے۔ جیسا یہ گھر بنتا ہے، وہی پورا معاشرہ اور پوری قوم بن جاتی ہے۔ جس طرح میاں اور بیوی تمدن انسانی کی جڑ ہوتے ہیں، اسی طرح ایک گھر قوم کی بنیاد ہوتا ہے۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میاں بیوی کے تعلقات میں جس طرح مضبوطی، یقین و اعتماد اور پائیداری ہوتی ہے۔ خاندان اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے اور پھر قوم اتنی ہی ناقابلِ تسخیر ہوتی ہے۔ مسلمان قوم اس معاملے میں بڑی خوش نصیب ہے کہ اس کے پاس نہ صرف یہ کہ ابتداء سے آج تک کا ریکارڈ موجود ہے بلکہ اس کا کامل ترین نمونہ بھی موجود ہے۔

ایک مسلمان اچھی طرح سے جانتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تک ہر نبیؑ اسلام کی دعوت ہی لے کر آیا کیونکہ یہی دعوت عقل و دانش کی بنیاد پر ہے اور

یہی تعلیم عقیدے وعمل میں رچ بس جانے والی ہے جس کے بعد تجربے اور آزمائش سے دنیا پر ثابت کیا جاسکتا ہے۔ دین ودنیا میں فلاح ونجات کا ذریعہ ہے جس کے بارے میں ابتداء میں ہی فرمادیا گیا تھا۔

''ہم نے کہا۔'' تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کے لیے کوئی خوف اور رنج نہیں ہوگا اور جو اُس کو قبول کرنے سے انکار کردیں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (البقرۃ۔۳۹)

یہی وہ ہدایات ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا اور اسی ہدایت پر عمل کرکے یا نہ کرکے انسان دو جماعتوں میں بٹتے گئے۔ دو قومیں بنتے گئے۔ اسی ہدایت اور اسی تعلیم کی تکمیل حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہونے والی تھی جس کی دعوت اللہ تعالیٰ کے آخری نبیؐ نے لفظوں سے بھی دی اور عمل سے بھی۔ اس ہدایت پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس عمل کا اتباع کرنا رسول اللہ کی اطاعت ہے اور یہی اتباع یہی پیروی زندگی اور آخرت میں فلاح اور نجات کا ذریعہ بن جانے والی ہے ورنہ ہمارا شمار ان ہی میں ہوگا جنہیں ''وَالذینَ کفرُوا و کذّبوا بآیتنا اُولٰئِکَ اصحٰبُ النَار'' میں ہوگا۔ اپنی زندگی میں ہر کام کرنے کے لیے ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ نے کیا انداز اختیار کیا تھا اور کس طرح زندگی گزاری۔ اس موقع پر سب سے زیادہ اہمیت ایک ''گھر'' کی ہے جہاں سے ہماری تمام ذمے داریوں اور ایکٹی وٹیز کا آغاز ہوتا ہے۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل

خط بھجوانے کے لیے پتا: ماہنامہ دوشیزہ ڈائجسٹ ۔ 110 ' آدم آرکیڈ' شہید ملت روڈ/بہادر شاہ ظفر روڈ ۔ کراچی
E-mail:pearlpublications@hotmail.com

پیارے ساتھیو!

ایک وہ دور تھا جب لوگ پتھروں کو گھڑ کر دیوتا مانتے تھے اور کور چشم بصارتوں سے عبادت میں مشغول تھے۔ دنیا نے سیکڑوں سال یہ اندھیر نگری چوپٹ راج دیکھا اور ظلمت کو نور میں بدلنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہ کیا۔ پتھر کی اندھی گلیوں میں سب اندھیروں کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے رہے، پھرتے رہے۔ اور جب کوئی پتھر گرتا تھا، گونگی وادی بھی تھرا اُٹھتی تھی اور پھر نور کا دور آیا اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی علیہ والہ وسلم اِس دنیا میں تشریف لائے۔ اسلام کا بول بالا ہوگیا اور پوری دنیا کو خوشی کی نوید سُنا دی گئی۔ انسانیت کی جیت ہوگئی اور انسان نے اپنی پہچان پالی کہ

میں وہ اسمِ عظیم ہوں جس کو
جنّ و مَلک نے سجدہ کیا تھا

قصہ مختصر یہ ہے دوستو! آج ہم کہاں کھڑے ہیں۔ کیا ہم واقعی وہی انسان ہیں، جنہوں نے خود کو پہچان لیا تھا؟ جن کو جنّ و مَلک نے سجدہ کیا تھا؟

اگر ہیں تو...... آج بھی اپنی پہچان کے لیے کیوں کسی پتھر کے دیوتا کے پیچھے ہیں؟ سوچیے گا ضرور کہ سوچ کا عمل صرف انسان کے حصے میں آیا ہے۔

دیکھتے ہیں ہمارے دوستو! ساتھیو! کی اِس ماہ کیا خبریں ہیں۔

☆ ہماری بہت محترم اور سینئر ساتھی سعادت نسرین کا گزشتہ ماہ قرنیہ کا کامیاب آپریشن ہوا ہے۔ ہماری دعا ہے، سعادت آپا جلد صحت یاب ہوجائیں۔

☆ ہماری بہت باکمال ساتھی دوست، شاعرہ اور قارئین کی محبوب قلمکار دُردانہ نوشین خان کو ان کے نظموں کے مجموعے ''پھولوں کی رفوگری'' پر آزاد نقیبی ایوارڈ ملا ہے (مبارک باد)

☆ ہماری قاری اور لکھاری ساتھی عصمت پروین عظمیٰ کی والدہ کی **13** ستمبر کو برسی ہے۔ قارئین سے خصوصی دعا کی اپیل ہے۔ اس کے ساتھ ہی عصمت آپا کے بیٹے نوید حمید بھی اچانک بہت بیمار ہو گئے ہیں۔ اُن کے لیے بھی صحت کی دعا کیجیے۔

☆ ہماری بہت پیاری ساتھی عقیلہ حق لائن (**Lion**) براڈ کاسٹرز کلب کی صدر چن لی گئی ہیں، عقیلہ کو اس کامیابی پر بہت بہت مبارک باد۔

☆ غزالہ جلیل راؤ، عید کے چوتھے روز ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئیں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔ ساتھیوں سے اُن کی صحت یابی کے لیے دعا کی اپیل ہے۔

☆ ہماری بہت پیاری، ہنس مکھ اور ہر دلعزیز رضوانہ پرنس اِن دنوں نئے ڈرامے کے اسکرپٹ پر کام کر رہی ہیں۔ جو بہت جلد آن ایئر چلا جائے گا۔ (مبارک باد)

✉: محفل میں یہ آمد ہے ہماری بہت پیاری لکھاری ساتھی بینا عالیہ کی۔ اپنے جذبات کا اظہار کچھ اِس طرح کر رہی ہیں، السلام وعلیکم! خداوند سے دعا گو ہوں کہ آپ ہمیشہ اپنے اہل وعیال سمیت خوش رہیں۔ اراکینِ دوشیزہ، تمام رائٹرز و قارئین کو رمضان شریف کے بعد ساتھ میں عید کی بھی مبارک باد قبول ہو۔ دوشیزہ کی ستائیسویں ایوارڈ تقریب کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ گو کہ کاشی نے شرکت کے لیے بہت اصرار کیا تھا۔ مگر ان دنوں چند ذاتی ایسی مصروفیات تھیں کہ میرا تقریب میں شامل ہونا ناممکن ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے ایسی پُر وقار تقریب مِس کرنے کا۔ محفل میں بھی ان ہی مصروفیات کی بنا پر حاضری نہیں دے سکتی۔ دراصل مجھے تبصرہ کرنا نہیں آتا۔ دوشیزہ مکمل باقاعدگی سے پڑھتی ہوں اور اچھی تحاریر کو سراہتی بھی ہوں۔ ماشاءاللہ دوشیزہ دن بدن نکھر رہا ہے۔ تمام رائٹرز، شاعر، قارئین، دوشیزہ کو رونق بخشے ہوئے ہیں۔ نومبر **2013**ء کے دوشیزہ میں صفیہ سلطانہ مغل نے میرے ناول کے شروع ہونے پر خوش آمدید کہا۔ صفیہ جی اپنائیت کا احساس ہوا۔ شکریہ، پہلی قسط پر جس طرح رائٹرز اور قارئین نے میری حوصلہ افزائی کی، تشکر سے میری آنکھیں نم ضرور ہوئیں۔ یہ میرا پہلا ناول ہے مجھے اُمید نہیں تھی اس قدر پذیرائی ملے گی۔ رضوانہ کوثر آپ کی محبت کا شکریہ۔ رضیہ مہدی، رضوانہ آپی سے آپ کی طبیعت کے ناساز ہونے کا پتا چلا تھا، میں نے دل کی گہرائیوں سے بارہا آپ کے لیے دعائیں کیں۔ خداوند آپ کو مکمل صحت اور بڑی عمر عطا فرمائے (آمین) نعمان اسحاق، جی فرح اسلم قریشی، سویرا فلک، فرحت جمال، نسیم آمنہ شاہ ناول کی پسندیدگی کے لیے شکریہ، مصباح نوشین کے دادا پھوپو اور ماموں کے انتقال پر بہت افسوس ہے۔ پیاری شمیم فضل خالق آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے میرے ناول کو پسندیدگی کی سند سے نوازا، فصیحہ آصف خان آپ کیسی ہیں۔ آپ کا تبصرہ ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ عقیلہ حق کیسی ہیں آپ، اللہ آپ کو ہمیشہ بے شمار کامیابیاں عطا فرمائے۔ بھئی آج کل تو آپ ہر جگہ چھائی ہوئی ہیں۔ اللہ نظرِ بد سے محفوظ رکھے، ویلڈن۔ نسیم سکینہ

صدف کی ساس صاحبہ کا افسوس ہوا۔ فرحت صدیقی آپ کی تعریف میرا مان بڑھا دیتی ہے شکریہ۔ نزہت جبیں ضیاء، عادل حسین، شمیم ناز صدیقی، سنبل جی، نسیم بانو، صفیہ فہیم بٹ، سمیرا صدیقی، حبیبہ طارق، نسرین اختر ناول کی پسندیدگی کا بہت شکریہ، رضیہ جی آپ نے جس محبت سے اپنی رائے مجھ تک پہنچائی اس نے میرا مان بڑھایا۔ رخسانہ جی آپ بھی سوچ رہی ہوں گی اس بار بینا طوالت کا پلندہ اٹھائے چلی آئی ہے، کبھی کبھار آنا ہو تو باتیں بھی تو دل کھول کر ہونی چاہئیں۔ ایڈیسن ادریس مسیح کے والد کے انتقال پر بہت افسوس ہے۔ زمر نعیم کی والدہ گل، رضوانہ کوثر، رضیہ مہدی اور تمام بیماروں کو اللہ پاک صحتِ کاملہ عطا فرمائے (آمین) جن رائٹرز نے ایوارڈ حاصل کیے انہیں بہت مبارک باد، آپ سب اپنا بہت خیال رکھیں اجازت چاہوں گی۔ فی امان اللہ۔

ﷺ: بینا جی! ایک طویل عرصے بعد آپ کا خط موصول ہوا۔ کچھ...... کانٹ چھانٹ مجبوری تھی۔ محبتوں کے قرض بھلا کب اتنی آسانی سے ادا ہوتے ہیں۔

☒: ہماری سینئر لکھاری دوست رضیہ مہدی کراچی سے اپنی شفقت لیے ہمارے روبرو ہیں۔ پیارے کاشی، تمہاری محنت اور ایوارڈ کی تقریب سے سجا ہوا دوشیزہ سامنے ہے۔ پڑھ کر ایک مرتبہ پھر سارے مناظر سامنے آ گئے۔ تقریب اچھی رہی تھی اور لمحہ بہ لمحہ روداد کا بھی اپنا ہی لطف تھا۔ سہام صاحب کی قد آور شخصیت بھی بھلا بھلائی جاسکتی ہے۔ مجھے اُن کی مدح میں لکھے گئے اشعار بہت اچھے لگے۔ دوشیزہ سے حسبِ عادت مکمل طور پر نظروں کو سیراب کیا۔ میں تمہاری بات کی دل سے قائل ہوں۔ واقعی کیا ہی اچھا ہوتا جو یہ چینل انعامی سلسلے یوں شروع کرنے کے مختلف شعبہ حیات اور عمر کے تفاوت کو مدنظر رکھتے ہوئے سوال و جواب ہوتے، لوگ خاص طور پر نوجوان مقابلوں کی تیاریاں کرتے۔ اُس میں سائنس سے لے کر مذہب تک کور ہوتا اور ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملتی۔ یہ کیا ہوا کہ لوگ مانگ رہے ہیں بالکل...... کی طرح، ایک موبائل پلیز ایک موبائل یعنی پوری قوم کو کاسہ پکڑا دیا۔

چھوڑو چلو ڈائجسٹ کی طرف چلتے ہیں دل جلانے سے ہوگا ہی کیا۔ زادِ راہ کی تعریف میں سوائے ایمان افروز اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ محفل ہمیشہ کی طرح اپنوں سے سجی تھی۔ عادل حسین بہت دل لگا کر تبصرہ کرتے ہیں۔ نسیم نیازی بھی نظر آئیں اچھا لگا۔ تمام سلسلے وار ناولز بہت اچھی طرح چل رہے ہیں۔ دلچسپی برقرار ہے۔ احمد سجاد بابر 'ہجوم' کے ساتھ نظر آئے۔ اوہام پرستی پر لکھا گیا اچھا افسانہ رہا۔ خاص طور پر گاؤں کے ماحول کی عکاسی خوب تھی۔ غزالہ جلیل راؤ 'اِک خلش سی' لے کر آئیں چھوٹا سا خوبصورت افسانہ لگا مجھے۔ فرح اسلم قریشی کا بہانہ، اس دفعہ مجھے بہت اچھا لگا۔ موضوع اچھا ہے اور فرح نے انصاف بھی کیا ہے موضوع سے۔ 'عید اور دید' بھی سویرا فلک کی اچھی تحریر رہی۔ رحمٰن رحیم سدا سائیں، اُم مریم کا اندازِ تحریر اچھا ہے مگر کردار مجھے حقیقت سے کچھ دور دور لگتے ہیں۔ 'عیدی ہو تو ایسی' عید کی مناسبت سے ہلکی پھلکی تحریر رہی۔ صدف کا افسانہ 'زندگی مسکرا اُٹھی' بھی مجھے
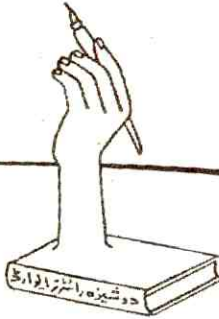
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ
- اگست 2014 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے
''بہانہ'' فرح اسلم قریشی
آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟
دوشیزہ
ستمبر 2014
عنوان:
قلم کار:
نام:
پتا:
ماہنامہ دوشیزہ کراچی

اچھا لگا۔ عموماً بزرگوں کو کچھ حساسیت بڑھنے کی وجہ سے وہی نظر آتا ہے جو چاہتے ہیں مگر معاشرے میں فیروزہ جیسے کردار بھی بہت ہیں۔ عقیلہ کی تحریر حقیقت سے قریب ہونے ہی کی وجہ سے مقبول عام کی سند پا رہی ہے۔ مرزا حیدر عباس کی 'پدمنی' بھی خوب ہے اور مرزا عصیم بیگ کی 'بادشاہی پھوپی' تو لاجواب، تبصرہ طویل بھی ہوگیا ہے اور لیٹ بھی مگر پڑھے بغیر تبصرہ کوئی کرے بھی کیونکر۔

ھ: بہت ہی پیاری اور سدا بہار رضیہ جی! دل کو یک گونہ اطمینان ہے کہ آپ اب 'اچھی' ہیں (خدا صحت برقرار رکھے) آپ اُن شخصیات میں شمار ہوتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ عمرِ رواں کو **Break Out** کر کے سدا بہار رہتی ہیں۔ ہر دم تازہ دم، تبصرے کے لیے شکریہ نہیں ہر ماہ یہ سیر حاصل **Doze** مجھے لازمی چاہیے۔

✉: رجانہ سے ثناء ناز پہلی بار شاملِ محفل ہیں۔ لکھتی ہیں سب سے پہلے ایک دعا اللہ آپ کو دن دُگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے (آمین) اُمید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ پہلی بار دوشیزہ میں شرکت کر رہی ہوں، یہ بھی اُمید کرتی ہوں کہ حوصلہ افزائی ضرور ملے گی۔ مجھے بھی اور میرے افسانے کو بھی، دوشیزہ کے اسٹاف ممبرز اور باقی سب رائٹرز سے لے کر قارئین دوشیزہ کو میری طرف سے آزادی مبارک۔ اپنے بارے میں کیا کہوں۔ بس یہی لکھوں گی کہ قلم میری تلوار ہے اور لکھنا میرا جنون۔ نوشین اقبال نوشی آپی کو میرا ڈھیر سے زیادہ سلام! سدا خوش رہیں آپی اور یونہی کامیاب رہیں کیونکہ آپ یہ سب ڈیزرو کرتی ہیں۔ اس دعا کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی کہ دوشیزہ یوں ہی اپنی خوبصورتی ہر سو بکھیرتا رہے آمین، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ھ: پیاری بہن ثناء ناز،! آپ کا خط ملا مگر تبصرہ کہاں ہے؟ دوشیزہ آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ انشاء اللہ اگر آپ کی تحریر دوشیزہ کے معیار پر پوری اُتری تو ضرور شائع ہوگی۔

✉: کراچی سے یہ آمد ہے حنا رضوان کی۔ لکھتی ہیں پہلے تو آپ سب کو ڈھیروں دعاؤں اور محبتوں کے ساتھ 'عید مبارک' دوسرے ماہ بھی اپنا تبصرہ دوشیزہ میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی آپ نے جس محبت اور کھلے دل سے مجھے 'ویلکم' کیا ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ اس بار تو سرورق ہی نہیں پورا دوشیزہ ہی دلہن کی طرح سجایا گیا ہے 'ماشاء اللہ' ستائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ تقریب کا احوال اور تصاویر دیکھ کر تو دل میں 'اتھل پتھل' سی مچ گئی۔ جی چاہا جلدی سے قلم اُٹھاؤں اور میں بھی کچھ لکھ ڈالوں۔ لیکن اچانک ہی دل کی زوردار آواز ہماری سماعتوں سے ٹکرائی' حنا صاحبہ عزت اسی میں ہے کہ بس تبصروں تک رہو۔ زیادہ فری مت ہو'ایوارڈ' تو دور کی بات ...... ایسا نہ ہو کہ آپ کی تحریر کو دوشیزہ میں جگہ بھی نہ ملے۔'' بس! پھر کیا تھا ہمیشہ کی طرح دل مسوس کر رہ گئے۔ البتہ ایک بار پھر تمام رائٹرز کو بہت بہت مبارک باد۔ بھئی! اس بار تو کوئی بھی تحریر مناسب یا عام نہیں لگی سب کی سب ایک سے بڑھ کر ایک...... انتخاب

بس دعا چاہیے

پیارے ساتھیو! ہماری اور آپ کی ہر دل عزیز، رُخسانہ سہام مرزا اِن دنوں شدید علیل ہیں۔قارئین سے اپیل ہے کہ ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔اُمید ہے آپ کی دعائیں انہیں پھر سے زندگی کی جانب لوٹانے میں کامیاب ہوجائیں گی۔جب تک وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوجاتیں پرل پبلی کیشنز یا اُس کے تحت شائع ہونے والے دوشیزہ ڈائجسٹ اور سچی کہانیاں سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

خاص میں 'پدمنی' واقعی خاص اور مزے دار لگی۔ویسے مرزا صاحب اگر آپ کی تحریر کنوارے لڑکوں نے پڑھ لی تو کہیں وہ بھی پدمنی کی تلاش میں نہ نکل پڑیں۔صدف آصف نے خوبصورت ناول لکھا۔احمد سجاد کا ناولٹ بھی اچھا تھا۔اس کے علاوہ سویرا فلک، غزالہ راؤ، تسنیم منیر اور فرح اسلم کی تحریریں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں۔سلسلہ وار ناول تو ہیں ہی سپرہٹ، عقیلہ حق آپ کا ناول میں ذرا آرام آرام سے پڑھ رہی ہوں کہ یہ تو اپنے 'گھر' کا ناول ہے۔ارے بھئی! ناراض مت ہوں پورا ناول پڑھوں گی پکا وعدہ، آخر میری جانِ عزیز لکھ رہی ہیں کوئی مذاق بات ہے کیا۔'بادشاہی پھوپی' دو بار پڑھا۔مینا کا کردار زبردست تھا۔ویسے ایسی 'مینا' جو سب کو آئینہ دکھائے ہر گھر میں ہونی چاہیے۔دوشیزہ گلستاں میں مرسلہ 'آم' پڑھ کر بہت ہنسی آئی کہ واقعی 'دانش مندوں' سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ہمیشہ کی طرح زین کے مزے مزے کے جواب اور بیوٹی ٹپس بھی اچھے رہے۔'ہما کاشف' سے ملاقات بھی اچھی رہی۔اللہ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (آمین)

ھ: بہت پیاری حنا! بے دھڑک لکھو۔'اپنے' پرچے میں لکھنے میں ڈر کیسا؟ اچھی تحریر خود اپنا راستہ بنالیتی ہے۔

✉ : ژوب، بلوچستان سے ہمارے دوست عمران مظہر شاملِ محفل ہیں۔عرض کرتے ہیں ڈیئر کاشی بھائی، السلام وعلیکم! اُمید ہے خیریت سے ہوں گے۔کافی عرصے بعد خط لکھ رہا ہوں۔اگست کا شمارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ایوارڈ نمبر کا سرورق کافی بہترین ہے۔'دیر نہیں ہوئی' میں آپ نے خوب لکھا لیکن میرے خیال سے شاید سب ختم ہوگیا ہے۔دوشیزہ کی محفل ہمیشہ کی طرح دلچسپ رہی۔ایوارڈز کی تصویری جھلکیوں سے سینئر رائٹرز کو دیکھنے کی حسرت پوری ہوئی۔جن کو ایوارڈ ملے اُن سب کو مبارکباد۔آپ نے ایوارڈز کی روداد خوب اور دلچسپ پیرائے میں لکھی۔رائٹرز کے تاثرات بھی دلچسپ رہے۔تسنیم منیر صاحبہ کا 'راحتِ دیدار کا رنگ' نٹ کھٹ سی تحریر ہے۔اچھی لگی۔غزالہ جلیل راؤ کا افسانہ 'اِک خلش سی' متاثر نہ کرسکا۔فرح اسلم قریشی کا 'بہانہ' بہترین رہا اور آخر میں دیا گیا اُن کا سوال بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔سویرا فلک کا 'عید اور تیری دید' نارمل رہا۔مصنفہ نے افسانے کو سبق آموز بنانے کے چکر میں انزلہ کو کچھ زیادہ ہی کرپٹ ظاہر کردیا۔میرے ناقص خیال میں انزلہ نے کوئی بہت بڑا جرم بھی نہیں کیا تھا۔آئینہ،

عکس اور سمندر رز بردست جار ہا ہے لیکن بہت کم صفحات ہوتے ہیں۔ صفحات بڑھائے جائیں۔ (آپ کی طبیعت واقعی خراب ہے ابھی) انتخاب خاص 'پدمنی' واقعی لاجواب ہے اور آخری پیرا لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔ جتنا پڑھا تھا تبصرہ کر دیا۔ ادارے کے تمام اسٹاف کو سلام، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ج: بھائی عمران! اچھی باتوں کو یاد رکھا کرو۔ ڈپریشن خود بخود بھاگ جائے گا۔ تبصرہ پسند آیا، اور ہاں...... دوستی میں کچھ چیزیں حوالۂ قلم نہ کیا کرو۔ اچھے بچوں کی طرح، اب خیال کرنا۔

✉: یہ نامہ ہے ہمارے دوست لکھاری شاعر عادل حسین کا کراچی سے۔ رقم طراز کچھ یوں ہیں پیارے کاشی جی، السلام وعلیکم! اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ رخسانہ آنٹی اور منزہ آپی کو بھی سلام اور دعائیں۔ اگست کا دوشیزہ ایوارڈ نمبر کی صورت جلوہ گر ہوا۔ ٹائٹل پر دلہن مسکراتی ہوئی عید مبارک کہہ رہی تھی۔ آپ کا اداریہ سچ کی تصویر تھا۔ بے شک ابھی دیر نہیں ہوئی۔ زادِ راہ ہمیشہ کی طرح خوبصورت، دل کو روشن کرنے کا ذریعہ۔ دوشیزہ کی محفل کا بدلا انداز بھی اچھا لگا۔ محبت نامے سب کے ہی خوبصورت تھے۔ ہُما کاشف سے ملاقات بھی اچھی رہی۔ منی اسکرین کے تبصرے پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہو گیا۔ اب آتے ہیں دوشیزہ ایوارڈ کی تقریب کی طرف، تصویریں دیکھ کر دل خوش ہوا تو آپ کے قلم سے تقریب کی روداد پڑھ کر مزا بھی آ گیا۔ تمام قابلِ قدر مہمانوں اور ایوارڈ یافتگان نے جو اظہار خیال کیے۔ اس سے دوشیزہ اور دوشیزہ سے جڑے لوگوں کی محبت صاف جھلکتی محسوس ہوئی۔ لگا جیسے ہم بھی محفل میں شامل ہیں۔ اب آتے ہیں سلسلے وار ناول کی طرف، تو تینوں ہی بہت خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ سب کو مبارکباد، افسانے عید کے حوالے سے تھے اور سب ہی خوبصورت تسنیم منیر علوی صاحبہ کا راحتِ دیدار کا رنگ بھی اچھا افسانہ تھا۔ پڑھ کر مزا آیا۔ غزالہ جلیل راؤ جی کا اِک خلش سی بھی خوبصورت افسانہ اور شاید بلکہ یقیناً فرح اسلم قریشی صاحبہ کا بہانہ تمام افسانوں میں خوبصورت ترین افسانہ تھا۔ انا اور ضد ٹوٹنے میں اگر وقت زیادہ لگ جائے تو انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہت مبارک فرح جی، چھوٹی سی تحریر میں سوچنے کے لیے بہت سی باتیں تھیں، جو کہ حقیقت سے بالکل قریب۔ سویرا فلک کا عید اور تیری دید بھی ایک اور خوبصورت تحریر، اس سے اچھی عید اور کیا ہو سکتی تھی۔ نائس سویرا جی۔ ناولٹ احمد سجاد بابر صاحب لے کر آئے ایک خوبصورت تحریر جو ایک حساس موضوع پر لکھی گئی۔ بات بہت خوبصورتی سے سمجھائی۔ مکمل ناول اِس بار صدف آصف لے کر آئیں۔ عزیز النساء کی صورت میں ایک خوبصورت کردار تخلیق کیا۔ رشتوں کی زنجیروں میں جڑی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔ اور اگر رشتے عزیز النساء کے بہو بیٹے، پوتے پوتیوں سے محبت کرنے والے ہوں تو زندگی مُسکرا اُٹھتی ہے۔ ویری نائس صدف جی، انتخابِ خاص آپ ہمیشہ خاص ہی لاتے ہیں۔ جس کو پڑھ کر مزا آتا ہے۔ رنگِ کائنات میں بادشاہی پھوپی لے کر حاضر ہوئے تھے مرزا عصیم بیگ، خوبصورت تحریر دل خوش ہو گیا۔ دوشیزہ گلستاں کو خوب سجایا اسماء اعوان جی نے۔ یہ ہوئی نا بات بھی زبردست، نئے لہجے نئی آوازیں بھی ٹھیک لگا۔ لولی وڈ، بولی وڈ سے فلم انڈسٹری کی معلومات بھی مل گئیں۔ مختار بانو طاہرہ جی کو اللہ اس نیک کام کا اجر دے۔ کچن کارنر اور بیوٹی گائیڈ بھی حسبِ سابق اچھے رہے۔ اب اجازت، کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معافی، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

ج: پیارے عادل! تبصرہ شاندار ہے اور خوش ہو جاؤ، اس ماہ تمہارا افسانہ بھی دوشیزہ کی زینت بن گیا

ہے۔

✉: فیصل آباد سے ہمارے بہت پیارے دوست نعمان اسحٰق شامل محفل ہیں۔ لکھتے ہیں محترم مدیر دوشیزہ! السلام وعلیکم! خیریت مطلوب، یہ اگست **2012**ء کی بات ہے جب میں نے پہلی بار دوشیزہ کے دفتر فون کیا تھا اور اب اگست **2014**ء میں، میں یہ خط ضبطِ تحریر لا رہا ہوں۔ دو سال گزر گئے۔ پلک جھپکتے ہی مدیر نے اس عرصے میں عزت دی، توقیر دی۔ مدیر صاحب کا بہت بہت شکریہ، زیرِ نظر شمارہ جو ایوارڈ نمبر ہے کا مجھے یوں بھی انتظار تھا کہ اس میں تقریب کا احوال بمعہ تصاویر چھپنا تھا۔ ایوارڈ کا احوال بتانے والے مضامین پسند آئے تصاویر بھی یادگار تھیں۔ دوشیزہ کی محفل تو شمارے کی جان ہوتی ہے۔ خطوط پڑھ کر مزا آتا ہے۔ ڈیرہ اللہ یار کے ساتھی ساحل ابڑو بھائی! آپ کیسے اس قدر یقین سے کہہ سکتے ہیں عقیلہ حق نے آپ کے افسانے پر بغیر پڑھے تبصرہ کیا۔ آپ کی قطعیت نے دل آزاری کی۔ اسی طرح کہانی اور افسانے کا فرق بتانا بھی لاحاصل لگا۔ ایک خاتون جو قسط وار ناول تحریر کر رہی ہیں کیا انہیں کہانی، افسانے کا فرق پتا نہ ہوگا۔ کہانی کی اصطلاح تو افسانے، ناول کے لیے عوامی طور پر استعمال ہوتی ہے۔ خطوطِ عقیلہ (مرحوم غالب کی خدمت میں ہماری طرف سے بھی معذرت) والی عقیلہ بلاشبہ دوشیزہ میں سب سے زیادہ چھپنے والی مصنفین اور سب سے زیادہ لگاؤ رکھنے والی قارئین میں سے ہیں۔ عقیلہ حق کی فروری میں شائع ہونے والی 'عام عورت'' مجھے ان کی اب تک کی پڑھی ہوئی تحریروں میں سب سے اچھی لگی تھی۔ تسنیم منیر تو یوں بھی ہر دل عزیز ہیں۔ احمد سجاد کی تحاریر اچھے موضوعات اور منفرد ڈھب پر مشتمل ہوتی ہیں لیکن وہ بطورِ ناقد میرے پسندیدہ ہیں۔ انتخابِ خاص مجھ جیسے لکھاریوں کو سکھلاتا ہے کہ آپ کس طرح اپنی کہانیوں کو بہتر کر سکتے ہیں۔ اُم مریم، سویرا، فرح، غزالہ اور زاہد کا تحریروں کے لیے شکریہ۔ صدف آصف نے افسانے سے مکمل ناول کا سفر طے کیا، اچھا لگا۔ دوشیزہ کے گزشتہ چند شماروں میں خارِ مغیلاں چھپی تھی۔ مصروفیت کی بنا پر بروقت تبصرہ نہ کر سکا۔ ناول کی دوسری قسط بہت اچھی لگی تھی۔ خاص طور پر 'ارمان تم' نے تو چہرے پر بار بار مسکراہٹ بکھیری۔ لیکن مصنفہ نے اینڈ کرنے میں تھوڑی جلدی کی۔ مارچ میں چھپنے والا فرح طاہر کا افسانہ خلوصِ رائیگاں امی کو خوب پسند آیا انہوں نے کئی ٹین ایجرز کو پڑھوایا تھا۔

ھ: اچھے نعمان! اُمید ہے اب تم بھی اب باقاعدگی سے محفل میں حاضر ہو جاؤ گے۔ تھوڑا سا انتظار اور، بہت جلد تمہارے دل کے پرندے اِن ہی صفحات پر اُڑ رہے ہوں گے۔

✉: یہ آمد ہے کراچی سے ہماری مومنہ بتول جی کی۔ عرض کرتی ہیں۔ پیارے کاشی السلام وعلیکم! خدا برتر آپ کو محفوظ و مامون رکھے (آمین) عرض حال یہ ہے کہ میں ماہِ فروری سے آپ کی بزم میں شامل ہوئی۔ احوال میں کبھی خط و کتابت رہی میں نے اپنے دو سچے واقعات لفظوں میں ڈھال کر آپ کو پہنچائے جس کی تصدیق آپ نے بھی کی کہ وہ جلد از جلد شائع ہوں گے مگر ہنوز انتظار سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ مزید یہ کہ میں کئی ماہ سے رسالے میں دیے گئے نمبرز پر کال کر رہی ہوں مگر کوئی نہیں اُٹھاتا یا پھر انگیج کی ٹیون سنائی دیتی ہے۔ بیٹا میں بہت مجبور ہو کر آپ کو جوابی لفافہ ارسال کر رہی ہوں اگر آپ اپنے قیمتی لمحات میں سے دو سطور کا جواب جوابی لفافے کے ذریعے دے دیں تو مہربانی ہوگی۔

اِس خط کے تین دن بعد موصول ہونے والا مومنہ بتول صاحب کا دوسرا خط آج آپ کی آنے والی کال نے

مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ اور آپ کے دیے گئے مشورے نے مجھے مزید سوچنے پر مجبور کر دیا ہے انشاء اللہ میں پوری کوشش کروں گی کہ اب آپ کے معیار پر پورا اُتر سکوں۔ آپ اسی طرح خامیوں سے آگاہ کرتے رہیں حسب وعدہ ایک کرنٹ ایشو پر آج ہی ایک تحریر پوسٹ کر رہی ہوں۔ آپ کے معیار پر اُترنے کے لیے میں نے کئی مرتبہ لکھنے کے بعد پڑھا ہے۔ اگر اس تحریر میں کچھ غلطیاں ہوں تو معافی کی طلب گار ہوں بس قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔

ﷺ: مومنہ جی! میرے لیے سب سے قابلِ احترام وہ انسان ہیں، جن کے ہاتھ میں خدا نے قلم کی نگہبانی عطا کر دی اور میری استاد محترم نے مجھے سکھایا ہے کہ قلم کی حرمت جان اور عزت سے بھی زیادہ عزیز رکھنا۔ رابطوں میں کچھ مجبوریاں دخل انداز ہوسکتی ہیں لیکن میری محبت، آپ سب سے محبت بالکل دوسو فیصد خالص ہے۔ کھرے کھوٹے کا فرق میری رگوں میں دوڑتا ہے۔ اُمید ہے اب کوئی بدگمانی نہ ہوگی۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

✉: یہ محفل میں آمد ہے ہم سب کی بہت پیاری رضوانہ کوثر صاحبہ کی لاہور سے۔ رضوانہ جی اپنی محبت اور خلوص سے ہر ایک کی ہارٹ فیورٹ ہیں۔ لکھتی ہیں پیارے کاشی بیٹے! آپ کے اور ادارے کے ہر فرد کے لیے میرا پُرخلوص سلام، پیار اور دعائیں، اللہ آپ سب کو خوش رکھے، سلامت رکھے۔ آمین ہنستی مسکراتی پُرکشش دوشیزہ تحفے کی صورت **12** اگست کو تشریف لائیں۔ (جی ہاں **12** اگست میری سالگرہ کا دن تھا نا) وہ بھی ایوارڈ نمبر کی صورت۔ واہ جی واہ۔ اشتہارات کی پگڈنڈیوں سے ہوتے۔ فہرست پڑھی۔ ضمیر کو جھنجوڑتا اداریہ دل اور دماغ بھی ہلا گیا۔ کاشی آپ واقعی قابلِ ستائش ہو۔ اس شتر بے مہار میڈیا نے تو ہمیں اسلام سے نکال کر نہ جانے کون سی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ رمضان المبارک جو ہمارے لیے تزکیہ نفس، صبر اور شکر کا مہینہ ہے۔ یہ شوز اس میں بھی خواتین وحضرات کے مشترکہ پروگراموں میں عورتوں لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر ہوسٹ صاحبان ٹھمکے لگوا رہے تھے اور نام دے رہے ہیں جشنِ رمضان، مسلمانوں عبرت پکڑو' کیا رمضان جشن منانے کے لیے ہے۔ کچھ خدا کا خوف کر لیں تو شاید اللہ ہمیں معاف کر دے۔ شاباش کاشی، زادِراہ کا موضوع بھی لالچی اور شوباز انسانوں کو سیدھی راہ دکھا رہا تھا۔ محفل کے میزبان بھی کاشی ملے۔ اللہ تمہیں ہمت حوصلے سے سب ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق اور طاقت دے۔ آمین، دوشیزہ نکھرتی جارہی ہے۔ رفعت سراج کو نئے گھر جانا اور صائمہ حیدر کو بھی نیا گھر مبارک ہو۔ سیما غزل، ناہید فاطمہ حسنین کو ایوارڈ مبارک، عقیلہ حق کو دوسری کتاب اور ایڈیسن کو جنم جلی کی کامیابی بہت مبارک۔ فریدہ فری کو بھی مجموعہ مبارک، سویرا فلک کے شوہر کے لیے صحت کی دعا۔ نوشین اقبال نوشی کے کزن، محمد طاہر کی پھوپو اور قمر تابندہ کی نانی کے لیے دعائے مغفرت، محسن سلیم کے بیٹے کے لیے دعائے صحت۔ عابدہ کمال، نورین ناز خوش آمدید، اگلے قدم پر ہما کاشف سے ملاقات خوب رہی۔ علی رضا عمرانی منی اسکرین کا حق بھی خوب نبھا رہے ہیں۔ آگے چل کر شدید گرمی میں صندل کا گلاس پی کے تقریب کی تصویری تقریب میں قدم رکھا۔ خوب محفل سجی ہے۔ صحت اجازت دیتی تو ضرور شرکت کرتی، آپ کے محبت اور مان بھرے بلاوے پر۔ سب ساتھیوں کو دیکھا اور بار بار دیکھا انجوائے کیا مبارک باد دی۔ سراہا، اتنی اچھی اور پُروقار تقریب کی کامیابی پر پھر سے آپ سب کو مبارکباد، سب ہی لوگ بہت اچھے اور خوش نظر آرہے ہیں۔ کاشی کے

قلم سے روداد اور سب کے خطابات سے محظوظ ہوئے۔ منزہ سہام کا سپاس نامہ بھی بہترین رہا۔ رسالے سے پہلے نسیم نیازی کے پاس میں اور زمرسب روداد سُن چکے تھے اور تمام تصاویر اسکرین پر بھی دیکھ چکے تھے۔ رضیہ مہدی، شگفتہ شفیق، افسر سلطانہ سے بھی فون پر تفصیلی گفتگو ہو چکی تھی۔ پھر بھی مزہ دوبالا ہوا۔ اب ہو جائے تحریروں پر کچھ تبصرہ، تیرے عشق نچایا واقعی بہت اچھا جا رہا ہے۔ بینا عالیہ کا مشاہدہ عیاں ہے۔ اسی طرح آئینہ، عکس اور سمندر منافق رشتوں کے پرت کھولتا، بے لوث جذبوں سے گندھے رشتوں کو سراہتا خوب دلچسپی سے رواں ہے۔ بینا اور عقیلہ بہت خوب۔ اُم مریم سے معذرت کہ میں نے ساری قسطیں جمع کر رکھی ہیں، انشاء اللہ جلدی اکٹھی پڑھ کے مفصل رائے دوں گی بشرطِ زندگی۔ تسنیم منیر علوی کا افسانہ بھی کافی اچھی تحریر رہی۔ فیضی سچے جذبوں سے گندھا انسان جس نے آخر معارج کو اپنے آگے محبت سے بھرپور انداز میں راغب کر لیا۔ احمد سجاد بابر کی تحریر ہجوم نے جھوٹے اور جعلی پیروں کے بخیے اُدھیڑ کر سادہ لوح دیہاتیوں کو ان کے فریب سے نکالا۔ بہت اچھے، موجودہ معاشرے میں یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے۔ احمد کی اس پر گہری نظر اور مشاہدہ نظر آیا۔ حساس جذبوں پر مبنی غزالہ جلیل راؤ کی تحریر اک خلش سی، خوبصورت انجام لیے اچھی لگی۔ فرح اسلم قریشی کا 'بہانہ' خوب چلا۔ موضوع تو نہایت اہم تھا ہی۔ الفاظ کا چناؤ اور مکالموں کا بروقت استعمال اور آپا کی جذبوں سے خالی ازدواجی زندگی کے انجام پر کشف کا فیصلہ کن انجام بہترین رہا۔ سویرا فلک کا 'عید اور تیری دید' فرمائشی پروگرام جیسی عورتوں کے لیے گھریلو اور سبق آموز تحریر اچھی لگی، انجام بھی اچھا رہا۔ ویل، صدف آصف بھی اچھا لکھنے والوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کا ناول زندگی مسکرا اٹھی، رشتوں کو جوڑتا اپنے گھر کے سکون کو اُجاگر کرتا۔ اچھے فیصلے سے اختتام کو پہنچا۔ مرزا حیدر عباس کی 'پدمنی' واقعی خاص اور خالص تحریر ہے۔ مرزا عصیم بیگ کی بادشاہی پھوپی نے مسکرانے پر مجبور کر دیا بلکہ ہم کھلکھلا کے ہنس پڑے۔ باقی سارے سلسلے بھی خوب تر اور مفید ہیں۔ دوشیزہ گلستاں کا ہر پھول خوشبو دے رہا ہے۔ نئی آوازیں میں بھی کافی بہتری ہے۔ سب کی شاعری اچھی، مگر راؤ تہذیب، صفیہ سجل شاہ کی بہت اچھی لگی اور سباس گل کی بھی، یہ تھیں تفصیلی باتیں اور ایک خاص بات رضیہ مہدی سے کہ اس ماہ اتنا مختصر کیوں لکھا خط، ٹھیک تو ہونا۔ اللہ آپ کو زندگی اور مکمل صحت سے نوازے اور میری اچھی شگفتہ شفیق دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی۔ بہت سی دعاؤں اور محبتوں کے ساتھ اللہ حافظ اور زمر نعیم کہاں غائب ہو۔ نظر نہیں آرہیں، تمہاری تحریروں کی منتظر ہوں۔

ج: بہت ہی پیاری رضوانہ آپی! سلامت رہیے۔ کیا بات ہے آپ کی، اتنا تفصیلی تبصرہ بھیج کر دل موہ لیا۔ کیا آپ ہمیں ہر ماہ یہ خوشی نہیں دے سکتیں؟

✉: شاہ کوٹ سے ہماری بہت پیاری لکھاری ساتھی حمیرا خان رقم طراز ہیں۔ لکھتی ہیں السلام علیکم! کاشی! مابدولت ایک بار پھر دوشیزہ میں اپنا خط لے کر حاضر ہیں۔ جی ہاں ایک بار پھر اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ میں نے پہلے بھی ایک تبصرہ ای میل کیا تھا لیکن وہ شاید آپ کی نظروں میں آنے سے رہ گیا اس لیے دوشیزہ میں جگہ نہ پا سکا اسی لیے میں نے اس بار پوچھا تھا کہ ای میل کر دوں کیا؟؟ خیر بات کرتے ہیں اگست کے دوشیزہ ڈائجسٹ کی۔ جیسے ہی دوشیزہ ہاتھ میں آیا اس پر لکھے ایوارڈ نمبر نے ہمارے دل کی دھڑکن بڑھا دی اور ہم نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ سیدھا تقریب کے احوال کی طرف دوڑ لگا دی مگر ڈھیر

سارے ان خاص الخاص صفحات میں سے کسی ایک پر بھی مابدولت کے نام کو جگہ نہ مل سکی۔ دل تھوڑا چپ چپ سا ہو گیا مگر پھر ہم نے خود سے کہا ''اگلی ایوارڈز تقاریب ابھی باقی ہیں حمیرا خان'' اور ہم دل میں امید اور پلکوں پر نئے سپنے سجاتے مسکرا دیے۔ تقریب کی تصاویر میں سب کو دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ کاشی کے قلم نے لفظوں سے نقشہ کھینچ کر ہم لوگوں کو بھی اس میں شامل کر لیا جو حقیقت میں وہاں نہیں تھے۔ میرا خیال ہے باقی دوست بھی میری بات سے اتفاق کریں گے؟ بے شک ہمارا ذکر تک نہ تھا پھر بھی اس تقریب کو سجانے والوں کو مبارک باد نہ دینا زیادتی ہوگی، جن کی محنت اور لگن کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ سب لوگوں کو بہت بہت ساری مبارک باد اور جنہیں ایوارڈز ملے ان کو بھی ڈھیروں مبارک۔ ''دیر نہیں ہوئی'' میں کاشی کی تلخ باتیں ہمیں اپنے دل کی آواز محسوس ہوئیں۔ کاش انسان کبھی اپنے انسان ہونے پر فخر کرنا سیکھ ہی جائے۔ دوشیزہ کی محفل میں دوستوں سے ملاقات کرنا ہمیشہ ہی مزیدار لگتا ہے۔ فرح اسلم قریشی کا افسانہ ''بہانہ'' کے اینڈ سے ہم پوری طرح اتفاق کرتے ہیں، اچھی تحریر تھی۔ ''عیدی ہو تو ایسی'' پڑھ کر ایسا لگا کہ مصنف نے بہت جلد بازی میں تحریر مکمل کر کے بھجوائی ہے شاید۔ پرانے لطیفوں نے تحریر کا لطف خراب کر دیا، ویسے صرف نیکی کے حصول کے لیے شادی کرنا...... عجیب لگا۔ ''زندگی مسکرا اٹھی'' اچھی لگی، رائٹر نے گھر اور رشتوں کو اچھی طرح سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے، گڈ یار! انتخابِ خاص میں ''پدمنی'' پڑھ کر بہت ہنسی آئی، بادشاہی پھوپی سے زیادہ مزیدار تو یہ تھی۔ ''ہجوم'' ابھی زیرِ مطالعہ ہے مگر جتنی پڑھی ہے اچھی لگ رہی ہے۔ ''نئے لہجے'' اور ''یہ ہوئی نہ بات'' اچھے سلسلے ہیں۔ ایک تو ڈائجسٹ ہمیں لیٹ ہی ملتا ہے دوسرے ایک دو دن ایوارڈ کی تقریب میں کھوئے رہنے کے سبب باقی تحریریں ابھی نہیں پڑھ سکی۔ انشاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ آپ سب کو گزری ہوئی عید مبارک۔ سب دوست اپنا بہت خیال رکھیں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ھ: اچھی حمیرا! آپ ہماری ہی نہیں تمام لکھاری اور قاری دوستوں کی دعاؤں میں رہتی ہیں۔ تبصرے کے لیے شکریہ لفظ چھوٹا ہے، آپ کا خلوص ہمارا امان ہے۔

☒: صالحہ صدیقی صاحبہ کی محفل میں پہلی بار آمد ہے۔ لکھتی ہیں بچپن سے دوشیزہ پڑھ رہی ہوں۔ جب میٹرک کیا تو بچوں کے لیے لکھنا شروع کر دیا اور پھر بڑے ہوئے تو خواتین میں گھسنے کی کوشش کی گئی۔ اللہ کا شکر ہے کچھ نے محبت بھرا ہاتھ بڑھایا اور کچھ نے نظر انداز کیا۔ لیکن قلم میرا بہت شرارتیں کرتا ہے اور ہر ایک کو تنگ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ آج آپ کو چھیڑنے کی جسارت کر رہا ہے اور آپ کی دہلیز پر کچھ پیار کا تحفہ لے کر آئے ہیں۔ ہم صرف خوشبو بکھیرتے ہیں اگر کہیں زرا بھی کانٹا لگ جائے تو پیار سے مسکرا دیجیے گا۔

ھ: بہت اچھی صالحہ! خوش آمدید، یہاں ہم بھی بیٹھے ہیں ذرا خیال رہے۔ تحریر ابھی پڑھی نہیں ہے۔ پڑھ کر ہی کوئی رائے دی جا سکتی ہے۔ محبت کرنے والوں کو محبت ہی ملتی ہے۔ یقین رکھیے

☒: ہماری مستقل قاری شاعرہ، فریدہ فری یوسف زئی لاہور سے محفل میں موجود ہیں۔ لکھتی ہیں اگست کا دوشیزہ ملا تمام افسانے اور ناولٹ اے ون لگے۔ ناول تیرے عشق نچایا بینا عالیہ کا اور عقیلہ حق کا آئینہ عکس اور سمندر بے حد اچھے لگے۔ افسانوں میں غزالہ جلیل راؤ کا ایک خلش سی، عید اور تیری دید، راحت دیدار، اور بہانہ

بے حد اچھی تحریریں تھیں مکمل نام اُمِ مریم کا ہے۔ رحمن، رحیم سدا سائیں کمال کا ناول ہے۔ اور کیوٹ سی منزہ سہام کو بے حد سلام دعا اور پیارا ایوارڈ کی تصاویر بے حد پیاری ہیں۔ ایوارڈ ملنے والوں کو بے حد مبارک باد قبول ہو۔

ﷺ: پیاری فریدہ جی! خدا آپ کو خوش باش رکھے۔ آپ کی محبت کے تو ہم مقروض ہیں۔ تبصرہ بہت مختصر رہا، کیوں؟

✉: لودھراں سے ہمارے بہت پیارے دوست لکھاری اور شاعر احمد سجاد بابر رقم طراز ہیں۔ محترم کاشی چوہان صاحب، السلام علیکم!! سب سے پہلے تو کاشی بھائی آپ کا اور انتظامیہ کا شکریہ کہ مجھے کوریئر سے ایوارڈ ملا، آپ نے خاص طور پر ذمہ داری لی، دوبارہ دل سے شکریہ۔ اگست کا ایوارڈ نمبر ملتان سے منگوانا پڑا کیونکہ اس مرتبہ شمارہ شاید ڈاک کی نذر ہو گیا یا پھر شاید سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ سے ترسیل ہی نہیں ہو پایا، خیر سب سے پہلے تو ایوارڈ تقریب کی تصویری اور لفظی روداد سے نصف ملاقات کی، کاشی بھائی آپ نے بہت چاشنی بھرے انداز میں تقریب کا نقشہ کھینچا کہ یوں لگا جیسے بہ چشمِ خود تمام منظر دیکھ رہے ہیں، یہ واقعی بہت بڑی تقریب اور اعزاز تھا جس کے لیے دوشیزہ کی پوری ٹیم اور میڈم منزہ مبارکباد کی مستحق ہیں، دوشیزہ کوالٹی کا نام ہے اور وہ کوالٹی دوشیزہ نے تاحال برقرار رکھی ہوئی ہے، کاشی بھائی اگر میں اگست کے شمارے کی بات کروں تو سب سے پہلے میں ٹائٹل کی بات کروں گا جو حسن و ادا کی برسات تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ دوشیزہ بہت شاندار ٹائیٹل پیش کر رہا ہے، اگر خطوط کی بات کی جائے تو ساحل ابڑو کے خط کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہوں گا، بات کہنے کا قرینہ اور طریقہ ہوتا ہے، آپ تحریر کو ڈسکس کریں، دلائل پر بات کریں نہ کہ پرسنل حملہ کرنا شروع کر دیں۔ ساحل بھائی نے عقیلہ حق جیسی سینئر لکھاری کے لیے جو سطح سے گرا جملہ استعمال کیا ہے کہ انہیں مطالعہ کی ضرورت ہے، وہ تکلیف دہ عمل ہے جب کہ عقیلہ جی نے محض یہ لکھا تھا کہ ساحل ابڑو کی کہانی نے قطعی متاثر نہیں کیا، وہ یہ لکھ سکتی ہیں، بطور لکھاری نہ مانیں تو بطور قاری یہ ان کا حق ہے، اور ان کے مطالعے میں کوئی کمی نہیں، یہ ان کی تحریروں سے عیاں ہے، ساحل بھائی پلیز سینئرز کا احترام کریں، تنقید برداشت کرنا سیکھیں، یہ سچ ہے کہ آپ کی تحریر ایک اوسط درجے کی تحریر تھی...... پرچے کی تحریروں میں سب سے پہلے بات کروں گا فرح اسلم قریشی کے افسانے ''بہانہ'' کی۔ بہت جاندار، بہت شاندار، پرچے کی جان تحریر تھی، ہم اس موضوع پر پہلے بھی بہت کچھ پڑھ چکے ہیں مگر فرح جی کی گرفت، مکالمے، لفاظی، منظر نگاری کمال کی رہی، انہوں نے افسانے کی سطر سطر میں کلیجہ نکال کر رکھ دیا، ویل ڈن۔ صدف آصف ''زندگی مسکرا اٹھی'' کے ساتھ حاضر تھیں، انہوں نے اپنے ناول کو کمال مہارت سے نبھایا، تحریر فلو میں تھی، سادہ تھی، چاشنی آمیز تھی، منظر کشی عروج پر تھی، جہاں جہاں پر جو جو سٹروک درکار تھا، صدف نے وہ چابکدستی سے کھیلا، کہیں رلایا، کہیں ہنسایا، کہیں دل کی دھڑکنیں زیر و زبر کیں، قصہ مختصر بہت عمدہ ناول تھا۔ اب بات ہو جائے سویرا فلک کی، کم کم نظر آتی ہیں مگر جب بھی آتی ہیں متاثر کرتی ہیں، اس بار ''عید اور تیری دید'' کے ساتھ براجمان تھیں، افسانے کو خوب سمیٹ کر کنٹرول کے ساتھ لکھا۔ غزالہ جلیل راؤ کی تحریر وہی روایتی موضوع، روایتی انداز اور روایتی اختتام تھا، جگہ جگہ پر پیچیدہ اندازِ تحریر کے باعث بوجھل سی لگی، غزالہ جی جتنا ٹیلنٹ رکھتی ہیں اس پائے کی تحریر پیش نہیں کر پا رہیں۔ تسنیم منیر علوی کی ''راحتِ دیدار''، نستعلیق قسم کے ادبی منگیتر کی داستان تھی جو کچھ خاص متاثر نہ کر پائی تھوڑا سا ذکر جولائی کے شمارے کا۔ جولائی کے شمارے کی

خاص بات دو تھیں، ایک تو خارِ مغیلاں کا بہت پاور فل اختتام جس نے ہلا کر رکھ دیا، نسیم آمنہ نے ''خارِ مغیلاں '' میں ایک دم سے حیران کن پیچ دے کر اختتام کیا ہے، وہ جو کہ ہم توقع نہیں کر رہے تھے، لیکن ایک بات سچ ہے کہ انہوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے ہمیں، سکتہ طاری کر دیا، معاشرے کے منہ پر بہت زور کا طمانچہ مارا ہے، واقعی بیٹیاں کہاں جائیں؟ جائے امان تو کہیں بھی نہیں، رکھوالے بھیڑیے بنے بیٹھے ہیں، ہر طرف جال ہے، شکاری ہیں، ترغیب ہے، چمک دمک ہے، لفظوں کی گھات ہیں، شیر خوار محفوظ ہے اور نہ ہی بزرگ...... یہ کیسا دورِ پر فتن آن پہنچا ہے کہ سانس لیں تو سانس کی ڈور خوف اور عدم تحفظ سے کانپتی ہے، حوا کی بیٹی آج قبر تک میں محفوظ نہیں، ناولٹ کے اختتام کے جملے اور مہک کا خوف دہلا گیا، تڑپا گیا، یہ والی قسط ایک المیہ تھی، ایک ٹریجڈی تھی یا پھر ایک شاک تھا جس نے رگ وپے میں پنجے گاڑ دیے، نسیم آمنہ جی، بس ایک لفظ 'شاندار' دوسری خاص بات فوزیہ احسان رانا کا ناول ''جلد باز'' جس میں وہ سب کچھ تھا جو ایک کامیاب تحریر میں ہونا چاہیے، مکالمے، تھیم، منا ظر، کلائمکس، پنچ لائنز، اتار چڑھاؤ۔ سب کچھ منفرد انداز میں بیان کیا فوزیہ نے، بہت خوب فوزیہ! ہمیں انتظار رہے گا تمہاری اگلی تحریروں کا۔ اب اجازت چاہوں گا۔

✍ : بہت عزیز احمد! خدا تمہارے قلم کی جولانیاں بھی برقرار رکھے۔ تمہارا تبصرہ نہ آنا، یا کسی سبب ہم تک نہ پہنچ پانا ہمیں اذیت دیتا ہے۔

✉ : یہ آمد ہے رانا زاہد حسین کی شیخوپورہ سے، لکھتے ہیں۔ ماہِ اگست کا دوشیزہ ایوارڈ نمبر بذریعہ ڈاک ملا تو دیکھ کر دل گارڈن گارڈن ہو گیا۔ کیوں نہ ہوتا ایوارڈ نمبر میں میری کہانی 'عیدی ہو تو ایسی' چھپی ہوئی تھی۔ دوشیزہ میں چھپنا میرے لیے اعزاز کی بات ہے کیونکہ دوشیزہ میرے خیال میں نمبر ون ڈائجسٹ ہے۔ میں ٹی وی ڈرامہ بھی لکھتا ہوں ایک دو سیریل اور کئی عید پلے بھی لکھے ہوئے ہیں کئی جگہ ٹرائی کی مگر ہر کسی نے میرا اسکرپٹ پسند کیا مگر مجھے چانس نہیں دیا۔ پھر میں نے سوچا کیوں نہ اپنی تخلیقات الیکٹرانک میڈیا کی بجائے پرنٹ میڈیا کے ذریعے لوگوں تک پہنچاؤں تو میں نے اپنے ایک عید پلے کے ٹی وی اسکرپٹ 'عیدی ہو تو ایسی' کو افسانے کی صورت میں لکھا۔ اب ذکر ہو جائے دوشیزہ کے دیگر افسانوں کا اور تحریروں کا، ایوارڈ کی روداد پڑھ کر مجھے ایسا لگا جیسے میں بھی اُس تقریب میں موجود ہوں۔ کاشی بھائی نے بڑے اچھے انداز میں ایوارڈ تقریب کو سپردِ قلم کیا۔ تیرے عشق نچایا بینا عالیہ کا ناول کچھوے کی چال چلتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ احمد سجاد بابر کا ہجوم نام نہاد پیروں فقیروں کا پردہ چاک کر رہا تھا۔ غزالہ جلیل راؤ کی اِک خلش سی پڑھ کر میرے دل میں بھی بس اِک خلش سی ہی رہ گئی۔ افسانہ تو میرے سر سے ہی گزر گیا، عید اور تیری دید سویرا فلک کی اچھی تحریر تھی۔ صدف آصف کی زندگی مسکرا اُٹھی بھی اچھی تحریر تھی۔ رحمٰن، رحیم، سدا سائیں' آئینہ' عکس اور سمندر دوشیزہ کے اچھے سلسلے ہیں ہر ماہ قارئین کو اِن کا انتظار رہتا ہے۔

✍ : تبصرہ ارسال کرنے کا بہت شکریہ۔ اسکرپٹ کو افسانے میں ڈھالنا کیا آسان سمجھا ہے بھائی۔ آپ ڈرامے ہی لکھیے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

✉ : یاسمین اقبال سنگھ پورہ لاہور سے لکھتی ہیں۔ محترم ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم! میں دوشیزہ کی بہت پرانی قاری ہوں۔ میری سب سے پہلی نظم دوشیزہ ہی میں شائع ہوئی تھی۔ اور آخری نظم بھی غالباً 2005 میں

دوشیزہ ہی میں شائع ہوئی تھی۔ پہلے میں یاسمین گل کے نام سے لکھا کرتی تھی۔ بڑی ہی طویل غیر حاضری کے بعد دوبارہ حاضرِ خدمت ہوں اِس اُمید کے ساتھ کہ ضرور جگہ دیں گے۔ اپنی طویل غیر حاضری کی وجہ بھی بتاؤں گی کہ دُکھ سُکھ تو اپنوں کو ہی بتائے جاتے ہیں۔ 2005ء میں والد کی وفات کے بعد بہت ہی قریبی رشتوں کو پے در پے کھودیا۔ ابھی ان کی جدائی سے سنبھلے بھی ناں تھے کہ شوہر کی وفات نے کمر ہی توڑ کر رکھ دی۔ انشاء اللہ اب حاضری لگتی رہے گی کہ اِس صدمے سے نکلنے کے لیے خود کو مصروف رکھیں گے۔ اگست کا شمارہ پڑھا بے حد خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ بڑا اچھا لگا۔ منورہ آپا کی تحریریں تو میری سب سے فیورٹ ہیں۔ دل کو بڑا سکون ملتا ہے اُن کو پڑھ کر۔ ایوارڈ کی تقریب کا احوال پڑھا بہت مزے کا لگا۔ تمام ایوارڈ یافتگان کو ڈھیروں مبارک باد۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ مگر احمد سجاد بابر کی تحریر ہجوم بہت پسند آئی۔ باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے ہیں۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں سب کی شاعری زبردست تھی۔ خاص طور پر ریحان آفاق کی نظم کہاں ہو تم بہت اچھی لگی۔ میں بھی اپنی دو نظمیں ارسال کر رہی ہوں گر قابلِ اشاعت ہوں گی تو ضرور بتایئے گا۔ اکتوبر میں میرے شوہر کی برسی ہے اگر میری نظم لگا دیں تو مشکور رہوں گی۔ آپ سب کے لیے میری ڈھیروں دعائیں اور سلام زندگی رہی تو انشاء اللہ پھر حاضرِ خدمت ہوں گے۔ اجازت چاہوں گی۔

ج: اچھی بہن یاسمین! اکتوبر میں آپ کی نظم لگا دی جائے گی۔ آپ کی محفل میں آمد نے ہمیں خوشی دی۔ اب یہ ساتھ چھوٹنا نہیں چاہیے۔ دنیا میں اپنوں کے علاوہ بھی بہت سارے رشتے ہوتے ہیں۔ جو ہمیں زندگی دیتے ہیں۔ اُمید ہے خدا آپ کو خوشیوں سے نوازے (آمین)

✉: کراچی سے ہم سب کی لاڈلی عقیلہ حق محفل میں بھرپور تبصرے کے ساتھ موجود ہیں۔ لکھتی ہیں، پیارے بھائی کاشی السلام وعلیکم! ہنستی مسکراتی، بہت پیاری، بہت ہی پیاری سی ماڈل سے جگمگاتا دوشیزہ مجھ دوشیزہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایوارڈ نمبر، ایوارڈ کی طرح خوبصورت نکلا۔ کاشی آپ کے ہاتھ سے ایوارڈ کی لمحہ بہ لمحہ روداد بہت پُر تاثر رہی۔ تم نے تو بھائی شاعری کے ساتھ نثر نگاری میں بھی میدان مار لیا ہے۔ زبردست! مجھے لگتا ہے آپ پر میرا سایہ پڑ گیا ہے۔ (اوہ..... کیا خوش فہمیاں ہیں) میں نے سوچا جو آپ سوچ رہے ہو وہ میں خود لکھ دوں۔ ہاں میں واقعی ناراض تھی۔ اس لیے اکیلی آئی تھی۔ مجھے تو اِس طرح فون کیا گیا تھا جیسے خودکش جیکٹ والا میرے ساتھ ہی آئے گا۔ تمام تصاویر خوبصورت لگیں۔ سوائے میری...... بہنوں کی محفل بہت خوبصورت رہی۔ اُن تمام لوگوں کا بہت شکریہ جن کو میری تحریریں پسند آتی ہیں اور جن کو پسند نہیں آتیں اُن سے میرا وعدہ ہے میں اور بہتر لکھنے کی کوشش کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ فرح اسلم اور میری تمام بہنوں، دوستوں اور ساتھیوں کا بہت بہت شکریہ، ساحل ابڑو صاحب کو اگر میرا تبصرہ ناگوار گزرا ہے تو میری طرف سے معذرت قبول کریں۔ میرا مقصد خدانخواستہ اُن کا دل دُکھانا نہیں تھا اور یہ میرا اُن سے وعدہ ہے کہ میں مزید مطالعہ کروں گی۔ اب آتے ہیں رسالے کی طرف، ہما کاشف سے ملاقات جاندار رہی بلکہ پائیدار رہی۔ بینا عالیہ آپ بہت خوبصورت لکھ رہی ہیں۔ اس دفعہ زیادہ تر افسانے اور ناولٹ عید کے حوالے سے تھے اور عید کی مناسبت سے بہت خوبصورت لکھے گئے۔ راحت دیدار کا رنگ تسنیم منیر علوی صاحبہ کا خوبصورت افسانہ تھا۔ خوبصورت سے یاد آیا شائستہ عزیز کو اپنی خوبصورت تحریر پر ایوارڈ مبارک ہو۔ احمد سجاد بابر صاحب کی تحریریں مجھے بہت پسند آتی ہیں۔ وہ بہت حقیقت

سے قریب لکھتے ہیں۔ اُن کی ہر تحریر سے میں کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتی ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم ہو اور زیادہ۔ غزالہ جلیل نے بھی بہت خوبصورت تحریر پڑھنے کو دی۔ فرح اسلم قریشی نے زندگی کی ایک تلخ حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ ہاں ایسا ہی ہوتا ہے جو خوشیوں پر روٹھتے ہیں وہ جنازوں پر ملتے ہیں۔ میں بھی اکثر سوچتی ہوں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سویرا فلک نے ایک ہلکا پھلکا لیکن خوبصورت افسانہ تحریر کیا۔ باقی تمام افسانے بہترین رہے۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں رسالہ تو اِن ون تھا یعنی ایوارڈ نمبر، عید نمبر اور اتنا جامع رسالہ نکالنے پر کاشی چوہان اور اُن کی ٹیم داد کی مستحق ہے۔ میرا خیال ہے کہ کاشی کا ایک تفصیلی انٹرویو ہونا چاہیے اور اُس انٹرویو کو کرنے کی اجازت رسالہ مجھے مرحمت فرمادے۔ تو میں **Horse** سے **Donkey** بننے کے سفر میں کیا کیا ہوا؟ ہمارے قارئین کو ایک **Lion** ہی بتا سکتا ہے۔ جی ہاں یہ تو میں آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ آپ سب کی دعاؤں سے بندی ناچیز کو **Lion Broad Caster Club** کا صدر چُنا گیا ہے۔ اور میں اِس عزت کے لیے اپنے اللہ کی بہت شکر گزار ہوں۔ اسماء اعوان بہت خوبصورت گلستان سجاتی ہیں۔ انتخابِ خاص، خاص رہا۔ اور رنگِ کائنات میری کائنات کی طرح خوبصورت تھا۔ حنا رضوان خط لکھتی ہیں۔ نئی تبصرہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ میری بھانجی بھی ہیں۔ کچن کارنر اچھا ہے لیکن ذرا کم کیلوریز والے کھانوں کی ریسپی بھی دیں نا۔ تبصرہ ہمیشہ کی طرح طویل ہو گیا لیکن کوئی بات نہیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔

ﮬ: بہت اچھی، لاڈلی اور ہمت کا پیکر عقیلہ حق صاحبہ! صدر بننے پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ داستان تو ہم نے لکھ دی...... اور کیا رہ گیا باقی فسانے کو......

✉: محفل میں یہ بہار اور رنگوں سے منور آمد ہے ہماری ایور گرین دُردانہ نوشین خان کی مظفر گڑھ سے۔ لکھتی ہیں ڈیئر کاشی چوہان، السلام وعلیکم! سیما غزل کو عکس خوشبو ایوارڈ کی مبارک ہو۔ (اگر وہ دوشیزہ پڑھتی ہوں) رفعت سراج کو نئے گھر کی مبارکباد، صائمہ حیدر کو بھی اپنے گھر کی مبارکباد، مومن سلیم کے لیے صحت یابی کی دعا، کرامت علی واقعی مشہور شاعر تھے۔ اللہ پاک اُن کی مغفرت فرمائے۔ مجھے 'پھولوں کی رفوگری' (نظموں کا مجموعہ) پر آزاد نقیبی ایوارڈ ملا۔ اللہ کے کرم سے تیسرا افسانوی مجموعہ (پانچویں کتاب) زیرِ اشاعت ہے۔ دوشیزہ کا ایوارڈ نمبر دیر سے آیا۔ میں نے تو کراچی سے آتے ہی فوراً تاثرات لکھ بھیجے تھے کیونکہ اوائل تقاریب میں سہام مرزا جب حیات تھے وہ تاکید کرتے تھے کہ خط جلد لکھ کر بھیجو...... تاہم جون کا دوشیزہ پریس میں جا چکا تھا اور جولائی کا سہام مرزا مرحوم کے حوالے سے شمارہ تھا...... بہر حال ہم سے زیادہ ہمارے 'پنکھوں' کو اس نمبر کا انتظار تھا۔ میں جب بھی ایوارڈ کی تصاویر دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں دوشیزہ نے ادیبوں کی ناقابلِ تردید ٹیم تیار کی ہے۔ بہت پیارے نام نسیم آمنہ، رفعت سراج، شہناز انور شفا، دلشاد نسیم، رضیہ مہدی، افسر سلطانہ، نگہت سیما، صفیہ سلطانہ، فرزانہ آغا، رضوانہ پرنس، ایڈیسن ادریس، محمد تقی، گل، فرحت صدیقی، غزالہ رشید اور شاعری کی ملکہ شگفتہ شفیق، ناہید فاطمہ حسنین (اگر کوئی پیارا نام رہ گیا ہو تو پیشگی معذرت) پھر میں نسبتاً نئے لکھاریوں کو دیکھتی ہوں سیما رضا ردا، نیئر شفقت، غزالہ عزیز، مینا تاج، اُم مریم، بشریٰ سعید احمد، تمثیلہ زاہد، عقیلہ حق، سائرہ غلام نبی، سُنبل جو ایک منجھی ہوئی ٹیم بنتے جا رہے ہیں، کاشی چوہان بھی ان میں ایک چمکتا نام ہے۔ تقریب میں مجھے اظہارِ خیال کے لیے اچانک کہا گیا۔ اگر مجھے اس کے لیے پہلے سے ذہنی طور پر تیار کیا جاتا تو شاید یادگار یادنامہ

ہوتا۔ کاشی نے تقریب کا احوال بہت عمدہ لکھا۔ سب کے لیے محبت اور احترام کے خوبصورت الفاظ منتخب کیے۔ کام میں نمبرون کاشی رہا۔ مگر چونکہ انتظامیہ میں، میں صرف اسے جانتی ہوں چنانچہ اس سے ایک چھوٹا سا شکوہ ہے۔ میری نشست اگر کوئی اضافی کرسی رکھ کر اگلی لائن میں بنادی جاتی تو یہ میرا استحقاق تھا۔ میں ہزاروں کلومیٹر دور سے، آدھا لاکھ خرچ کر کے، نہایت بھاگ دوڑ سے پہنچی تھی۔ ایک بار پھر کاشی چوہان کی کامیاب رپورٹ نگاری کی تحسین کرتی ہوں۔ منزہ سہام اپنی ذہانت بھری آنکھوں سمیت ہمیشہ کی طرح اچھی لگ رہی تھی۔ اس شمارے میں احمد سجاد بابر کا ناولٹ 'ہجوم' خاصے کی تحریر ہے۔ یہ ناولٹ بامقصد ہونے کے ساتھ طاقتور اسلوب کا حامل ہے۔ بہت اعلیٰ، احمد سجاد بابر کو مبارکباد۔

ھ: بہت عزیز! ہردلعزیز دردانہ جی! تبصرے کا شکریہ۔ میری خواہش ہے کہ جلد سے جلد آپ کی تحریر سے فیض یاب ہوسکوں۔ گلے شکوے اپنوں ہی سے کیے جاتے ہیں اور اپنے اگر من چاہے ہوں تو کیا بات ہے (اگلی بار آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی)

✉: محفل میں یہ آمد ہے نورین ناز کی سانگھڑ سے۔ عرض کرتی ہیں اس دفعہ رسالہ ذرا دیر سے ملا لیکن اس قدر خوبصورت رسالہ تھا ہر چیز اتنی پرفیکٹ تھی کہ دیر سے ملنے کی کوفت ختم ہوگئی۔ ہم سب گھر والوں کو ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سب تحریریں خوبصورت تھیں۔ تسنیم علوی کا افسانہ بہت ہی خوبصورت تھا اور بینا عالیہ کا ناول بھی بہت اچھا ہے۔ عقیلہ حق کا ناول تو میرا پسندیدہ ترین ناول ہے۔ اس قدر اچھا ناول لکھنے پر عقیلہ حق کو بہت مبارکباد لیکن عقیلہ صاحبہ یہ بتادیں بیچاری زرقون کا کیا ہوگا؟ کیا اُس کو فراز مل جائے گا۔ اللہ کرے عرفان ثمینہ کو طلاق دے دے۔ ایڈیٹر صاحب آپ نے ایوارڈ کی تقریب کا حال تو اتنا زبردست لکھا ہے کہ ہم تو وہاں پہنچ گئے اور اتنے اچھے اچھے رائٹرز کے درمیان بیٹھ کر ہم نے بھی چائے پی۔ افسانوں میں فرح اسلم کا افسانہ اور احمد سجاد بابر کا ناولٹ دل کو چھو گیا۔ اس قدر خوبصورت تحریروں کے انتخاب پر ایڈیٹر صاحب شاباشی کے مستحق ہیں۔ لیکن مجھے اُن سے ایک شکایت بھی ہے کہ ساحل ابڑو صاحب نے ہماری اتنی اچھی اور چہیتی رائٹرز کی اس طرح بے عزتی کی۔ میں تو کہتی ہوں اُن کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ اتنی معتبر رائٹر کو افسانوں اور کہانیوں کا فرق بتائیں۔ جناب ساحل ابڑو صاحب مطالعہ کی ضرورت ہماری اتنی اچھی رائٹر کو نہیں بلکہ آپ کو ہے۔ آئندہ کسی کے بارے میں لکھنے سے پہلے سوچا کریں۔ ہم کسی بھی رائٹر کے خلاف اس طرح کی باتیں برداشت نہیں کر سکتے اور میرے خیال سے سب لوگ میری اس بات سے متفق ہوں گے۔ باقی سب کے لیے دعائیں اب لکھتے لکھتے غصہ آ گیا تو باقی تبصرہ بعد میں۔

ھ: اچھی بہن! آپ کی رائے دوشیزہ کے ذریعے یقیناً ساحل تک پہنچ گئی ہوگی۔ تبصرے کا بہت شکریہ۔

✉: روبینہ شاہین صاحبہ کراچی سے اپنی محبتوں کے ساتھ عرض گزار ہیں، اگست کا دوشیزہ میرے ہاتھوں میں ہے۔ کچھ شمارے اتنے یادگار ہوتے ہیں کہ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہوتے۔ کس کس چیز کی تعریف کریں۔ ایوارڈ نمبر اپنی مثال آپ ثابت ہوا۔ ٹائٹل شاہکار تھا تو آگے محفل میں خوشخبری، رفعت سراج کا ناول کیا بات ہے۔ رفعت سراج میری فیورٹ ترین رائٹرز میں شمار ہوتی ہیں۔ مجھے تو ابھی سے ان کے ناول کا انتظار شروع ہوگیا ہے۔ کاشی صاحب! آپ نے تو حیران کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ تازہ ترین کارنامہ آپ نے ایوارڈ تقریب کی لمحہ بہ لمحہ روداد لکھ کر انجام دے دیا۔ کیا انداز ہے آپ کا کہ پڑھنے والا سمندر سے موتی تلاشتا رہے۔

واہ...... زبردست...... منزہ جی کا سپاس نامہ، محمود شام صاحب، مہتاب اکبر راشدی صاحبہ اور سید شاہد حسن صاحب کا اظہارِ خیال خوب رہا۔ جبکہ شگفتہ جی! کی محبت، نظم کی صورت بھلی لگی۔ آگے بڑھے تو صدف آصف کا مکمل ناول زندگی مسکرا اٹھی نے رنگ جمایا تو ناولٹ میں احمد سجاد بابر کا ہجوم بھی پیچھے نہیں رہا۔ مگر پڑھتے ہوئے ایسا لگا جیسے ہم کوئی پرانی تحریر پڑھ رہے ہیں۔ احمد جی آپ سے ہمیں خاک ہوئے گلاب جیسی تحریر چاہیے۔ یقین کریں ہجوم بڑے دل سے پڑھنا شروع کی تھی مگر...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ...... آگے موجود تھیں میری فیورٹ فرح اسلم قریشی...... واہ فرح جی! بہانہ کمال تحریر تھی۔ اُس کے بعد تو چراغوں میں روشنی ہی نہ رہی۔ نہ تسنیم منیر علوی کی راحتِ دیدار کا رنگ نے رنگ جمایا نہ ہی سویرا فلک کی عید اور تیری دید کوئی تاثر قائم کرسکی۔ باقی تحریریں بھی بس روایتی ہی لگیں۔ اور ہاں یہ رانا زاہد حسین صاحب نے کیا لکھا تھا؟ میں اب تک سمجھنے کی کوشش کررہی ہوں۔ اب یقیناً اگلے ماہ وہ مجھے ساحل ابڑو کی طرح مطالعے کی تلقین کریں گے۔ رانا صاحب آپ سے گزارش ہے مشاہدہ بڑھایئے۔ اپنی تحریر دوبارہ پڑھیں آپ کو میری بات سمجھ آجائے گی۔ انتخابِ خاص میں پدمنی زبردست تھی اور رنگِ کائنات میں بادشاہی پھوپی کی بادشاہت سب پہ بھاری ثابت ہوئی۔ واہ واہ کیا ہیرا نکال کرلائے آپ بادشاہی پھوپی کی صورت۔ باقی دوشیزہ میگزین زبردست تھا۔ اداریے کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ ابھی دیر نہیں ہوئی ایک المیہ تھا۔ آپ کو محفل میں آمد پر خوش آمدید اور جس طرح آپ نے محبت کی تشریح کی...... اس سے آپ کا خلوص اور سچائی عیاں تھی۔ یقیناً تبصرہ طویل ہوگیا۔ اگلے ماہ زندگی رہی تو پھر حاضر ہوں گی۔

ج: بہت اچھی روبینہ جی! سچ پوچھیں تو آپ کا تبصرہ پڑھ کر مزہ آگیا۔ کیا تجزیہ نگاری ہے آپ کی۔ خدا آپ کو ہمت دے۔

✉: مسز عابدہ کمال کراچی سے محفل میں شریک ہیں۔ لکھتی ہیں محترم ایڈیٹر صاحب السلام وعلیکم! رسالہ ایوارڈ نمبر تھا اور ایوارڈ نمبر بہت خوبصورت تھا۔ تمام افسانے بہت خوبصورت تھے۔ فرح اسلم کا افسانہ بہت خوبصورت رہا۔ مجھے ام مریم کا ناول بہت پسند ہے۔ میں رسالوں میں تبصرہ نہیں لکھتی میں بہت مصروف رہتی ہوں لیکن کسی رسالے میں ہر مہینے خط لکھنے کا سبب عقیلہ حق ہیں۔ ویسے تو مجھے کاشی چوہان کی تحریریں پسند ہیں خاص کر انہوں نے ایوارڈ کی تقریب کا حال بہت خوبصورت لکھا ہے۔ میرے خیال سے کاشی چوہان صاحب کو اُن کی اِس تحریر پر ایوارڈ ملنا چاہیے۔ اُن کی تحریر ایوارڈ کی حقدار ہے۔ اِس ماہ خط لکھنے کا سبب ساحل ابڑو صاحب کا خط ہے۔ میں نے اُن کا خط پڑھنے کے بعد...... دوبارہ ساحل صاحب کا افسانہ پڑھا۔ بار بار پڑھا، تو مجھے عقیلہ حق کی رائے سو فیصد درست لگی۔ لیکن کہنے کا سبب یہ ہے کہ تحریر پر رائے ہر ایک کا حق ہے۔ انہوں نے عقیلہ حق کے ساتھ بہت زیادتی کی۔

ج: عابدہ جی! آپ کے سوال کا جواب آپ ہی کے خط میں موجود ہے۔ اپنی رائے دینے کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔ آپ کے جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں۔ اسی لیے پورا خط شائع کررہے ہیں۔ تبصرے کا بہت شکریہ۔

بہت پیارے ساتھیو! اِس ماہ ہماری ملاقات اختتام کو پہنچی۔ انشاء اللہ اگلے ماہ ان ہی صفحات پر ملاقات ہوگی۔ آپ کے تبصروں کا انتظار رہے گا۔

آپ کا ساتھی
کاشی چوہان

☆ وہ نام جو شناخت کا باعث ہے؟

♥: حفصہ خان۔

☆ گھر والے کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟

♥: یہ ہی کہتے ہیں۔

☆ وہ مقام جہاں سے آشنا ہو کر آنکھ کھولی؟

♥: کراچی۔

☆ زندگی کس برج (star) کے زیر اثر ہے؟

♥: میزان۔

☆ علم کی کتنی دولت کمائی؟

♥: ایم ایس ان ماس کمیونیکیشن۔

☆ کتنے بھائی بہن ہیں۔آپ کا نمبر؟

♥: 4 بہن بھائی ہیں، آخری نمبر میرا ہے۔

☆ برسر روزگار ہو کر پریکٹیکل لائف میں داخل ہو گئیں؟

♥: تقریباً۔

☆ موجودہ کیریئر (مقام) سے مطمئن ہیں؟

♥: کہہ سکتے ہیں۔

☆ پروگرام کے لیے اپنی طبیعت اور مزاج کے برعکس موڈ بنانا ضروری ہوتا ہے؟

♥: بالکل۔

☆: اس زندگی میں کون سا کام سب سے مشکل ہے؟

♥: اپنے آپ کو لوگوں میں منوانا۔

☆: کوئی ایسی خواہش جواب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

♥: ابھی تو بہت ساری ہیں۔

☆: کون سی چیز کی کمی آپ آج محسوس کرتے ہیں؟

♥: کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کرتی۔

☆: اپنی کون سی عادت بہت پسند ہے؟

♥: مجھے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ وقت گزارنا سب سے زیادہ پسند ہے۔

☆: اپنی کون سی عادت سخت ناپسند ہے؟

♥: جلد دوسروں پر بھروسا کر لیتی ہوں۔

☆: زندگی میں کون سے رشتوں نے دُکھ دیے؟

♥: زندگی نام ہی دکھ کا ہے۔

☆: لباس جگ بھاتا پہنتی ہیں یا من بھاتا؟

♥: من بھاتا۔

☆: اردو والے "سفر" کا ذریعہ کیا ہے؟

♥: اپنی گاڑی ہے۔

☆ صبح کا آغاز کس طرح کرتی ہیں؟

♥: نماز اور ورزش۔

☆ دن کا کون سا پہر اچھا لگتا ہے؟

♥: صبح کا وقت۔

☆: حساس ہیں یا......؟

♥: بہت زیادہ حساس ہوں۔

☆: کون سے ایسے معاشرتی رویے ہیں جو آپ کے لیے دکھ اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں؟

♥: منافقت دکھ کا باعث بنتی ہے۔

☆: دولت، عزت، شہرت، محبت اور صحت اپنی ترجیح کے اعتبار سے ترتیب دیجیے۔

♥: عزت، صحت، دولت، شہرت، محبت

☆: سمندر کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

♥: روحانی سکون ملتا ہے۔

☆: پہلی ملاقات میں ملنے والے کی کس بات سے متاثر ہوتی ہیں؟

♥: ڈریسنگ سے۔

☆: خودستائشی کی کس حد تک قائل ہیں؟

♥: انسان ہی کو اپنی تعریف اچھی لگتی ہے۔

☆ یاد کا کوئی جگنو جو تنہائی میں روشنی کا باعث بنتا ہو؟

♥: بہت سارے ہیں۔

☆: غصے میں کیا کیفیت ہوتی ہے، خاموشی یا چیخ و پکار؟

♥: ماردوں یا مرجاؤں۔

☆: لوگوں کی نظر میں آپ کی شخصیت کیسی ہے، اعلیٰ، اچھی، بس ٹھیک؟

♥: لوگوں کو ہی پتا ہوگا۔

☆: موت خوف کا باعث ہے؟ اور اس کے علاوہ ڈرنے کی کوئی وجہ؟

♥: حادثاتی موت سے ڈر لگتا ہے۔

☆: فراز کے اس خیال پر کس حد تک یقین رکھتی ہیں کہ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا؟

♥: سوفیصد۔

☆: کھانا گھر کا پسند ہے یا باہر کا فاسٹ فوڈ؟

♥: ماما کے ہاتھ کا۔

☆ زندگی کے معاملات میں آپ تقدیر کی قائل ہیں یا تدبیر کی؟

♥: تدبیر سے ہی تقدیر بنتی ہے۔

☆: کون سے الفاظ عام بات چیت میں زیادہ استعمال کرتی ہیں؟

♥: آج تک غور نہیں کیا۔

☆: زندگی کا وہ کون سا پل تھا جس نے یکدم زندگی ہی تبدیل کردی؟

♥: میڈیا میں آ کر زندگی تبدیل ہو کر رہ گئی۔

☆: ویک اینڈ کیسے گزارتی ہیں؟

♥: ویک اینڈ صرف ریسٹ۔

☆: لوگ آپ کی کس چیز کی زیادہ تعریف کرتے ہیں؟

♥: مسکراہٹ کی۔

☆ شہرت، رحمت ہے یا زحمت؟

♥: رحمت۔

☆: کیا آپ اچھی راز داں ہیں؟

♥: ہاں کسی حد تک۔

☆: اگر آپ میڈیا پر نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

♥: فیشن ڈیزائنر ہوتی۔

☆: آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

♥: اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔

☆: ''ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا'' کس حد تک عمل کرتی ہیں؟

♥: بہت زیادہ۔

☆ اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے؟ اگر ہے تو کیسی موسیقی؟

♥: کلاسیکل موسیقی۔

☆: 365 دنوں میں کس دن کا سب سے زیادہ انتظار رہتا ہے؟

♥: اپنی سالگرہ کا دن۔

☆: پسندیدہ شخصیت؟

♥: محبت کرنے والے لوگ خدا کا تحفہ ہوتے ہیں۔ کبھی خدا انہیں والدین کی شکل دے دیتا ہے اور کبھی بہن بھائی کی شکل میں انہیں دنیا میں بھیج دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جن سے محبت کی جائے۔ وہ بھی پسندیدہ ہی ہوتے ہیں۔

☆: اپنے ملک کی کوئی اچھی بات؟

♥: ہمارا ملک پاکستان دنیا کا خوبصورت ترین ملک ہے۔ بس ذرا قانون کی پابندی ہو جائے تو ایسا ملک پوری دنیا میں نہیں ہوگا۔

☆: کیا ہم آزاد ہیں؟

♥: ''آزادی'' کا لفظ ہمیں آزاد تحفظ دیتا ہے۔ اس سے زیادہ آزاد ہونے کی مثال اور کیا دی جاسکتی ہے۔ الحمداللہ ہم آزاد ہیں۔

☆: لوگوں کی کوئی عادت جو بہت بری لگتی ہے؟

♥: لوگ خوامخواہ ذاتیات پر اُتر آتے ہیں۔ اُن باتوں پر بھی خط اُٹھاتے ہیں جن سے اُن کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

☆: خودکشی کرنے والا بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟

♥: بھلا اپنی جان خود قربان کردینے والا بزدل ہوسکتا ہے؟ میری نظر میں خودکشی کرنے والا بہادر ہوتا ہے۔

☆: آپ پاکستان میں کس تبدیلی کی خواہاں ہیں؟

♥: پاکستان میں تعلیم عام ہونا چاہیے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے ملک کا ہر بچہ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو۔

☆: مطالعہ عادت ہے یا وقت گزاری؟

♥: عادت ہے۔

☆: آپ کی کوئی ایسی دوست جس سے ہزار بار ملنے کو دل چاہتا ہو؟

♥: میں بہت کم دوست بناتی ہوں۔

☆: کن چیزوں کے بغیر سفر ممکن نہیں؟

♥: موبائل، کیمرہ، گلاسز اور پرس۔

☆: حرف آخر کیا چاہنا چاہیں گی؟

♥: ہمیں اپنے ملک کا وفادار ہونا چاہیے۔ اگر ہم ملک کے وفادار ہیں تو دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔

☆☆......☆☆

خواتین کی محبوب قلم کار

کئی دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ یافتہ **رفعت سراج**

رفعت سراج، جن کے جادوگر قلم کی کاٹ سے کون واقف نہیں۔

رفعت سراج، وہ قلم کار، جن کو قلم کی حرمت کا پاس، زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔

رفعت سراج، وہ قلم کار جنہیں اپنی تحریر سے دھڑکنیں بے ترتیب کرنے کا ہنر خوب آتا ہے۔

گلابی کاغذ اور زرد پھول کے بعد......

نئے شاہکار ناول کے ساتھ، آپ کے روبرو

بہت جلد ماہنامہ ''دوشیزہ'' ڈائجسٹ میں ملاحظہ کیجیے۔

بس تھوڑا سا انتظار اور......

منی اسکرین

منی اسکرین پر پیش کیے جانے والے مقبولِ عام ڈراموں پر بے لاگ تبصرہ

علی رضا عمرانی

اِس وقت پاکستان میں تقریباً بیسیوں چینل عوام کی دسترس میں ہیں۔ اِس الیکٹرانک خوشحالی میں جہاں عوام کے پاس معیاری ڈراما دیکھنے کا کال نہیں، وہیں ڈراموں کی بہتات نے بہتر سے بہترین، معیار اور کوالٹی کے لیے چوائس آسان کر دی ہے۔ منی اسکرین میں ہم مقبولِ عام ڈراموں پر بے لاگ تبصرہ شائع کریں گے۔

ارینج میرج

جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اور زمین پر بھیجے جاتے ہیں۔ اس نظریے کو اِس ڈرامے میں دقیانوسی بتایا گیا ہے۔ اِس کی کہانی یہی ہے کہ جسے آپ کے والدین پسند کریں اُس کے ساتھ شادی کے بعد محبت ہوتی ہے۔ اور یہی ارینج میرج ہے، ARY ڈیجیٹل کے لیے اس سیریل کی ہدایات سید احمد کامران نے دی ہیں اور رائٹر محسن علی ہیں۔ جبکہ کاسٹ میں آغا علی، نیلم منیر، سدرہ بتول، عصمت زیدی، شہریار زیدی، سلیم معراج، ماہرہ عباسی، عصمت اقبال، مصطفیٰ کاظمی اور دیگر شامل ہیں یہ نیا شروع ہونے والا سیریل ہر پیر کی شب 8 بجے کامیابی سے دکھایا جا رہا ہے۔

اِک محبت کے بعد

اے آر وائی ڈیجیٹل سے پیش کی جانے والی ڈرامہ سیریل 'اِک محبت کے بعد' اپنی خوبصورت کہانی کے باعث بے حد پسند کی جا رہی ہے۔ ہر جمعرات کی رات 9 بجے شب یہ سیریل دیکھی جا سکتی ہے۔ وصی شاہ کی لکھی اس سیریل کی ہدایات کاشف نثار نے دی ہیں۔ اس سیریل کے نمایاں اداکاروں میں نعمان اعجاز، سبرین ہسبانی، وجیہہ خان، ارم اختر، عمیر رانا، منزہ عارف اور سیمی راحل شامل ہیں۔ ان

تمام اداکاروں کی شاندار اداکاری نے اس سیریل کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

کنیز

اداکارہ صائمہ طویل عرصے کے بعد دوبارہ سے منی اسکرین پر موجود ہیں۔ سید فیصل بخاری کی ڈائریکشن میں بننے والا یہ ڈرامہ سیریل اپنی مثال آپ ہے۔ جس میں صائمہ، اسد، اورنگزیب لغاری نے اداکاری کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ زنجبیل عاصم شاہ اس ڈرامے کے رائٹر ہیں۔ جنہوں نے فلمسٹار صائمہ کو سامنے رکھ کر ایک شاہکار ڈرامے کی صورت منی اسکرین پر پیش کیا۔

اے پلس سے پیش کیا جانے والا یہ ڈرامہ سیریل اس وقت ہائی ریٹنگ لے رہا ہے۔

مانگ

اے آر وائی پر چلنے والا ڈراما ''مانگ'' اس وقت بہت اچھا جا رہا ہے۔ کہانی میں کوئی خاص بات تو نہیں ہے وہی دو بہنوں کی کہانی ہے مگر اسکرپٹ جاندار ہے اور اس کے ساتھ ڈائریکشن اور تمام اداکاروں کی خصوصاً بنش چوہان کی اداکاری لاجواب ہے۔ اس ڈرامے کی ہدایت کاری نین منھیار نے دی ہیں جبکہ اسے آئرن لائن پروڈکشن نے پیش کیا ہے، جنہوں نے ابھی حال ہی میں جیو کو ایک سپرہٹ سیریل ''دو قدم دور تھے'' کے نام سے دیا تھا۔ اس ڈرامے نے ریکارڈ ریٹنگ حاصل کی۔ یہ ڈرامہ بھی بہت پسند کیا جا رہا ہے مگر اسے نو بجے

کے ٹائم سلاٹ پر رکھا گیا ہے اور کچھ غیر معیاری کہانیوں پر مبنی ڈراموں کو آٹھ بجے کا سلاٹ دیا گیا ہے، جو سمجھ سے باہر ہے۔

کہانی رائما اور مناہل کی

ہم ٹی وی کا ڈراما ''کہانی رائما اور مناہل کی''

ایک ایسی ہلکی پھلکی کامیڈی پر مبنی ڈرامہ ہے جسے بچوں اور بڑوں دونوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ اب یہ اپنے اختتام کی جانب گامزن ہے اور گزشتہ قسط میں کامیڈی کے بجائے تھوڑی سنجیدگی دیکھنے کو ملی۔ اس ڈرامے نے پہلی قسط سے ہی ناظرین کو متاثر کیا ہے۔ جس کی وجہ ایک تو دلچسپ کہانی اور جملے اور دوسرا معیاری کاسٹ ہے۔ عموماً مزاحیہ ڈراموں میں بڑی کاسٹ نہیں لی جاتی مگر اس میں پروڈکشن کوالٹی اور کاسٹ سے لے کر ہر چیز معیاری رکھی گئی ہے۔ اس کی ہدایت فہیم برنی نے دی ہیں جو ایک مشہور اور اچھے ہدایت کار ہیں۔ اس ڈرامے کی تحریر فائزہ افتخار کی ہے اور یہ سید افضال علی کی پیش کش ہے۔ ڈرامے کی کاسٹ میں سجل علی، مہرین سید، شہروز سبزواری، واسع چوہدری، عرفان کھوسٹ، احمد علی بٹ ودیگر شامل ہیں۔

میرے مہربان

ہم ٹی وی پر نیا ڈرامہ ''میرے مہربان'' کے نام سے شروع ہوا ہے جسے سیونتھ اسکائی انٹرٹینمنٹ نے پروڈیوس کیا ہے۔ عبداللہ کادوانی اور اسد قریشی پہلے ہی بہت سے کامیاب سیریل جیو، ہم ٹی وی اور اے پلس پر پیش کر چکے ہیں۔ اس ڈرامے سے سیونتھ اسکائی کو کچھ زیادہ ہی توقعات ہیں کیوں کہ ڈرامے کی ہدایت ایک معروف ڈائریکٹر فاروق رند نے دی ہیں جنہیں ہم ٹی وی نے پچھلے سال بہترین ڈائریکٹر کا ایوارڈ بھی دیا تھا اور دوسری خاص بات یہ کہ مرکزی کرداروں میں عائزہ خان ہیں۔ عائزہ خان کا شمار آج کل کی مقبول اور معروف اور خوش قسمت اداکاراؤں میں ہوتا ہے۔ وہ جس ڈرامے میں ہوتی ہیں وہ ڈرامے

کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اسے ماہا ملک نے تحریر کیا ہے جن کے لکھے ہوئے ڈرامے بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ ان کی ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے اور سب سے اچھی بات اس ڈرامے کا ٹائٹل سانگ ہے جسے راحت فتح علی خان نے نہایت خوب صورتی سے گایا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہ ڈرامہ عوام کی توقعات پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔

☆☆......☆☆

Medora

Matte, Semi Matte, Glitter and Glossy Lipsticks with matching Nail Polish

MATTE
IN 90 COLOURS

SEMI MATTE
IN 20 COLOURS

GLITTER
IN 21 COLOURS

GLOSSY
IN 25 COLOURS

Get a look that compliments your overall style with Medora's extensive range of lip and nail colours.

MEDORA OF LONDON for a more beautiful you

MOL-5-14

پاکستان کی شان، قومی پہچان

''سمیع اللہ خان'' سے ایک یادگار ملاقات

انسان کا المیہ ہے کہ وہ زندگی کے اچھے دن کبھی نہیں بھولتا۔ وقت کا کام گزرنا ہے، گزر جاتا ہے۔ مگر اپنے نقشِ پا چھوڑ جاتا ہے۔ ہمارا قومی کھیل ہاکی ہے۔ ہاکی کے ذکر پر ہمیں اپنے سُنہری دن یاد آ جاتے ہیں۔ پوری دنیا میں پاکستان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ پاکستانی ہاکی کے کھلاڑی ہمارے ہیروز تھے۔ وقت گزرا اور گزرتے وقت نے ہم سے ہماری ہاکی کی فتوحات چھین لیں۔ آج اگر ہم پاکستان کے قومی کھیل ہاکی کا ذکر کرتے ہیں تو ذہن کے در و بام میں دو ناموں کی گونج سمیع اللہ، کلیم اللہ مسلسل تکرار کرتی ہے اور ہمارا سُنہرا ماضی، پوری تابنا کی کے ساتھ آنکھوں میں جھلملانے لگتا ہے۔ قارئین! ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہاکی کے سپر اسٹار ''فلائنگ ہارس'' اور ''ڈینجر مین'' سمیع اللہ خان ہمارے روبرو ہیں۔ جن سے کی گئی ایک یادگار ملاقات آپ کی نذر۔

☆ کچھ اپنے بچپن کے بارے میں بتایئے؟

ہم سات بہن بھائی تھے اور جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ ایک بہت بڑا گھر تھا ہمارا، جس میں ہم تقریباً پچیس تیس کزنز ہوتے تھے۔ کھیل کی طرف بڑا زور ہوتا تھا۔ گھر میں بڑا سا گراؤنڈ تھا۔ ساتھ کھیلتے تھے۔ کھیل کود کے ساتھ ساتھ والدین کی یہ خواہش بھی ہوتی تھی کہ ہم پڑھائی کی جانب بھی پوری توجہ دیں۔ اسی وجہ سے ہمارا کھیل اور تعلیم ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ ہم تمام کزنز نے گریجویشن کیا اور پھر جب 1971ء میں میری تعلیم ختم ہوئی تو میں نے پاکستان ہاکی ٹیم میں شمولیت اختیار کی۔

☆ بچپن کے یہ دن کہاں گزرے کراچی یا بہاولپور؟

یہ سُنہری دن بہاول پور کے آبائی گاؤں میں گزرے۔ کراچی میں تو ہم 1978ء میں آئے ہیں۔ ورنہ اُس سے پہلے تو ہم یہاں کبھی کالج کی طرف سے، کبھی یونیورسٹی کی طرف سے آتے جاتے رہتے تھے۔

☆ بچپن کی کوئی یادگار شرارت؟

شرارتیں تو بس یہ ہوتی تھیں کہ پکنک منانے چلے گئے۔ گرمیوں کے سیزن میں خاص طور پر نہر پر چلے گئے، تالابوں پر چلے گئے۔ آموں کی پارٹیاں ہوتی تھیں۔ کسی کے آم چرا لیے مگر اوور آل میں اتنا شرارتی نہیں تھا جتنے میرے اور کزنز تھے۔

☆ تعلیمی میدان میں کیا کارنامے سر انجام دیے؟

میں نے B.S.C کیا۔ 1971ء میں انجینئرنگ کالج لاہور میں داخلے کی کوشش کی لیکن چونکہ میں پاکستان کیمپ میں آ گیا تھا اس لیے داخلہ نہیں لے سکا اور پھر 1971ء میں پاکستان کیمپ سے میرا کیریئر اسٹارٹ ہو گیا۔

☆ ہاکی کھیلنے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ کوئی آئیڈیل تھا آپ کا؟

جی ہاں، میرے چچا تھے مطیع اللہ۔ وہ 1956ء۔ 1960 اور 1964ء کے اولمپک گیمز میں پاکستان کی طرف سے کھیلے تھے۔ ان کو دیکھ کر شوق پیدا ہوا۔ کیسے؟ یہ میں بتاتا ہوں۔ ان کے ساتھ ہم کھیل دیکھنے جاتے تھے بلکہ اُن کی گیندیں اُٹھا کر گراؤنڈ میں ڈالتے تھے۔ اُن کی پریکٹس ہوتی تھی اور ہماری ہاکی میں دلچسپی بڑھتی جاتی تھی۔ اس طرح کرتے کرتے ہاکی پلیئر بن گئے۔

☆ کسی یادگار میچ کے بارے میں بتایئے؟

1974ء میں، میں لیفٹ ہینڈ کھیلتا تھا۔ اُس کے بعد لیفٹ آؤٹ پہلا میچ کھیلا اور گول کیا اور اس کے ساتھ 1982ء کے جو ایشین گیمز ہوئے، جو دہلی میں ہوئے تھے اور اس کے فائنل میں اندرا گاندھی آئی تھیں۔ پاکستان نے بھارت کو ایک کے مقابلے میں سات گول سے ہرایا۔ اس بدترین ناکامی کی تاب نہ لاتے ہوئے اندرا گاندھی صاحبہ 45 منٹ میں اسٹیڈیم سے رن آؤٹ کر گئی تھیں اور اُن کی پوری کیبنٹ بھی چلی گئی۔ وہ ایک یادگار میچ تھا اور پاکستان کے لیے بھی یہ ایک ریکارڈ تھا اور آئندہ کئی سالوں تک وہ ریکارڈ بریک نہیں ہو سکا تھا۔

☆ قوم کی توجہ ہاکی (قومی کھیل) سے کیوں ہٹ گئی؟

اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک تو پاکستانی ٹیم 1994ء کے بعد سے نہیں جیتی۔ 1994ء آخری وقت تھا جب ٹیم میں شہباز سینئر تھے۔ طاہر زمان، کامران اشرف، قمر ابراہیم، شاہد علی خان، سہیل عباس وغیرہ جیسے کھلاڑی تھے۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ پاکستانی ٹیم جیتی نہیں اور دوسری وجہ حکومت کی ترجیحات تھیں۔ ان میں اس امر کو ترجیح ہی نہیں دی

سمیع اللہ ایک نظر میں

☆ تاریخ پیدائش: 6 ستمبر 1951ء بہاول پور

☆1973ء میں پاکستانی قومی ہاکی ٹیم میں شمولیت اختیار کی۔

☆ لیفٹ آؤٹ پوزیشن کے بین الاقوامی کھلاڑی تھے۔

☆ تین ورلڈ کپس میں شرکت کی اور انہیں ''فلائنگ ہارس'' اور ''ڈینجر مین'' کے خطابات ملے۔

☆ دس سال قومی ہاکی ٹیم کی نمائندگی کی۔

☆ بحیثیت کپتان قومی ہاکی ٹیم سے ریٹائر ہوئے۔

گئی کہ پاکستان کی اسپورٹس کو بہتر کیا جائے۔ جب تک کھلاڑیوں کو جو بز ملتی رہیں، والدین بھی یہ چاہتے تھے کہ بچے کھیلیں۔ جب یہ سب چیزیں ختم ہوگئیں تو بس پھر کرکٹ ہی رہ گئی اور باقی تمام اسپورٹس ختم ہوگئے۔

اگر حکومت کی طرف سے اس طرف دھیان نہ دیا گیا تو ہاکی کے ساتھ ساتھ ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن اور اسکوائش، والی بال وغیرہ بھی ختم ہوتے جائیں گے اور پاکستان کا جو مقام ہے اسپورٹس کے میدان میں ایشیا میں، وہ بہت پیچھے چلا جائے گا۔

☆ آپ نے اپنی طرف سے اس کھیل کی ترقی کے لیے کیا کیا؟

ہمارے ہاں بھی کافی ساری اکیڈمیز بنی ہیں۔ ہماری کسٹم کی اپنی اکیڈمی ہے اور ہاکی فیڈریشن نے بھی اکیڈمیز بنائیں۔ لیکن میں نے آپ کو بتایا نا کیونکہ فیوچر پروگرام نہیں ہے کسی کے پاس، نہ ہی گورنمنٹ آف پاکستان کے پاس ہے۔ جب سے شوکت عزیز یہاں پر آئے انہوں نے ٹاپ تھری کلچر انٹروڈیوس کر دیا اور پھر یہاں کے لوگوں نے اُسے بہت زیادہ پروموٹ کیا۔ اگر نیشنل لیول پر انہوں نے چھانٹی کی تو جہانگیر خان، ظہیر عباس، جان شیر خان کو PIA سے نکالا گیا اور پھر ان کھلاڑیوں کو نکالنے کے بعد کوئی نیا اقدام کیا بھی نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد سے جو انٹرسٹ تھا گورنمنٹ کا اور عام فیملیز کا وہ ختم ہوگیا۔ جس کی وجہ سے اسپورٹس کا معیار نیچے گر گیا اور پھر اکیڈمیز میں لوگ اس لیے نہیں آئے کہ لاء اینڈ آرڈر اور پھر فاصلے اتنے ہیں کہ لوگ نہیں چاہتے کہ بغیر سکیورٹی کے اُن کا بچہ ایسی جگہ پر جائے۔ کس کی جان محفوظ ہے ہمارے یہاں اور دوسرا جب کمرشلزم آیا تو اس کھیل پر اتنا Impact پڑا کہ یہ کھیل بہت دور چلا گیا۔ باہر کی مثالیں جو ہم دیتے ہیں تو ہمیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ وہاں پر لیگز اتنی مضبوط ہیں۔ جس کو عمران خان کہتا ہے کہ کاؤنٹیز کھیلی جائیں؟

☆ تو پھر کاؤنٹیز کیوں نہیں کھیلی جاتیں؟

کاؤنٹیز تو کھیلی جائیں یہاں پر مگر آپ کو تو پتا ہے کہ کراچی کے پاس تو پیسا ہی نہیں ہے۔ حیدر آباد کے پاس ہے نا ملتان کے پاس ہے۔ جب تک کاؤنٹیز اسٹرونگ نہ ہوں۔ ڈیپارٹمنٹ اسٹرونگ نا ہوں، جو پیسے برداشت کریں، خرچا برداشت کریں۔ جب یہ سب ہے ہی نہیں تو کیسے ہوسکتا ہے کچھ بھی۔

☆ اس کا نقصان کیا ہے؟

کرائم کی بڑھتی ہوئی وجہ اس کا آنکھوں دیکھا نقصان ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔ پاکستان بھگت رہا ہے۔ بچے اس طرف آتے نہیں ہیں۔ کمپیوٹر پر

بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ جنگ بھی کرتے ہیں تو کمپیوٹر پر بیٹھ کر، وہ فائٹ بھی کرتے ہیں تو آئی پیڈ پر۔ اور وہ ہمیشہ سیکھتے نیگیٹو (منفی) باتیں ہی ہیں۔

☆ حال ہی میں ہونے والے فٹ بال ورلڈ کپ کے بارے میں کیا کہیں گے؟

ورلڈ کپ کے لیے حکومت کو تو چاہیے تھا کہ ایک مناسب جگہ بناتی۔ جیسے یہاں کسی راؤنڈ اباؤٹ میں سیکیورٹی فراہم کردی جاتی تاکہ بچے دیکھنے کے لیے

خطاب 1975ء میں۔ ملائیشیا میں کوالالمپور میں ورلڈ کپ میں ملا جب جرمنی کے خلاف پاکستانی ٹیم نے پانچ گول کیے اور وہ پانچ گول میری وجہ سے ہوئے اور دو گول میرے ہی ہوئے اُس میں جو جرمن کوچ تھا اُس نے مجھے 'فلائنگ ہارس' اور 'ڈینجر مین' کے خطاب دیے۔

خطابات پاکر بہت اچھا لگا مگر ان خطابات کو برقرار رکھنا سب سے مشکل کام تھا اور اس کے لیے

سمیع اللہ خان کا ایک انداز

آتے۔ سو بچے آتے تو اُن میں سے پانچ بچے کھیلنے کے لیے تیار ہوجاتے۔ تو ہماری حکومت نے وہ بھی نہیں کیا۔

جب ہم کھیلتے تھے اسکول اور کالج میں تو حیران کن تبدیلی دیکھتے تھے خود میں۔

☆ فلائنگ ہارس اور ڈینجر مین کے خطابات پاکر کیسا لگا؟

ایکسٹرا کوششیں کرنا پڑیں۔ 1975ء سے 1982ء تک ایک اسٹینڈرڈ مینٹین کرنا پڑا اور یہ ٹائٹل آج تک برقرار رہے اور لوگ بھی اُسی طرح یاد رکھے ہوئے ہیں۔

☆ انڈیا نے اپنی ہاکی ٹیم کے لیے 'چک دے انڈیا' بنائی، اس فلم میں جو میسج دیا گیا، کیا یہ ہمارے ہاں سچ نہیں ہوسکتا؟

اسکول، کالجز میں حقیقی طور پر اسپورٹس فنڈ استعمال ہونا چاہیے تو پاکستان کی اسپورٹس بہتر ہو سکتی ہے۔

اس سے وائلنس بھی کم ہوگا۔ جو اس وقت ہماری قوم میں ہے۔ قوت برداشت بالکل بھی نہیں ہے۔

بالکل ہو سکتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ وہ پکچر میں نے تین بار دیکھی۔ انہوں نے اُسے بہت اچھا پکچرائز کیا۔ وہ ایک ٹرو پکچر تھی۔ اور ریجنل کہانی Men کی تھی لیکن انہوں نے گرلز کی بنادی۔ بہت اچھا کیا۔ اس پکچر میں جو دکھایا گیا آل موسٹ ہاکی میں وہی سب چیزیں ہیں۔ اچھا کھلاڑی کبھی اگنور نہیں ہوتا۔ انڈیا اور پاکستان کا فرق یہ ہے کہ وہاں سکیورٹی ہے۔ کوئی بھی باہر کا آدمی آئے وہ وہاں پر ایڈجسٹ کر لیتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ مشکل ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہاں کمرشلزم بڑا آرہا ہے۔ جو انڈین ہاکی لیگ ہو رہی ہے اُس سے تقریباً باہر کے 300 کھلاڑی مستفید ہو رہے ہیں۔ نئے کھلاڑی سامنے آرہے ہیں۔ جس میں ان نئے کھلاڑیوں کو پتا ہے کہ ایک سیزن میں انہیں 20،25 لاکھ مل جائیں گے۔ نوجوان کھلاڑی اِس چکر میں آتے ہیں۔ یہ چیزیں ہمارے ہاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اللہ کرے حالات بہتر ہوں۔ کمرشلزم آئے یہاں اور پھر پاکستان ہاکی فیڈریشن کے جو لوگ ہیں وہ بہتر ہوں۔ جن کی سوچ ہو کہ ہاکی کو بہتری کی طرف لے کر جانا ہے۔ اُس طرح کے کیریکٹر جیسے مارشل نور خان، کے اے مظہر، بریگیڈیئر آصف، بریگیڈیئر حمیدی وغیرہ جیسے آجائیں تو ہاکی بہتر ہو سکتی ہے۔ مگر میں پھر یہی کہوں گا حکومت پاکستان کو زیادہ خیال اور توجہ دینا ہوگی۔ اس کے بغیر پاکستان کی ہاکی اور دوسرے کھیل بہتر نہیں ہو سکتے۔

☆ آپ پاکستان میں ہاکی کا مستقبل کیا دیکھتے ہیں؟

ہاکی کا مستقبل بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اس کو آرگنائز کیا جائے۔ اس وقت بھی آپ دیکھیں تو کرکٹ کے بعد جو کھیل سب سے زیادہ کھیلا جارہا ہے وہ ہاکی ہے۔ نوجوان کھیلنا چاہتے ہیں لیکن حکومت پاکستان کی فیڈریشن اور ڈسٹرکٹ لیول پر جو اسکول کالجز ہیں۔ اگر وہ اس کو صحیح طریقے سے پیکیج دیں تو ہاکی بہتر ہو سکتی ہے۔ لیکن اُس کے لیے چار سے پانچ سال چاہیے ہیں۔ بہتر لوگ ہوں گے تو کام ہوگا۔

☆ کل اور آج میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

کل...... پاکستان کے لحاظ سے دیکھیں تو بہت بہتر تھا۔

آج...... دن بہ دن مشکلات ہوتی جارہی ہیں۔ کل آبادی اتنی نہیں تھی۔ بہتر لوگ تھے مطلب یہ کہ کنٹری بیوٹر زیادہ تھے۔ اگر آپ کے محلے کا کوئی بڑا بھی کنٹری بیوٹ اتنا ہی کرتا تھا جتنا آپ کے والد یا چچا۔ اب وہ چیز یہاں نہیں ہے۔ اب وہ سسٹم تبدیل ہو رہا ہے۔ سسٹم کی تبدیلی میں ہی ہمیں تبدیلی لانا ہے تو کھلاڑیوں کو سہولیات دینا ہوں گی۔ اسپورٹس کے پروگرام ٹی وی پر آنے چاہئیں۔ اسکول، کالجز میں حقیقی طور پر اسپورٹس فنڈ استعمال ہو جائے تو پاکستان کی اسپورٹس بہتر ہو سکتی ہے۔ اس سے ہمارے معاشرے میں جو وائلنس ہے وہ بھی کم ہوگا۔ ہماری قوم میں قوت برداشت ختم ہوئی ہی اس وجہ سے ہے کہ ہمارے ہاں اسپورٹس نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔

☆ آپ اُس وقت کے اسٹار ہیں جب ہاکی

سمیع اللہ خان، منزہ سہام اور شگفتہ شفیق دوران انٹرویو کسی بات پر مسکراتے ہوئے

پاکستان کا جنون تھا، بے شمار خواتین فریفتہ ہوئی ہوں گی۔کوئی اسکینڈل بنا؟

(زبردست قہقہے کے بعد) دیکھیں اچھا کھیلنا جنون تھا۔ جو بھی کام کیے بڑے اچھے طریقے سے کیے۔ (محفل زعفران زار بن گئی تھی) اسکینڈل کوئی نہیں بنا خدا کا شکر ہے اور جو شادی ہوئی وہ ٹوٹل ٹوٹل ارینجڈ ہوئی۔

☆ سمیع اللہ صاحب کوئی ایسی فین جس سے آپ واقعی میں پریشان ہوئے ہوں؟

دیکھیے میں تو پریشان نہیں ہوا کیونکہ ہم تو عادی تھے۔ ایک بہت زبردست واقعہ یاد آ گیا۔ کسی خاتون فین نے آڈیو کیسٹس بھیج دیں۔ جس میں محبت کے گانے اور اظہار محبت اور پتا نہیں کیا کیا تھا۔ وہ میری بیوی نے مجھ سے پہلے کھول کے ٹیپ ریکارڈر میں لگا کر سُن لیے۔ میں رات کو سویا ہوا تھا تو وہ روتی ہوئی آئی۔ میں نے پوچھا کیا ہو گیا۔ تو پھر وہ ٹیپ ریکارڈر بھی ساتھ لے آئی۔ یہ شادی کے شروع شروع کی باتیں ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ سیٹ ہو گئیں کہ یہ اس فیلڈ میں معمول کی باتیں ہوتی ہیں۔ فون بھی آتے تھے۔

☆ وہ جو آپ کی فین نے کیسٹس بھجوائی تھیں، اُس میں گانے آپ کی پسند کے تھے؟

(اِس سوال پر پھر سے سمیع اللہ خان نے بھرپور قہقہہ لگایا) ہاں ہاں بالکل اُس میں ہر طرح کے گانے تھے اور اکثر میری پسند کے تھے۔

☆ اُن خاتون سے ملاقات ہوئی؟

بالکل...... وہ خاتون مجھے لاہور میں ملی بھی تھیں۔

☆ پہچانا کیسے انہیں آپ نے؟ (برجستہ سوال ہوا)

ہاکی کا مستقبل بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اس کو آرگنائز کیا جائے۔ اس وقت بھی آپ دیکھیں تو کرکٹ کے بعد جو کھیل سب سے زیادہ کھیلا جارہا ہے وہ ہاکی ہے۔

میں نے کیا پہچاننا تھا۔ انہوں نے خود مجھے کہا کہ میں نے آپ کو کیسٹس بھیجی تھیں۔ میں نے کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور پھر ان کو اپنی وائف والا قصہ بھی سنایا۔ بڑی انٹرسٹنگ خاتون تھیں۔ پتا نہیں کیسے انہوں نے میرا پتا حاصل کیا اور کیسٹس بھجوادیں۔ انہوں نے چائے پلائی، بعد میں وہ بولیں کہ مجھے کیسٹس والے کیس کا بہت افسوس ہوا۔ میں نے انہیں کہا کہ کوئی افسوس والی بات نہیں، جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔

☆ سپراسٹارز کا اپنا ہی ایک چارم ہوتا ہے۔ فلم اور کمرشل وغیرہ میں کام نہیں کیا؟

لاہور میں اُس وقت فلم بہت چلنے والا میڈیم تھا۔ مولا جٹ سپرہٹ ہوئی تھی۔ فلم والوں نے کام کی آفر دی کہ آپ بھی فلم میں کام کریں مگر اُس وقت بڑا عجیب سا لگتا تھا یہ سب کرنا۔ میں نے صرف ایک ٹی وی ڈرامہ کیا بطور ہاکی کوچ ''پیمانِ وفا'' جو کہ پاک چائنا دوستی پر بنایا گیا تھا۔ کام بھی اس لیے کرلیا کہ وہ ٹاپک ہاکی پر تھا۔ اس زمانے میں کھلاڑیوں کو یہ خیال تھا کہ وہ اپنے اپنے پاکٹ میں رہیں۔ اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں رہیں اور پھر مصروف اتنا ہوتا تھا کہ ٹائم ہی نہیں ملتا تھا۔ جو آفرز آئیں انہیں ریجیکٹ کردیا کہ یہ ہماری فیلڈ نہیں ہے، میں ہاکی میں بہتر ہوں۔ اگر آج کا وقت ہوتا تو میں ضرور اس طرف آنے کی کوشش کرتا۔

☆ آپ لوگ اپنی پاکٹس سے نہیں نکلے۔ اپنی لائنز کراس نہیں کیں۔ اسی لیے آپ کی آج بھی ویسی ہی عزت اور چارم ہے، کچھ نئے آنے والوں کو اس بارے میں مزید بتایئے؟

✉: اُس زمانے میں تمام لوگ Dedicated تھے۔ عمران خان، ماجد خان ہمارے ساتھ ہاکی کھیلنے آتے تھے۔ اس لیے کہ لاہور میں ان کا کلب تھا۔ یہ ہاکی اس لیے کھیلنے آتے تھے تاکہ ان کی آئی سائیڈ سیٹ ہو، گیند صحیح طریقے سے رُکے اور گیند صحیح طریقے سے ہٹ لگائے، آسٹریلین اور ساؤتھ افریقن جو کھلاڑی تھے۔ وہ بھی ہاکی ضرور کھیلتے تھے اور بیجنل وجہ یہی تھی کہ آئی سائیڈ سیٹ ہو اور بال صحیح طور پر ڈیلیور ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ شوق ہوتا تھا کہ اپنے کھیل کو بہتر کیا جائے، دوسرے کسی اور کھیل کے ساتھ۔ جیسے ہمارے اکثر کھلاڑی اسکوائش کھیلتے تھے۔ کھیل بہتر کرنے کے لیے۔ مگر وہ اپنی ہی فیلڈ میں رہے دوسرے کھیل میں نہیں گئے۔ اپنی لائنز کراس نہیں کیں اور ان کے کھیل کی دنیا گواہ ہے۔

☆ کبھی زندگی میں عشق کیا؟

عشق وغیرہ کے لیے بھی وقت نہیں ملا۔ یا یوں کہیے کہ ہاکی کا اتنا شوق تھا کہ مصروفیت میں اس قسم کا کوئی حادثہ ہو ہی نہ سکا۔

☆ میوزک پسند ہے؟

جی بالکل میوزک پسند ہے۔ اُس وقت بڑا اسلو اور 'دل موہ لینے والا' میوزک تھا۔ محمد رفیع، نصرت فتح علی خان، احمد رشدی، مہدی حسن، میڈم نور جہاں، لتا منگیشکر، کشور کمار، نیرہ نور وغیرہ وہ لوگ تھے جن کی

کاشی چوہان سمیع اللہ خان سے انٹرویو کرتے ہوئے

آواز میں واقعی میلوڈی تھی۔ آوازیں اٹریکٹ کرتی تھیں۔ جیسے ہم دلیپ کمار صاحب سے ملے۔ ان کا امیج ایک الگ ہی تھا۔ حالانکہ امیتابھ بچن بھی تھے۔ دھرمیندر بھی تھے۔ مگر جو سحر دلیپ کمار صاحب کا تھا وہ بہت ہٹ کے تھا اِن سب سے۔

☆ فلمز وغیرہ دیکھتے تھے؟

بالکل جی! ہمارا تین چار کا گروپ تھا۔ ہم موٹر سائیکلوں پر بہاولپور سے ملتان جایا کرتے تھے۔ ساٹھ میل کا سفر تھا اُس زمانے میں، اور دو گھنٹے لگتے تھے اور ہم باقاعدہ شو دیکھنے جاتے تھے۔ وہاں نئی فلم لگتی تھی اور بہاول پور میں وہ فلم پندرہ دن کے بعد آتی تھی۔ ہم گروپ بنا کر پانچ چھ موٹر سائیکلوں پر جاتے تھے۔ وہاں لنچ کرتے تھے اور پھر ڈنر کر کے واپس آتے تھے۔

☆ اُس وقت کے اِس کریز کا کوئی واقعہ یاد ہے؟

مجھے یاد ہے کہ جب لاہور میں ہمارا کیمپ لگتا تھا تو خواتین آسان حدف (Easy Exis) تھیں۔ ہمارا کوئی بھی کھلاڑی یا میں خواتین کی رو میں جا کے کہتے تھے کہ دس ٹکٹیں تو لے دیں ایکسٹرا۔ تو وہ پہلے بڑے غصے سے ہمیں دیکھتی تھیں کہ یہ دس ٹکٹیں ایکسٹرا کیوں منگوا رہا ہے اور پھر جب کوئی کہتا کہ یہ سمیع اللہ ہے تو وہ خوشی سے کہتیں آپ یہیں ٹھہریں، میں آپ کو یہیں لا کر دیتی ہوں۔ تو اس قسم کی اکثر باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ واقعی کریز تھا اُس وقت ہماری فلمز کا۔ لبرٹی اور نیشنل اسٹیڈیم لاہور کا، دونوں بڑے نزدیک نزدیک ہیں، تقریباً دو کلومیٹر فاصلہ ہوگا دونوں کا۔ بڑا اچھا لگتا تھا اُس زمانے میں کہ فرسٹ شو دیکھنا ہے اور اجتماعی دیکھنا ہے، مل کر دس بارہ نے۔

☆ مطالعے کا شوق رہا؟

بالکل رہا، جب تک کھیلتے رہے سب پڑھا۔

بڑے میگزینز پڑھے، بڑی چیزیں پڑھیں، کلام اقبال اور منشی پریم چند کو خاص طور پر پڑھا۔ جو کہ میرے فیورٹ تھے۔

☆ کوئی شعر یاد ہو تو سنائیں؟

بہاول پور میں ایک لائبریری ہے جو پاکستان کی بہت بڑی لائبریری ہے۔ اُس میں 1975ء سے لے کر اب تک کے سب اخبار ہیں، سب کتابیں، اپ ڈیٹ ہیں۔ میں وہاں چلا جاتا تھا اور بیٹھ کر کتابیں پڑھتا تھا۔ گھر سے قریب تھی اور اُس سے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ پڑھتے بھی رہے۔ سیکھتے بھی رہے۔

یادداشت کی حد تک تو اب بالکل بھی کچھ یاد نہیں۔ اُس زمانے میں تو بانگِ درا یاد تھی پوری۔

ہوتی ہے کہ وقت پر پہنچو جہاں بھی جانا ہے۔

☆ دوست کتنے ہیں، جن سے دل کی باتیں شیئر کی جاسکیں؟

پوری دنیا اپنی دوست ہے لیکن سب سے دل کی باتیں شیئر نہیں کی جاسکتیں۔ بہت کم ہیں ایسے دوست، مگر ہیں۔ جن سے گپ شپ لگائی جاسکتی ہے۔

☆ کامیاب انسان کی پہچان کیا ہے؟

وقت کی پابندی کرنا چاہیے۔ میں شروع سے وقت کا پابند رہا ہوں۔ میں کہیں جاتا ہوں تو سب سے پہلے فوٹو گرافر کو ڈھونڈتا ہوں۔ فوٹو کھنچوا کر واپس۔ فوٹو گرافر نے وہیں رہنا ہے۔ شروع شروع میں لوگ شکایت کرتے تھے کہ آپ آئے نہیں۔ میں کہتا کہ میں آیا تھا۔ میں دس بجے پہنچا وہاں کوئی نہیں تھا

خان (ٹرسٹ) آئی ہاسپٹل

اپنے ہوم ٹاؤن بہاول پور میں غریبوں کی فلاح کے لیے سمیع اللہ خان نے 6 ستمبر 2012ء سے آنکھوں کا ایک بڑا ہاسپٹل قائم کیا ہے۔ بہاولپور میں قائم ہونے والے اس ہاسپٹل میں اب تک 1580 زکوٰۃ کے مستحق مریضوں کے آپریشن بالکل مفت کیے جاچکے ہیں اور 30 دسمبر 2014ء تک 1400 مریضوں کا آپریشن متوقع ہے۔ 7000 غریب مریضوں کو نزدیک کا چشمہ دے چکے ہیں۔ تقریباً 17600 لوگ اپنی نظر چیک کروا چکے ہیں۔

فیض کو بہت پڑھا۔ شکوہ جواب شکوہ پورا یاد تھا۔ بس پھر آہستہ آہستہ چینج آتا رہا۔ مصروفیات بڑھتی رہیں۔

(درمیان میں چائے کا وقفہ ہوگیا۔ چائے کے بعد پھر سے ہماری گفتگو کا آغاز ہوا)

☆ سپر اسٹار صاحب، اسٹار تو بتایئے اپنا؟

درگو ہوں اور ہم لوگ وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں۔ میری اپنی بیوی سے لڑائی اسی بات پر

پھر میں واپس آ گیا۔ اب میں جہاں بھی جاتا ہوں سب سے پہلے فوٹو گرافر کو ڈھونڈتا ہوں۔ وہ بھی بیچارہ حیران ہوتا ہے کہ کوئی نہیں ہے اور فوٹو اتر وا رہا ہوں۔ تو میں کہہ دیتا ہوں کہ بھائی بتا دینا کہ میں آیا تھا۔

☆ میڈیا پر نظر کیوں نہیں آتے؟

میڈیا پر آتے ہیں مگر زیادہ نہیں آتے، ابھی حال ہی میں جو ورلڈ کپ ہوا تو ہم مسلسل نظر آئے۔

پاکستان کی ٹیم نہیں تھی۔ ڈسکشن تھی تو میڈیا پر آتے رہے۔ ویسے مہینے میں دو چار دفعہ کسی نہ کسی چینل پر ضرور نظر آ جاتے ہیں۔

☆ سیاست میں آنے کا ارادہ ہے؟

بالکل، کئی بار شوق ہوا۔ میں مس فائر بھی ہوا۔ تحریک ایک ہی ہے تحریک انصاف، جس میں آپ جاسکتے ہیں۔ لیکن جو پولیٹیکل حالات ہیں اور جو ڈسکشنز ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر آدمی ڈر جاتا ہے کہ یہ ہو کیا رہا ہے مگر دل کرتا ہے کہ سیاست میں ضرور جاؤں۔

☆ یعنی مستقبل میں اُمید رکھی جاسکتی ہے؟

بالکل، کیونکہ سیاست میں آنا چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کنٹری بیوٹ کرنے کی۔ اب تو یہ عالم ہے کہ میں جب بھی لاہور جاتا ہوں۔ کہتے ہیں جوائن کرلیں۔ جب ارادہ کرتا ہوں تو کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہو جاتا ہے اور میں ڈر جاتا ہوں۔

☆ پسندیدہ شخصیات کون سی ہیں؟

اسلامی لحاظ سے دیکھیں تو حضرت محمد ﷺ اور ویسے اگر پوچھیں تو قائداعظم جنہوں نے ہمیں ایک الگ ملک دیا، جہاں ہم آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ اور وجہ ہے کہ ہم نے اپنا ملک اچھی طرح سے رکھا نہیں ہے۔ ہم نے خرابیاں پیدا کی ہیں اس ملک میں۔

☆ حال ہی میں عید گزری ہے، اپنی کسی یادگار عید کے لمحات ہمارے قارئین سے شیئر کریں؟

بچپن میں تو یہ تھا کہ ہم سب لوگ اپنے گاؤں کی ایک جامع مسجد میں جایا کرتے تھے اور ہم ماشاءاللہ انتیس، تیس بچے، پانچ چچا، ماموں وغیرہ نماز کے لیے جا رہے ہوتے تھے۔ اس کا ایک الگ ہی مزا ہوا کرتا تھا لیکن جو عیدیں بھی ہم نے ملک سے باہر

سمیع اللہ خان انٹرویو کے دوران خوشگوار موڈ میں

کیں۔ وہ بڑی یادگار رہتی تھیں۔ خاص طور پر کینیڈا اور امریکہ کے رہنے والے پاکستانیوں نے ہماری اتنی خدمت کی کہ لفظ نہیں ہیں میرے پاس۔ انہیں اگر میں کہوں کہ وہ True Muslims ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ عید کے موقع پر ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ بردباری، تحمل اور برداشت کے ساتھ ماہِ رمضان کو گزاریں۔ کیونکہ یہ مہینہ ہمیں یہی پیغام دیتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس ماہ میں مہنگائی نہ ہو، ذخیرہ اندوزی نہ ہو، تب تو ہم کہیں گے کہ بھئی پاکستان کی صحیح خدمت ہو رہی ہے، اللہ کرے کہ ایسا ہو جائے۔

☆ آپ میں ایٹی ٹیوڈ کیوں نہیں ہے؟ اتنے Humble کیسے ہیں آپ؟ آپ کی وجہ سے پاکستان کا جھنڈا اونچا رہا۔ آپ میں یہ سب چیزیں کیوں نہیں ہیں؟

ہمیشہ سے ہی نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کیوں؟ کبھی کبھی یہ تکلیف دہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ آپ پولائٹ ہوتے ہیں تو آپ کمٹ منٹ کر کے پھنس جاتے ہیں۔ عام طور پر اسپورٹس مین بہت پولائٹ ہوتے ہیں۔ اسپورٹس اور اسپورٹس کے کھلاڑیوں نے پاکستان کو بہت عزت دلوائی ہے۔

☆ قارئین دوشیزہ کے لیے کوئی پیغام؟

ان کے لیے تو یہی ہے کہ میگزینز پڑھتے رہنا چاہیے۔ میں اپنی بیٹی سے بھی یہی کہتا ہوں کہ مطالعے سے بہت ساری چیزیں ٹھیک ہوتی ہیں۔ پڑھنا آتا ہے۔ انسان اَپ ڈیٹ رہتا ہے اور آپ کی اُردو بھی بہتر ہوتی ہے۔ میگزین پڑھنے سے آپ میں اور آپ کے بچوں میں ایک صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کا میگزین بہت اچھا ہے۔ اللہ کرے یہ قائم و دائم رہے۔

☆......☆......☆

جاتی بہار کی چاپ ابھی فضاؤں میں تھی، ہمیں خوشگوار رکھتی تھی کہ ''دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ'' کا مژدہ جانفزا سنائی دیا۔ ایک دلپذیر احساس میں لپٹی یہ خبر اکثر پیچھے گہرے پانیوں میں لے جایا کرتی ہے اور ان گہرے پانیوں میں ڈوبتے، ابھرتے، معدوم ہوتے اور سطحِ آب پر ابھرتے چہروں میں قدرِ مشترک ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ ''محبت'' محبت ایک لازوال محبت، خود کو ماضی کے گہرے پانیوں سے نکالتے، گیلے بال جھٹکتے، حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا تو یوں لگا کہ ورق تو بہت سے پلٹ گئے پر...... زندگی شاید اسی کا نام ہے کہ اپنی خوشیاں کھوجنی ہی نہیں دریافت کرنا پڑتی ہیں۔ ہمارے خطے میں فقط اپنے لیے یا دوستوں کے لیے ''جمنا پار کرنا'' ابھی بھی انہونیوں میں شمار ہوتا ہے۔

ایک 'اجیت کور' بھی ہے جو سینے کے بھیتر پکارتی ہے اور کہتی ہے کہ ''وہ ٹکڑا جو چھاتی کے پنجرے میں مقید ہے۔ یہ ٹکڑا بہت کچھ لکھنا چاہتا ہے۔ ڈھیروں کتابیں پڑھنا چاہتا ہے۔ میوزک سننا چاہتا ہے۔ تھیٹر، پینٹنگز، Sculpture دیکھنا چاہتا ہے اور ......قربتوں سے اوجھل، گئے برسوں کی دھول میں معدوم ہوتے اور نئے ابھرتے دوستوں کے قدموں کی چاپ......اور اُس چاپ کو تھامنا چاہتا ہے۔'' تو اِسی مدھر خواب کی رسائی میں سارس کرینوں کی سی اُڑان بھرتے اک انگڑائی لی اور بزبان شاعر کہا کہ

میں سب سے دور ہونا چاہتا ہوں
مجھے اپنی ضرورت پڑگئی ہے

یہ ارادہ باندھتے ہی کہ مجھے کراچی جانا ہے۔ کیسے کیسے چہرے، اُن سب کی باتیں اور وقت کی گھاتیں سرکنڈوں کی طرح من کے اندر اُگنے لگیں۔ اپنی نگہت سیما جو اک مرتبہ کراچی جانے کے لیے 'ہمسفر' ہی کی تلاش میں رہیں۔ ثمینہ افتخار اعوان جو 'محفل' کی تفصیل سننے کے لیے پُراشتیاق ہی نہیں، پُرشوق بھی ہوا کرتی تھیں اور اپنی طلعت اخلاق، جو صرف اپنی لگتی ہے۔ اس یادوں کی بارات سے بچتے، نکلتے ٹکٹ کروایا اور ایک دوست کا جملہ دل میں دُہرا کر خود اپنی ہمت بندھائی کہ میں کراچی جاؤں گی اور خود کو حیران کردوں گی۔'' نو برس پیچھے لوٹتے ہوئے گل...... گلِ گلزار کو فون کیا کہ جب بھی کراچی جانا فائنل ہو جاتا تھا تو ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پروگرام ڈسکس کرتے تھے۔ میری آواز میں

تھکاوٹ اور گل کی آواز میں نقاہت نے بتایا کہ نو برس اپنا آپ بتا کر گزرے ہیں۔ انہوں نے ہمسفر بننے سے تو معذرت کی لیکن یہ ضرور کہا کہ میرا سب سے سلام کہنا" میری دفن شدہ حسِ ظرافت پھڑکی اور میں نے کہا "اتنی دور سے اتنا بھاری بھرکم خالی خولی سلام اٹھا کر لے جانے میں تو کاندھے ٹوٹ جائیں گے کچھ "سلام عشقم یارا" قسم کی ہلکی پھلکی چیز بھجواؤ۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور ہم اُن دنوں کی یادوں میں کھو گئے جب ہم دونوں ہی "سروسز میس" میں پڑے تھے اور مائیگرین کے مارے ٹھنڈے برف اے سی اور فل پنکھوں سے بچتے پھرتے تھے۔ اللہ بھلا کرے کیسے دن ہوتے تھے لوڈ شیڈنگ کے بغیر ...... ہیں؟

اپنے رانجھے، اپنے آسمان، چندر لکھ فراز کو اپنا ہمسفر کیا، سوچا، اور فیصلہ کیا کہ اسے خود جانا ہے اور ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کے اٹھے ہاتھ اللہ کے ہاں مستجاب ہوئے اور اسے دوسری زندگی ملی۔ بے شک کہ جو اللہ کے نیک کاروں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا شکر گزار کیسے ہوسکتا ہے۔ میرے میٹھوں، میرے پیاروں کا ساتھ رہا تو بے شک باقی بھی کٹ جائے گی۔

جس روز شام کو جانا تھا۔ اُس روز صبح صبح سوچا کہ بھئی آج تو گھر والوں کو وی آئی پی لنچ باکس تھما دیں گے اور ذرا خمِ زلف سنواریں گے۔ (برسوں پہلے مجھے، گل اور دردانہ کو ایسے وقتوں میں ابٹن یاد آیا کرتی تھی) خیر! جلدی جلدی گھر کے کام نمٹائے، ابھی گھر سے نکلے ہی تھے کہ ساتھ والے گھر سے اُبلتی موسیقی کان میں پڑی۔ جس میں پُرجوش طربیہ تکرار تھی۔ "دلی والی گرل فرینڈ شرابی ہوگئی۔" دل میں کہا "بھئی واہ! کیا زمانہ آگیا ہے کہ احساسِ زیاں و احساسِ جُرم تو دور کی بات، لہجے میں پوشیدہ خوشی بتاتی ہے کہ موصوف اور دیگر گرل فرینڈ بھی مقروض نہیں۔" ابھی گیٹ تک پہنچی تھی کہ سامنے سے پک اپ کو ریز دیتا ہوا سبزی والا گزرا۔ یہ کیونکہ آتا نہیں بلایا جاتا ہے کسی بھی ضرورت مند کی کال پر تو باقیوں کو خبر کرنے کو Guest Appearance کے طور پر اک ہارن دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ جا وہ جا...... اس ہارن پر ساتھ والی ازلی خبط الحواس عشرت باہر نکلیں اور مجھے دیکھتے ہی بولیں "لڑکا کہاں ہے؟"

"کون سا لڑکا؟"

"آپ کا ملازم؟"

"وہ مارکیٹ گیا ہے۔"

"اوہ! اچھا پلیز، ایسا کریں۔ میری بھی ایک کلو بھنڈی، آدھا کلو بینگن اور اگر لیموں دو سو روپے کلو ہیں تو پاؤ لیموں اور ہاں...... دھنیا، پودینہ، سبز مرچیں، میں دراصل عاقل کو ناشتہ دے رہی تھی۔ تمہیں تو پتا ہے وہ کتنا چلاتے ہیں۔" مجھے تو ایسا لگا کہ جیسے سنہری رتھ جو چاند پر پہنچنے کو نکلا تھا، اُسے پہلے قدم پر ہی کسی نے اڑنگی دے دی ہو۔ اجیت کور علیحدہ اکھڑی اکھڑی سانسیں بھرنے لگی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یا باری تعالیٰ، سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ جبیدہ آپا نے مجھے کس جنم میں گھٹی دی تھی کہ کچن سے نکلنا نصیب نہیں۔ زندگی میں خانساماں بھی ملے تو ایسے شاندار کے اگر کہا کہ ہنڈیا چولہے پر رکھ دو تو آگے سے سوال آیا "چولہا جلانا ہے۔"

"اور نہیں تو کیا؟ ٹارزن کی اولاد، کیا سب کو، سب کچھ کچا کھلائے گا؟"

اپنے آپ سے جان چھڑا کے، اڑنگی کھا کر ہوش میں آتے مرے مرے قدموں سے سبزی والے تک پہنچے اور جل کر پوچھا۔ "کیسے دی ہے یہ صورت حرام بھنڈی؟"

''باجی! یہ بھنڈی نمانی کراچی سے آئی ہے۔ ڈیڑھ سو روپے کلو۔''

''کراچی سے آئی ہے کہ جیل سے آئی ہے؟''

''باجی کراچی آنے اور جانے میں تو بندے نمانے کا ایسا حال ہوجاتا ہے یہ تو نمانی بھنڈی ہے۔''

''اچھا! اچھا، نمانی بھنڈی تولو۔ میں شام کو کراچی جارہی ہوں بھنڈیوں کا احوال پتا کرنے اور ریٹ بھی، واپسی پر تمہاری خبر لوں گی۔'' ابھی باقی سبزیوں پر بحث اور تول چل رہا تھا کہ عشرت بہ نفسِ نفیس آگئیں اور پُراشتیاق سی بولیں۔ ''سُنا ہے آپ کراچی جارہی ہیں؟''

''جی! میں نے جلدی سے انہیں سبزی تھمائی اور جان چھڑائی کہ اب کراچی سے ہی کہیں سبزی نہ منگوا لیں اس وارننگ کے ساتھ کہ...... عاقل کتنا چیختے ہیں۔''

ایسے لانجھوں سے جان چھڑائی۔ ابھی دو چار کام نمٹائے تھے کہ اطلاع موصول ہوئی۔ ایئرپورٹ پر جلسہ ہورہا ہے۔ بہتر ہے کہ وقت سے پہنچ جائیں۔ ایئرپورٹ پر جلسہ......؟ ذرا حیرت ہوئی پھر سوچا کہ اِس مملکت خداداد پر رحمٰن سے رحم کے سوا کیا مانگا جاسکتا ہے۔ چلیں، جائیں گے ذرا جلدی، سو وقت سے پہلے جاکر ''بے نظیر انٹرنیشنل'' ایئرپورٹ پر نشست سنبھالی۔ پُرسکون، ٹھنڈے لاؤنج میں ٹی وی اسکرین پر بار بار اشتہار چل رہا تھا۔ ''اب گورا ہوگا پاکستان'' دل سے ٹھنڈی آہ نکلی اور سوچا باقی تو سارے کام ہوگئے، یہ رہ گیا تھا۔ اچھا ہوا اِس کا بھی خیال آگیا۔ ساتھ بیٹھی چُلبلی خاتون اشتہار والی خاتون کی طرف اشارہ کرتی بولیں۔ ''کچھ لوگوں کی قسمت میں بڑھاپے میں کوسنے سُننے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ انہی میں سے ہیں۔ اس جملے پر ہنسی تو بہت آئی پر میں سفر کی ابتداء تو کیا، انتہا پر بھی کوسنوں سے ذرا دور ہی رہنا چاہتی تھی۔

فلائٹ اناؤنس ہوئی' فراز اور فلائٹ دونوں اے ون رہے پر کراچی...... توقع سے زیادہ گرم تھا۔ شاید موسم سے علاوہ گرمیٔ خونِ ناحق بھی محسوس ہوئی۔ بے اختیار دل سے نکلا

اِس دھرتی پر نفرت بونے والے دیکھ
سیہون کا شہباز قلندر روتا ہے

پر آفرین تھی کوئل پر جو گرم ہوا سے جھومتے درختوں کے اندھیروں کے درمیان مسلسل کُوک رہی تھی کہ زندگی شاید اِسی کا نام ہے۔

27 مئی 'دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ' پر پہنچنا وقت پر ہی تھا پر ہال ہی مل کر نہ دیا۔ پندرہ سے بیس منٹ لابیوں میں گھومتے رہے۔ 'دلکشا ہال' نے بڑی دیر بعد دل ...... کُشا کیا۔ پی سی کے خنک ہال میں محبتوں کی گرمیاں تھیں۔ سب کا ہونا ہی کمال تھا کہ جس بے یقینی کی فضا میں سب جی رہے ہیں اس میں جینا ہی کمال ہے۔ دلکشا بینکوئیٹ ہال تھا اور سامنے ڈائس پر منزہ تھیں۔

اسٹیج پر جناب شاہد حسن، محمود شام اور مہتاب اکبر راشدی رونق افروز تھے۔ اگلی نشست پر بیٹھی رُخسانہ۔ سلام کرنے گئی تو انہوں نے مجھے اور فراز کو وہیں اپنے پاس بیٹھا لیا۔ کیا کہنے ہیں رُخسانہ کی برگد جیسی ٹھنڈی چھاؤں کے، تیس پینتیس سالہ ساتھ اور شفقت اور محبت کا ایک ہی انداز۔ منزہ کا وہی پُرعزم چہرہ اور پُراستقامت قدم، رائیٹرز تھے اور شرکاء۔ اسٹیج کے بائیں ہاتھ میز پر ایوارڈ بالترتیب رکھے تھے۔ ایک نئے ڈیزائن میں، جن میں ایک دوشیزہ کا مخصوص ہاتھ اور قلم والا سُنہری ایوارڈ گنگنا رہا تھا۔ یادِ محبت...... یادِ جوانی، اس کے آس پاس ادارے کے مستعد ارکان کھڑے تھے اور اپنے کاشی چوہان تھے

کہ جن کی جانفشانی اور محنت پر دو آراء نہیں ہو سکتیں۔ ایک دوسری ٹیبل پر منزہ کی کالمز پر مشتمل کتاب 'اُجلے حروف' ڈسپلے پر لگی تھی۔ جس کے لیے وہ بلاشبہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔ بے شک منزہ کی صلاحیتوں کا جتنا بھی اعتراف کیا جائے کم ہے کہ مختلف ذمہ داریوں کو بیک وقت نبھانا...... آسان نہیں۔

مقررین نے اپنی تقاریر میں کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا جن میں پرل پبلی کیشنز کی برسہا برس سے جاری ادبی خدمات کو سراہا گیا۔ دورانِ تقاریر محترمہ فاطمہ ثریا بجیا تشریف لائیں تو سب نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا۔ انتہائی کمزور، پُرشفقت، سادہ شخصیت، سادہ سوتی ساڑی اور گلے میں سچے موتیوں کی ایک لڑی۔ ان کو دیکھ کر یہ یقین پُریقین ہوا کہ کام بڑے ہوں تو پُرتصنع بناوٹ اور آرائش کیسی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ ہنستی مسکراتی، بڑھ بڑھ کر سب سے ملتی ہوئی میرے ساتھ بیٹھ گئیں۔ فراز پر پُرشفقت نظر ڈالی پھر کچھ دیر بعد قریب ہوتی آہستہ سے بولیں۔ ''میرے کان ختم سمجھو'' میں نے مزید اُن کے پاس ہوتے ہوئے کہا ''آپ کی آنکھ ہی کافی ہے'' کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ بارہا لوگوں سے ملنے خود آئیں اور دورانِ تقریر، مختلف جملوں پر بڑھ بڑھ کر داد دیتی رہیں۔ کیا عاجزی تھی اور کیا انکساری۔ اللہ پاک بجیا جیسی باہمت خاتون کے سائے ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ (آمین)

سیما رضا ردا جو کمپیئرنگ کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ انہوں نے ہمارا نام پکارا کہ دوشیزہ اور اپنے حوالے سے کچھ کہیں۔'' بھلا ایک محبت کے سفیر کو اور کیا کہنا تھا سوائے اس کے کہ میرا پیغام محبت ہے...... کہ بلاشبہ دوشیزہ ہی تو وہ پلیٹ فارم تھا کہ جہاں سے میں نے برسوں پہلے کام کا آغاز کیا اور اس سے بڑھ کر یہ بات کہ یہاں مجھے ان گنت بے لوث لوگ ملے کہ جن کے خلوص کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ خاص طور پر اپنے بیٹے فراز کے حوالے سے کہوں گی کہ یہ سب آپ سب کی دعاؤں کا فیض ہے کہ آج وہ کراچی تک آنے کے قابل ہوا۔ میں رُخسانہ، منزہ کے ساتھ ساتھ اپنے ریڈرز، رائٹرز اور ادارے کے برسہا برس کے تعاون کی شکر گزار ہوں جن میں تمام ایڈیٹرز قابلِ ستائش ہیں۔

جو لوگ وہاں موجود نہیں تھے یا جن سے میں مل نہیں پائی اُن تک بطورِ خاص ان سطروں کے ذریعے دلی تشکر اور اپنے شکر گزارانہ جذبات پہنچا رہی ہوں۔

تقاریر کے خاتمے کے ساتھ ہی رائٹرز/ ایوارڈ ونر کے نام پکارے جانے لگے۔ سب سے پہلے پیاری شہناز انور شفاء تشریف لائیں۔ ان کے بعد شاداں و فرحاں چہرے آتے رہے اور اپنے ایوارڈز وصول کرتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اگرچہ بہت سے ایوارڈ منتظر تھے اُن کہ جو آ نہ سکے۔ ایوارڈز کے ختم ہوتے ہی گروپ پکچرز ہونے لگیں۔ اسٹیج پر غالباً رائٹرز کے علاوہ بھی بہت سے لوگ شامل ہوگئے تھے کہ تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی، خیر اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں، خلقِ خدا کا ایک طرف جانا بتا رہا تھا کہ غالباً چائے لگ گئی ہے اور بلاشبہ ایسا ہی تھا۔ اس گھڑی برسوں پرانی خواہش عود کر آئی کہ کاش رائٹرز کے لیے چائے کی میز علیحدہ سے لگی ہوتی تو ان انمول گھڑیوں میں مل بیٹھنے کا مزا دوبالا ہوجاتا۔ چائے کے بعد سب ملنے کے لیے آتے رہے۔ شگفتہ شفیق اور رضیہ مہدی کو صحت مند اور خوش باش دیکھ کر سیروں خون بڑھا۔ اللہ پاک انہیں اور سب کو ہمیشہ ایسے ہی ہنستے مسکراتے رکھیں۔

نسیم آمنہ، فرحت صدیقی، دردانہ نوشین، فریدہ مسرور، دلشاد نسیم، تسنیم منیر علوی، شائستہ عزیز، سیما مناف، افسر سلطانہ، رفعت سراج، سلمٰی یونس، نشاط

خان، فرح اسلم قریشی، سائرہ غلام نبی، بعد ازاں ایڈیسن اور محمد تقی عزت افزائی کو ملنے آئے اور شبانہ جنہوں نے بار ہا ہمارے فون اٹھائے اور پیغامات نوٹ کروائے۔ ان سے بھی پہلی مرتبہ مل کر ہرگز نہ لگا کہ پہلی مرتبہ ہی مل رہے ہیں۔ جو کچھ نام رہ گئے ہوں گے وہ سب مجھے معاف کر دیں کہ فرزانہ جب سے فراز ہوئی ہے اندھلک ہوگئی ہے کہ چند ڈھلک، سمجھ نہیں آتا۔

کاش کچھ مزید پُرسکون لمحات میسر آ جاتے تو سب سے تبصرہ نہ کر سکنے کی کھلے عام معافی مانگتے۔ سُنبل کو دوبارہ سہ بارہ بتاتے کہ اُس کی Smile دُنیا کی معصوم ترین Smile ہے۔ دلشاد نسیم کی رائٹنگ میں ایک Vital Change بتانا اور بالوں کے لیے کوئی کارگر نسخہ پوچھنا تھا۔ دردانہ سے کہنا تھا کہ تم نے کہا کہ فرزانہ دوشیزہ کو میکہ کہتی ہے پر میں اس سے آگے جاؤں گی۔ میں کہتی ہوں دوشیزہ ہمارا عشق ہے۔ اس میں تو واقعی دو آراء نہیں کہ دوشیزہ ہمارا عشق ہے پر کوئی منہ سے مانے نہ مانے، دل سے تو مانے گا کہ عشق...... کسی دوسرے سے بھی ہو سکتا ہے۔ ہو جاتا ہے پر میکہ...... ایک ہی رہتا ہے (کم از کم ایشیا میں) میں اگلے دو تین دنوں میں، سب کے ساتھ کچھ اور وقت بتانا چاہتی تھی پر کچھ احباب شدید بیمار تھے اُن کی تیمارداری کا فرض عین، فرضِ کفایہ پر بھاری رہا۔ محترمہ نسیم بانو سے بھی ملنے جانا تھا کہ ہم دونوں کا بس چلے تو اپنی زندگی میں ہی اپنی محبت کی ایک یادگار بنالیں اور اس پر دن رات پھولوں کے چڑھاوے چڑھائیں کہ گزشتہ بائیس تیئس برس سے ایک دوسرے میں مبتلا ہیں۔ دوشیزہ کی سانجھ کا انکشاف تو بہت بعد میں ہوا اور سونے پر سہاگہ ثابت ہوا۔ محبت کے اس سفر میں نوازشات انہی کی رہیں۔ ورنہ اپنا تو یہ کہنا ہے کہ

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں

دل گناہگار...... بار بار سسکارتا تھا کہ فرضِ عین میں سے کچھ گھڑیاں چرا کر غزالہ رشید کے ساتھ کسی ساحل کو آباد کرلو۔ صبیحہ شاہ کے گھر کچھ دوست جمع ہیں۔ سادہ کھانا کہیے کہ وہ دعوتِ شیراز تیار کیے بیٹھی ہیں۔ اُن سے مل آؤ۔ دل کا کیا کہنا؟ پہلے جب روحانیت میں ڈوبا تھا تو پرفیوم چوک، ڈسکو موڑ، کنواری کالونی دیکھنے کا شوقین تھا۔ اب دہشت گردی کے ہاتھوں کچھ جارحیت پسند ہوگیا ہے کہ بضد تھا کہ اُسے گولیمار، دو تلوار، تین تلوار اور کٹی پہاڑی دیکھنا ہے۔ دل کا کیا ہے، وہ ہر اُس دوست کی پکار پر پلٹ رہا تھا کہ جن سے ملنے کی خواہش، آرزو بنتی دکھائی دے رہی تھی۔

اگرچہ میکے سے لوٹتے حسب سابق لازوال سیری تھی۔ خلوص کی ان گنت گٹھڑیاں تھیں جن پر گرہ پہ گرہ لگاتے ہم ہانپتے تھے۔ فراز کے لیے کچھ دوستوں کی انمول محبت کے ساتھ ساتھ تحائف بھی تھے جو سینے میں دبی محبتوں کو گداز کرتے، چشمِ نم کو تر رکھتے تھے۔ پر ساگر تھا...... کہ مسلسل بسورتے، شوریدہ سری میں ساحل پر سر پٹک رہا تھا۔ کسی معصوم ناسمجھ بچے کی طرح ٹھنکے چلا جارہا تھا کہ میں اُس کے کنارے ایسے کھڑی تھی کہ جیسے بہت پرانے وقتوں میں کوئی لڑکی عید کرنے میکے آئے اور ابھی عید کی شام ڈھلی بھی نہ ہو کہ اُسے لینے بیل گاڑی کچے مکان کے دروازے آن لگے، لڑکی اپنے چمکیلے کپڑے، گہنے سنبھالے واپسی کے سفر کو اُس میں آن بیٹھے اور ایک ناسمجھ، اُداس بچہ دروازے سے چپکے بےآواز روتے ہوئے مان کر نہ دیتا ہو۔ لہریں ایسے ہی ساحل پر سر پٹک رہی تھیں یہ سُنے بغیر کہ یار زندہ...... صحبت باقی۔

☆☆......☆☆

27 مئی 27 رجب المرجب، دوشیزہ کی 27 ویں تقریب ایوارڈ، پہلی اطلاع کاشی چوہان کے SMS سے موصول ہوئی۔ 2014ء کے ابتدائی چار ماہ دوشیزہ سے رابطہ (مطالعاتی) نہ ہونے کے سبب دل روٹھا ہوا تھا۔ ہاں یہ سچ ہے میں اب صرف دوشیزہ میں نہیں چھپتی ہوں۔ لکھنے کا، چھپنے کا سلسلہ شش جہت سہی مگر دوشیزہ سے قلبی ربطہ ایسا ہے کہ تعلق ٹوٹتا ہی نہیں۔ جیسے ایک مینٹل لیول کا گروپ بن گیا ہے۔ پرانی دوستی کا چھتنار پیڑ کھڑا ہو گیا ہے۔ پرانی دوستی شہد کی طرح ہوتی ہے۔ جو گاڑھی ہو تو مفید ہے۔ محلل ہو کر بھی مفید ہے۔ منزہ سہام کا فون آنے کے بعد سب گلے شکوے بھلا کر ساگر کنارے روشنیوں کے شہر روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اب سنیے وہ کشت جو میں کاٹ کر منزل مقصود پر پہنچی۔ یہ داستان آپ کو بور نہیں کرے گی کیونکہ پاکستان کی ایئر سروس سے آپ کا بھی واسطہ پڑتا ہوگا۔ (منزہ اس پر کالم لکھ سکتی ہیں)۔

27 مئی سے کئی روز بیشتر 27 مئی کی شام 4 بجے شاہین ایئر لائن کی بکنگ کرا کے مخدوم صاحب (میرے شوہر) نے مجھے خوشخبری سنائی۔ میں خوش ہونے کے بجائے اُلجھ سی گئی۔ کیونکہ 4 بجے کی فلائٹ کا مطلب 5 بجے کراچی لینڈ کرنا ہے، وہ بھی اگر مقرر شدہ ٹائم پر چلے جس کا امکان نہیں ہوتا۔ اُدھر اقبال زمان صاحب اور طاہر صاحب (جن سے تقریب کی آمدورفت کے سلسلے میں رابطہ تھا) نے صاف کہہ دیا کہ وہ لوگ ایئر پورٹ سے لینے نہیں آ سکتے اس وقت......

چنانچہ وہ ٹکٹ کینسل کرائے گئے (مزید جرمانہ بھر کر) اب 27 مئی 11 بجے صبح کی شاہین ایئر لائن کے دو ٹکٹ لیے۔

26 مئی کی شب اطلاع ملی کہ 11 بجے والی فلائٹ کل 12:15 پر فلائی کرے گی۔ خیر چلو خود کو معمولی تاخیر پر راضی کر لیا۔ 27 مئی کی صبح 10:30 مظفر گڑھ سے روانہ ہونے کے لیے تیار تھے کہ مخدوم صاحب نے ٹائم کنفرم کرنے کے لیے ایئر پورٹ فون کر لیا۔ وہاں سے بتایا گیا کہ یہ فلائٹ اب شام 5 بجے جائے گی۔

لو کر لو گل...... یعنی کوئی بات ہی نہیں۔ آپ ہماری کوفت اور جھنجلاہٹ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مخدوم صاحب ٹیلی فون رکھ رہے ہیں تو موبائل ملا

رہے ہیں۔ اُن کی اشتعال بھری آواز کبھی لاؤنج میں، کبھی لان میں گونج رہی ہے۔ (مگر شاہین ایئرلائن کی بلا سے) دوسروں کو ذہنی اذیت دینا تو جرم ہے نہ بداخلاقی...... اوپر سے اُسی دوران میری ایک مہمان خاتون آگئیں۔ اب اُن کے پاس بیٹھی ہوں، ذہن کہیں اور...... زبان کہیں اور...... ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے۔

ہم نے گاڑی نکالی اور ملتان ایئرپورٹ کے لیے اللہ کا نام لے کر چل دیے۔ معلوم یہی تھا کہ دن میں ایئر انڈس کی ایک پرواز جاتی ہے۔ اُس وقت تک کچھ بھی حتمی اور یقینی طور پر معلوم نہ تھا۔ مایوس واپس لوٹ بھی سکتے تھے۔ وہاں پہنچ کر ایئر انڈس 3:40 کے ٹائم کے دو ٹکٹ مل گئے۔ یہ ہمارے چاہنے والوں کی دعاؤں کا اثر تھا۔ ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھے مجھے خیال آیا کہ میرے پاس کراچی اُتر کر تیار ہونے کا کوئی ٹائم نہیں۔ مجھے اب وہاں ڈائریکٹ پی سی جانا ہوگا۔ میں نے ایئرپورٹ کے واش رومز میں لباس بدلا اور مخدوم صاحب کو بھی لباس بدل لینے کا کہا مگر وہ نہ مانے۔

کراچی ایئرپورٹ پر میرے عزیزوں کا ڈرائیور پرکاش معہ گاڑی موجود تھا باقی ماندہ تیاری یعنی کنگھی تک گاڑی میں کی، یہ تھی میری ٹوٹی پھوٹی تیاری......

کیا کیا سوچا تھا کیا ہوا...... بلاشبہ میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا (فرمانِ حضرت علیؓ)

اب جب تقریب کے ہال میں داخل ہوئی تو پچھلی نشستیں مقدر ہوئیں، کاش ہمیں ہمارے زمینی فاصلوں کے حساب سے بٹھایا جاتا۔ کراچی سے آنے والے تو ظاہر ہے جلد آجاتے ہیں۔ یہاں یہ بھی تھا کہ کچھ رائٹر خاص مہمانوں میں بٹھائی گئی تھیں۔ شاید اُن کی رائٹرز سے پروموشن ہوگئی ہو، مجھے اپنا رائٹر مقام ہی پسند ہے۔ اُس وقت روسٹرم پر

آشوبِ انتظار

بہار ایک سراب ہے
ریت میں اٹی ہوئی آنکھ کا خواب ہے

درد کے شہر میں بے چراغ گلیاں
خوف اوڑھے مکاں

خائف سرگوشیاں
اک شجر سایہ دار اَن گنت کلہاڑیاں

بے رحم آفتاب، دھوپ بے حساب ہے
سبز آسمان پر کیا کوئی سحاب ہے؟

آستین سانپ لیے
گڈریے سو رہے

لوٹ کے چھاؤں کو
چور آباد ہوئے

خشک ہوئی چراگاہ، منتشر ریوڑ ہے
اتنی کالی بھیڑیں ہیں گنتی دشوار ہے

سبز آسمان پر کیا کوئی سحاب ہے؟
گرد و غبار سے کب سالار آئے گا

اور وہ سنائے گا
اناجیل خبریں، ظفر مند فیصلے

تھک گئی دھرتی آشوبِ انتظار ہے
سبز آسمان پر کیا کوئی سحاب ہے!!

دُردانہ نوشین خان

منزہ کی کتاب ''اُجلے حروف'' سے ایک کالم پڑھا جارہا تھا (منزہ کی کتاب پر مطالعہ کے بعد تبصرہ اُدھار ہے انشاءاللہ) پڑھنے والا عمدگی سے پڑھ رہا تھا۔ سیما ردا کی کمپیئرنگ لاجواب تھی۔ سینئر قلمکاروں کو ڈائس پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ سب کے الفاظ واظہار خوب تھے۔

چمکتے تاروں سے ملاقات کا سلسلہ تقسیم ایوارڈز کے بعد شروع ہوا۔ مجھے دو ایوارڈز سے نوازا گیا۔ ایک خصوصی ایوارڈ'' دیوار پر دستک'' اور دو ناولٹ '' ذواضعاف اقل'' '' حاصل ضرب'' بہت مسرت ہوئی۔

دلشاد نسیم (خوش باش) فریدہ مسرور (سدا بہار) سائرہ غلام نبی (بنگال کی ساحرہ) نسیم نیازی (پیاری لاہورن) ناہید فاطمہ حسنین (بہت پُرخلوص) رضیہ مہدی (روحانی طور پر توانا) شگفتہ شفیق (FB والی سے مختلف اور اپنی اپنی) نشاط خان (اپنائیت سے بھرپور) افسر سلطانہ (روٹھی ہوئی سہیلی) فرزانہ آغا (سوویر) سیما مناف (سادگی میں پُرکاری) شائستہ عزیز (ہمیں کب اپنا سمجھو گی حسینہ) ایڈیسن ادریس (ویسے کے ویسے) سنبل (سوا سمارٹ) گل کی کمی محسوس ہوئی۔ حمیرا راحت نہیں تھیں۔ شمیم فضل خالق نہ آئیں۔ رفعت سراج اچھا بولیں۔

منزہ سہام مرزا ہمیشہ کی طرح فریش اور پُرعزم، شفاف آنکھیں، پُرجوش اور باہمت، تھوڑی سی صحت مند ہوگئی ہیں۔ رخسانہ سہام مرزا کی صحت پہلے سے بہتر تھی۔ مگر اُن کی آنکھوں میں میرے لیے شناخت کیوں نہ اُبھری؟ وہ مجھے کہتیں۔ دردانہ کتنی دور سے آئی ہو۔ بہت سی دوستوں نے کراچی میں کم مدت قیام کا شکوہ کیا، نگہت اعظمی کا اگلی صبح فون بھی آیا۔ میرا مشورہ ہے کہ ایوارڈ کی تقریب کا اعلان جب رسالہ میں آجائے تو اسے حتمی ہونا چاہیے۔ ملتوی ہونے کا کوئی امکان باقی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ اگر کوئی بہن ادیب بہنوں کو اپنے ہاں مدعو کرنا چاہتی ہے یا کسی قسم کی اور گیدرنگ ہے تو اس کا اظہار پہلے Convey ہوجانا چاہیے۔ دوشیزہ کی 27 تقاریب میں ہم سمندر کی دید کو ترستے رہے۔

مہتاب اکبر راشدی صاحبہ کی تقریر دلچسپی سے بھرپور تھی۔ توجہ کا مرکز رہی محمود شام صاحب برجستہ گوئی۔ فاطمہ ثریا بجیا کا رویہ مشفقانہ تھا اور کچھ نہ بھولنے والا تھا۔ وہ سب کے ساتھ یکساں محبت سے مل رہی تھیں۔ مجھے بھی محبت بھری توجہ دی۔ فرزانہ آغا کے سپر فراز سے ملنا ہوا اور دعائیں دیں۔ شگفتہ شفیق نے بتایا کہ اُن کی ڈاکٹر بیٹی بھی اُن کی طرح اندر جال (ناول) کی Fan ہیں اور کہا کہ پسندیدگی کا سلسلہ نسل در نسل چل رہا ہے۔ شگفتہ اور سنبل کی بچیاں کیوٹ تھیں۔ اگر میں نے کسی لکھاری بہن کا یہاں ذکر نہیں کیا تو اسے میرے حافظے کی کوتاہی پر محمول کیا جائے، دل میں مقام سب کا بلند ہے۔

کاشی چوہان کے ناتواں کندھوں پر بارگراں تھا مگر وہ چاق وچوبند اِدھر اُدھر مسلسل متحرک تھا۔ کاشی چوہان دوشیزہ کے لیے اہم پرزہ ہے۔ نوجوان دانیال اور زین سے بھی دعا سلام ہوئی اللہ انہیں ماں کا دست راست بنائے۔

ایوارڈ کی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے میرے فیصلے پر مخدوم صاحب نے بہت اچھا (سچا) فقرہ کہا۔

''اتنی رقم خرچ کرکے آپ اپنی کتاب چھپوا سکتی ہو۔'' مگر میں نے زندگی بھر ساتھ رہنے اور زندگی کے بعد رہ جانے والی کتاب کو چھپوانے کی بجائے یہ رقم خرچ کرکے دوستوں سے ملاقات کو ترجیح دی، یہ کیسی دیوانگی ہے۔

☆☆......☆☆

برخوردار کاشف!

السلام وعلیکم!

خیریت موجود، خیریت مطلوب۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کا اقبال بلند ہو۔

قارئین کرام شاید حیرت زدہ ہوں کہ رفعت سراج کاشی چوہان کو برخوردار کہہ کر کیوں مخاطب ہیں؟ جواب عرض ہے (اگر کہیں ذہن میں سوال اٹھا ہو) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

تیرے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جس کے صلب سے تیری بنیاد پڑی، دوسرا تیرا استاد، تیسرا تیری بیوی کا باپ۔

کیوں کہ استاد کا درجہ باپ کے برابر ہے اور میں کاشف چوہان کی پرائمری + سکینڈری کی استاد ہوں۔

کاشف چار پونے چار فٹ کے سائز میں (4th کلاس) مجھے ملا یا میرے ہتھے چڑھا۔ معصوم معصوم، سہما سہما...... مجھے دور دور سے بہت دیکھا کرتا۔ اکثر تھر تھر کانپتا...... (یہ کاشف سے پوچھیے گا کہ کیوں؟)

میں نے کبھی کاشف کو Punish نہیں کیا کیوں کہ وہ دیگر اسٹوڈنٹ پر میری مہربانیاں دیکھ کر پہلے ہی بہت ''متقی پرہیز گار'' ہو چکا تھا۔ ویسے تو مجھے اپنے تمام اسٹوڈنٹس ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ خاص طور پر تین اسٹوڈنٹس تو ناقابلِ فراموش ہیں۔ ایک کاشف چوہان، دوسرا جاوید ذکی، تیسرا شہباز نبی خان جو آج کل U.K میں Settled ہے۔

ان تینوں کی مشترکہ خصوصیت ان کا بھولپن، اور مجھ سے بے پناہ محبت وعقیدت کا اظہار۔ پیار کی بے ساختگی کیا ہوتی ہے وہ ان تینوں سے مل کر بہت اچھی طرح سمجھ آئی۔

کاشف اس محبت اور عقیدت میں سب کو پیچھے چھوڑ گیا۔ اس پر میرا اتنا گہرا رنگ چڑھا کہ آج آپ کے سامنے ہے۔ تخلیقات میں کمال کی گہرائی، بے ساختگی اور آنکھوں میں آنسو بھر دینے والا کرب ہے۔ جسے درد ریزہ ریزہ کر کے نہ بکھیر دے اس کی تخلیق ہمیشہ ادھوری اور محض نقشِ بر آب ہوتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ہونہار شاگرد آپ کے سامنے آیا اور مجھے اس پر فخر ہے کہ اس نے مجھے شرمندہ ہونے سے بچالیا ورنہ اِن طعنوں کے بعد میں کیا کرتی کہ یہ ہے تمہارا ہونہار شاگرد...... میرے پانچ

Collection (مجموعے) کاشف کے کریڈٹ پر ہیں اتنی طویل وضاحت کے بعد میں کاشف سے ڈھیروں معذرت کرتی ہوں۔

کاشف جب آپ نے مجھے دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب میں روسٹرم پہ دیکھا ہوگا تو یقیناً اُمید کی ہوگی کہ اس بھرپور تقریب میں، میں ضرور سب کے سامنے انکشاف کروں گی کہ آج کی اس تقریب کا رواح رواں۔ آپ سے اپنی تخلیقات کی داد وصول کرنے والا 'کاشی چوہان' میرا سرمایہ افتخار ہے۔

مگر اپنی تقریر میں یہ تذکرہ نہ کرنے کی وجہ صرف یہ رہی کہ مہمانِ خصوصی کے انتظار میں تقریب بہت لیٹ ہوگئی تھی۔ اور بہت محترم شخصیات جو بطورِ خاص مدعو تھیں۔ انہیں بھی وقت میں مناسب حصہ دینا اخلاقی ذمہ داری تھی اس لیے میں مختصر بات کر کے روسٹرم سے اُتر آئی۔ انشاء اللہ، آئندہ موقع ملا تو آپ کی کچھ معصومانہ باتیں حاضرین کو ضرور بتاؤں گی۔ زندگی شرط ہے۔

اب بات کرتے ہیں تقریب کی۔ یقین کریں تقریب میں سیما رضا کی کمپیئرنگ سُن کر میں ان کی مداح ہوگئی ہوں۔ اتنے کمال کے اور برمحل اشعار ان کے ذہن رسا اور ذوق کے اعلیٰ ہونے کا ثبوت تھے۔ بڑی جاندار، زندگی سے بھرپور توانا آواز، جس نے تقریب کے اختتام تک حاضرین کو تازہ دم رکھا۔

منزہ کا باوقار اندازِ ملاقات۔ رُخسانہ آپا کا پیار سے کہنا۔ اتنی موٹی ہوگئی ہوں۔ اٹھنے میں بھی وقت لگ جاتا ہے۔ میں نے ان کو تکلف برتنے سے روکا کہ آپ کو دیکھ کر تو ویسے ہی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی ہیں۔ (مدت بعد ملاقات ہوئی)

مہتاب اکبر راشدی صاحبہ کی قابلیت، علمیت سے کون انکاری ہے۔ انہی کے لیے تو فراز نے کہا تھا۔

سنا ہے وہ بات کرے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں

یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

یقین کریں وہ بول رہی تھیں اور سب دیکھ بھی رہے تھے سُن بھی رہے تھے۔

مرحوم سہام مرزا کی کمی مجھے اتنی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ میں ان کی ذات میں یوں کھوئی لگا وہ اِدھر اُدھر ٹہل رہے ہیں مجھ پر نظر پڑ جاتی ہے تو مسکراتے ہیں اور کسی اور مہمان کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔

جتنی دیر میں وہاں رہی وہ میرے ساتھ رہے۔ میری آنکھوں میں نمی اُتری تو اشارے سے کہنے لگے۔

''بُری بات...... یہ بتاؤ کبھی خود سے بہت دور محسوس کیا ہے؟ تمہارے گھر میں رکھے ہوئے ایوارڈ ہمیشہ میری یاد دلاتے رہیں گے۔ ہمیشہ تمہارے آس پاس ہی چلتا پھرتا محسوس ہوں گا۔''

تخلیق و ہنر کا شعور رکھنے والے ہمیشہ تخلیق کاروں کا شانہ دباتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مویشی اور انسان میں جذبات کا فرق ہی امتیاز دیتا ہے۔ جذبے کبھی فاصلے پیدا ہونے نہیں دیتے۔ جذبوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی نہیں ہے۔

☆☆......☆☆

ستائیس مئی بروز منگل کو بلا کی گرمی تھی مگر ہمارے دل دوشیزاؤں اور دوستوں سے ملنے کی خوشی میں ٹھنڈک سے پُر تھے۔

میں اور سیما مناف ہمیشہ کی طرح ''سچی یاری سب پہ بھاری'' کا تمغہ سینے پر سجائے کشاں کشاں پی سی کے ''دل کُشا ہال'' میں چلے جا رہے تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ''شفق، دھنک، ماہتاب گھٹائیں، تارے نغمے بجلی پھول'' سب ہی موجود تھے۔

بہت خوشی کی بات یہ تھی کہ بہت عرصے بعد تمام دوشیزائیں سوائے چند کے موجود تھیں بالخصوص دوسرے شہروں اور بیرون ملک سے آنے والے لکھاری تقریب کی شان بڑھا رہے تھے۔

جیسے اسلام آباد سے فرزانہ آغا، لاہور سے نسیم نیازی، بشریٰ سعید احمد، مظفر گڑھ سے دردانہ نوشین، ساہیوال سے نیرٗ شفقت وغیرہ کی حاضری سے کورم مکمل تھا۔

ہم نے دل سے بہت یاد کیا طلعت اخلاق احمد، گل، حمیرا راحت، غزالہ رشید، صبیحہ شاہ، ہمیشہ دل میں رہنے والی جہاں افروز اور ایسے ہی کئی دلکش نام جن کے دم خم سے دوشیزہ تروتازہ اور جوان ہے۔

تقریب میں نظامت کے فرائض سیمارضا ردا انجام دے رہی تھیں اور بہت خوب دے رہی تھیں۔ مہمانانِ گرامی میں محمود شام، مہتاب اکبر راشدی، معروف صحافی اور کالم نگار شاہد حسن صاحب، بجیا، عمرانہ مقصود، عامرہ عالم وغیرہ شامل تھے۔

تقریب کی خوبصورتی میں اُس وقت چار چاند لگ گئے جب سب سے آخر میں فرزانہ آغا اپنے ''چندر مکھ'' اور ہمارے ہم سب کے پرنس فراز آغا کے ساتھ تقریب میں شریک ہوئیں۔

فرزانہ بھی تروتازہ اور فراز بھی نشیب سے اُبھر کر، بھنور سے نکل کر جواں۔

خدا کرے کہ تیرے حسن کو زوال نہ ہو
میں چاہتا ہوں تجھے یونہی عمر بھر دیکھوں

میرے اور سیما کے داہنی جانب ڈاکٹر شہناز انور شفا، بائیں جانب الماس روحی، آگے کی صف میں دردانہ، سائرہ غلام نبی، سیمارضا اور آگے کی

صفوں میں دلشاد نسیم، نسیم نیازی، فرح اسلم اور دیگر دوشیزائیں براجمان تھیں۔

دلشاد نسیم اور رفعت سراج اپنے لمبے بالوں کی وجہ سے مشہور تھیں اور ہیں۔ اگر آج رفعت نے اپنے بالوں کو 'اوندھے منہ' نہ سُلایا ہوتا تو دونوں میں کانٹے کا مقابلہ ہوتا۔ رفعت کے بالوں کو دیکھ کر تو بس یہی خیال آتا ہے کہ

کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غمِ جاناں
کب تک کوئی اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے

بالوں کا ذکر ہو رہا ہے تو کاشی چوہان کے بالوں کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ میں نے سیما کی توجہ کاشی کے بالوں کی جانب مبذول کروائی کہ سُنہری بدلی کی اُوٹ سے دو چاند ہمک رہے ہیں اب پتا نہیں یہ چاند خود ساختہ تھے کہ بے ساختہ؟ ویسے کاشی اُس دن تمہاری پھرتی اور چستی قابلِ دید تھی۔ ماشاء اللہ۔ تمہارے بیٹے سے مل کر بھی خوشی ہوئی کہ موصوف کے جُڑواں انگوٹھے ہیں جو ہمارے ہاں خوش بختی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

دلشاد اور فرزانہ کو دیکھ کر سیما مناف کی 'رگ ضیافت' پھڑک اٹھی۔ شائستہ، کل دونوں کو کھانے پر نہ بلالوں؟ کس کس کو بلائیں؟ سیما کا انہماک اور اضطراب دونوں ہی قابلِ توجہ تھے۔

انگلیوں پر رائٹرز کا حساب لگایا جارہا تھا، ہمیشہ کی طرح 'بڑی مس' فریدہ مسرور پلٹ پلٹ کر ہم دونوں کے بولنے پر آنکھیں دکھا رہی تھیں (فریدہ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ ایسی گھوری پر صدقے قربان) اُدھر ڈائس پر سیما کا خوبصورت آہنگ و انداز سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ جہاں اتنی دوشیزائیں ہوں وہاں گھرداری، چولہے چوکی کا ذکر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔ سیما نے ایسے ہی کسی لمحے کو گرفت کر کے رحمان خاور کا یہ خوبصورت شعر نذرِ حاضرین کیا۔

ساجن کی یادیں بھی خاور کن لمحوں میں آ جاتی ہیں
آٹا گوندھ رہی تھی گوری نمک ملانا بھول گئی

پھر مہمانانِ خصوصی کی تقاریر کا آغاز ہوا۔
ایسے میں منزہ سہام اس مصرعہ کی عملی تفسیر بنی بیٹھی تھیں۔

تبسم پھر تکلم پھر خطاب آہستہ آہستہ

محمود شام صاحب نے اپنی تقریر میں اپنی مشہور نظم ''بیٹیاں پھول ہیں'' پڑھی تو مجھے یاد آیا کہ نوے کی دہائی میں میں نے اسی عنوان سے ایک ناولٹ لکھا تھا اور اِسی نظم سے تحریک لی تھی وہ ناولٹ آج بھی لوگوں کو یاد ہے اور انشاء اللہ میرا سیریل بھی اسی عنوان سے بنے گا۔

مہتاب صاحبہ فی البدیہہ بولیں ہمیشہ کی طرح اور خوب بولیں کہ عورت اپنی عزت خود کرے پھر دوسروں سے توقع کرے۔

منزہ کی باتوں کو بھی توجہ سے سُنا گیا۔

آخر میں تقسیم ایوارڈ کی باری آئی تو زمین کے بھاگ جاگ اُٹھے، لوگ باگ اُوپر سے نیچے اُتر کر آ گئے اور پھر بقول میر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ہمیں صرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے اور اُسی پر ہم تالیاں پیٹ رہے تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان لمحات کو اُوپر اسٹیج پر ہی عکسبند کیا جاتا۔

مگر منزہ پر سات خون معاف کہ لڑکی والے برأت کے دن کتنا ہی وی آئی پی انتظام کرلیں افراتفری میں تھوڑی بہت بدنظمی اور بدمزگی ہو ہی جاتی ہے پھر جب درجۂ حرارت چالیس

کے قریب ہو تو کراچی والے ویسے ہی بولا جاتے ہیں جیسے کہ کاشی۔ بجیا کو سیلوٹ کہ اس عمر میں تکالیف کے باوجود متحرک ہیں، منظم ہیں، ہر ایک کا بوسہ لے کر اُسے خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ یہ ''بوسہ'' اُن کی پہچان ہے۔ تقریب بہت منظم اور مکمل تھی۔ لذتِ کام و دہن میں دشت و دریا عبور کر کے نہیں جانا پڑا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جو اِس پوری تقریب کا نچوڑ ہوتا ہے۔ جب پیالیاں پلیٹیں کھڑکتی ہیں اور دوشیزاؤں کے دل اور لب ہلتے ہیں۔ تصویریں بنتی ہیں اور بدلتی ہیں اور پیاری شگفتہ، اس وقت بہت متحرک ہو جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ تصویریں وہی بنواتی ہیں اور بناتی ہیں۔ اپنی صاحبزادی ڈاکٹر کنزل کے ہمراہ وہ تتلی کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑ رہی تھیں۔ اُس تقریب کی تین تتلیاں بہت ہٹ ہوئیں۔ لانگ فراکس میں دلشاد نسیم، رضوانہ پرنس اور شگفتہ شفیق۔

لوگ مجھے اور سیما مناف کو دیکھ کر بہت حیران بلکہ پریشان تھے۔ فریدہ آپ کو شُنید ہو کہ اب میں سلطان راہی اور سیما انجمن ہیں سیما کے دُبلاپے کی وجہ میں قارئین کو ضرور بتانا چاہوں گی کہ سیما گزشتہ پانچ سالوں سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ انہوں نے پہلے قرآن تجوید اور تفسیر کے ساتھ پڑھا اب خواتین کو بھی یہی علم وہ دے رہی ہیں (جزاک اللہ) پھر ساتھ لکھنے کا محنت طلب کام...... اُن کے کریڈٹ پر کوئی دس بارہ سیریلز ہیں۔ ایسے میں کون مستقل سلطان راہی ہوتا ہے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔

روشنیوں، رنگوں اور گلے شکوؤں کے ساتھ یہ خوبصورت تقریب اختتام کو پہنچی۔ ایک دوسرے سے ملنے ملانے کے وعدے وعید ہو رہے تھے۔ منزہ کے چہرے کی طمانیت بتا رہی تھی کہ بیٹی اللہ کے کرم سے بخیریت رخصت ہو چکی ہے۔ لوگوں کی تعریف اُن کا سیروں خون بڑھا رہی تھی اور کیوں تعریف نہ کریں کہ اِس پُرآشوب دور میں ایسی تقاریب کرنا کارِ محال ہے۔ منزہ کوشش کریں کہ یہ محفل رنگ و بُو ہر سال سجائی جائے۔

خوشی خوشی ''یارِ غار'' کے ساتھ واپسی ہوئی تو رات کو صبیحہ شاہ کا فون آ گیا کہ جمعرات کو اُن کے ہاں ڈنر ہے۔ فرزانہ اور دلشاد کے اعزاز میں انہوں نے یہ تقریب رکھی تھی کہ سب مل بیٹھیں اور وقت کی بساط سے کچھ خوبصورت رنگ اور لمحے چُرا کر آنکھوں اور دل میں بسا لیں۔ مقررہ وقت پر میں اُن کے ہاں تھی۔ آج سیما میرے ساتھ نہیں تھیں۔ وہ علیحدہ سے آئی تھیں۔ تقریباً تمام رائٹرز (جن کو صبیحہ نے بلایا تھا) موجود تھیں جن میں سرفہرست غزالہ رشید، سعادت نسرین صاحبہ، انجم انصار، دلشاد نسیم، دلشاد کی دوست مسرت جو کہ بہترین گائیکہ بھی ہیں۔ سیما رضا، سائرہ غلام نبی وغیرہ شامل تھیں۔ سب سے آخر میں فرزانہ آغا آئیں۔

صبیحہ نے سب کو موتیے کے گجرے پہنائے، فرزانہ بھی اپنے ساتھ گجرے لے کر آئی تھیں۔ گجروں کی وافر مقدار دیکھ کر گمان ہوا کہ شاید گجرے ہمارے شوہروں کے لیے بھی منگوائے گئے ہیں۔

یہ تذکرہ ادھورا ہوگا اگر میں دلشاد کی دوست مسرت کا، اُن کی گائیکی کا ذکر نہ کروں۔ سریلے سروں سے سجا اُن کا گلا آج ہماری فرمائشوں کے لیے مختص تھا۔ ہم کہ ٹھہرے اجنبی، اتنی ملاقاتوں

کے بعد سے لے کر فرزانہ کی آمد پر میری فرمائش پر تم آئے تو آیا مجھے یاد، گلی میں آج چاند نکلا تک بے شمار گیت اُن سے سُنے گئے۔

فرزانہ اور دلشاد کو تقریباً سب ہی دوشیزائیں اپنے ہاں بلانا چاہ رہی تھیں مگر دونوں کے پاس صرف جمعہ کا ایک دن تھا۔

سعادت آپا نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہم سب کو اتوار کے دن مدعو کرلیا۔ آپا، سفید لباس، میچنگ جیولری، کلپ اور میچنگ چپلوں میں بہت باوقار لگ رہی تھیں۔ فرزانہ آغا نے آج بھی ساڑی زیب تن کی تھی جو کہ اُن پر بہت جچ رہی تھی، میری نظر اُن کے پیروں کی اُنگلیوں میں پہنے بچھوؤں پر پڑی تو تک سُک سے درست فرزانہ کو دیکھ کر اُن پر رشک آتا ہے۔ فرزانہ جس المیے سے گزری ہیں کوئی اور عورت ہوتی تو کب کا ٹوٹ کر بکھر چکی ہوتی مگر انہوں نے خود کو مظلومیت کا اشتہار نہیں بنایا بلکہ عزم و ہمت کی مثال بن گئی ہیں۔ پھر بھی اُن کو دیکھ کر نجانے کیوں مجھے عبیداللہ علیم کا یہ شعر شدت سے یاد آتا رہا۔

یہ سجا سجایا گھر ساتھی میری ذات نہیں، میرا حال نہیں
اے کاش کبھی تم جان سکو اِس سُکھ نے مجھ کو جو آزار دیا

وہ اِس وقت میرے اور سیما کے درمیان یہ کہہ کر بیٹھی ہوئی تھیں کہ یار پچھلے نو سالوں سے میرے دل میں یہ خواہش کروٹیں لے رہی ہے کہ میں بھی تم دونوں کے درمیان بھی بیٹھوں، وہ اور سیما ذکر کررہی تھیں نو سال قبل کی ایوارڈ تقریب کا جب سیما، فرزانہ کا ایوارڈ لے کر چلی گئی تھیں پھر اُن کا گھبرایا گھبرایا فون میرے پاس آیا کہ ''شائستہ میں سلمٰی آغا کا ایوارڈ لے کر آگئی ہوں۔ اب کیا کروں؟'' فرزانہ خوب ہنس ہنس کر اُن لمحات کا ذکر کررہی تھیں۔ اُن کی پُرلطف اور پُرمزاح گفتگو نے محفل کو گرما رکھا تھا۔ ایسے میں غزالہ نے فرمائش پر ترنم سے خوبصورت غزل سُنا کر سماں باندھ دیا (کاش کسی نے مجھ سے بھی کہا ہوتا تو میں...... میں......) لذت کام و دہن کے وقت اندازہ ہوا کہ صبیحہ جتنا خوبصورت لکھتی ہیں اُتنی ہی بہترین صاحبِ خانہ اور کُک بھی ہیں۔

لذیز قیمہ بریانی، مٹن کڑاہی، چکن کڑاہی، شامی کباب، تکہ، رس ملائی کھا کر اندازہ ہوا کہ ہر بہترین لکھاری کے پیچھے بہترین صاحب خانہ ہوتی ہے۔ صبیحہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ شائستہ، مزا آیا؟ بہت...... میرا جواب تھا۔ یہ جواب کھانے کے معاملے میں نہیں بلکہ تقریب کے حوالے سے تھا۔ لمحات تیزی سے گزر رہے تھے، دل چاہتا تھا کہ اِن لمحوں کو یہیں اسیر کرلیں، فرزانہ کو فراز کی فکر تھی کہ اُسے چھوڑے تین گھنٹے ہوگئے ہیں۔ سب سے آخر میں آنے والی سب سے پہلے چل دیں۔

پھر چل سو چل کا سلسلہ چل پڑا۔ میرے ہاتھوں میں سجے گجرے اور اُن کی خوشبو میرے پاؤں کی زنجیر بنے جارہے تھے۔

میں نے اِن لمحوں کو اپنی آنکھوں اور دل میں مقید کرکے واپسی کا اِذن کیا۔ صبیحہ اچھے میزبان کی طرح سب کو دروازے تک چھوڑنے آرہی تھیں۔ میں نے بھی اجازت چاہی، صبیحہ کا پُرجوش ہاتھ میرے ہاتھ کو بھی گرما گیا۔ موتیے کی خوشبو، دوستوں کی دلنواز باتوں اور رات کے مدھم پہر کی دلداریوں کو سمیٹے میں گھر کو لوٹ رہی تھی۔ الوداع اے شبِ ماہتاب و دلنواز، الوداع۔

☆☆......☆☆

ایک یادگار تقریب

دلشاد نسیم

اعزازت ہمیشہ فخر کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ یہ تمغہ یہ یقین دلاتا ہے کہ آپ کے لفظوں کو سراہا جارہا ہے وہ پزیرائی کے قابل ہیں۔ میرے سامنے دوشیزہ کی تقریب کا دعوت نامہ تھا اور میں سوچ رہی تھی اس بار تو ضرور جاوں گی ایک تو تقریب کافی سالوں بعد ہورہی تھی دوسرے میں مجھے بھی کافی سالوں بعد یہ موقع مل رہا تھا۔ تقریب سے ایک روز پہلے میں کراچی پہنچی ...... بے حد گرم موسم مگر جوش اور جنون اور سب سے بڑھ کر کچھ حاصل کرنے کے خوبصورت احساس نے موسم کی تلخی کو بھلا رکھا تھا۔

سیما رضا کی کمپیئرنگ میں پروگرام کا باوقار انداز میں آغاز ہوا۔ صدارت کی کرسی پر مہتاب راشدی جبکہ مہمان اعزازی میں مشہور صحافی شاہد اور محمود شام تشریف رکھے تھے۔ ایک اور قابل ذکر بات کہ منزہ کی خوبصورت کتاب کی رونمائی بھی تھی۔ مجھے میرے افسانے ''ایسی چوری'' پر ایوارڈ ملا۔ میں دوشیزہ کی ٹیم اور اپنے تمام پڑھنے والوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ...... مجھے ان سب کی محبتوں نے اس قابل کیا کہ آج میں اس مقام تک پہنچی ......

تقریب میں رضیہ مہدی اور شگفتہ شفیق کو ان تکلیف دہ بیماری کے باوجود ہنستا مسکراتا دیکھا تو خدا پر یقین کا ایک اور رنگ نظر آیا میری ان سے محبت اور گہری ہوگئی۔ رفعت سراج، سیما مناف، نسیم نیازی فرزانہ آغا، دُردانہ نوشین خان، عقیلہ حق، نیئر شفقت، سُنبل، فرح اسلم قریشی، ناہید فاطمہ حسنین، مینا تاج، سیما رضا ردا، سائرہ غلام نبی، فریدہ مسرور، نشاط خان، شہناز انور شفا، الماس روحی، سلمٰی یونس اور اور تمام لکھاری بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا بالخصوص جو میرے عہد کی ہیں دوسرے لفظوں ہم نے ساتھ ساتھ لکھنا شروع کیا۔

میں اس تقریب میں خاص طور پر کاشی چوہان کی ممنون ہوں۔ جن کی وجہ سے میرے قلم نے دوبارہ دوشیزہ سے رشتہ استوار کیا۔ کاشی کے بار بار مجھے لکھنے پر اُکسانے نے آج اس تقریب میں دوبارہ سے گزرا ہوا وقت یاد دلا دیا۔ واقعی دنیا گول ہے آج ثابت ہوگیا۔ تھینک یو کاشی۔

یہ رنگا رنگ تقریب بے حد پر تکلف ہائی ٹی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچی ......

☆☆......☆☆

ستاروں کی کہکشاں دل گشا ہال میں جگمگا رہی تھی۔ نجانے یہ کون سا رشتہ تھا۔ جس کے تار اتنے مضبوط تھے کہ لوگ دور دور سے چلے آرہے ہیں۔ چہروں پر گلاب جیسی تازگی اور رونق۔ مسکراتے ہوئے چہرے، محبت سے ایک دوسرے کے گلے ملتے ہوئے۔ یہ کون سے اَن دیکھے چراغ تھے جو دلوں میں جگمگا رہے تھے کہ ان کی روشنی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ کرنیں، وہ ستارے، وہ پھولوں کی خوشبو اور چاہت میں ڈوبے میٹھے بول، کس کس کو یاد کروں؟ رخسانہ...... جس کی محبت اور شفقت نے مجھے، اس فرحت صدیقی کو جو اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی اور خود کو بچانے کے لیے کراچی دوڑی چلی آئی۔ اپنی بانہوں میں اس طرح سے بھر لیا کہ مجھے لگتا ہے کہ میں شاید ازل سے ہی اُن کے ساتھ ہوں یہ رشتے کی اتنی خوبصورتی ہے کہ ریزہ ریزہ ہوتی فرحت صدیقی کو اپنے پیار سے، اپنی محبت سے، اپنی چاہت سے ان چار دنوں میں یوں باندھ دیا کہ میری بے چین روح سے آواز آئی۔ ''سوچو اور سمجھو یہ ہے زندگی۔'' اور میں ہواؤں میں اُڑنے لگی۔ منزہ کا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ، چمکتی ہوئی آنکھیں مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ ''یہ ہوتا ہے عزم'' یہ ننھی منی سی بچی جو آج چٹانوں کی مضبوطی اور آسمانوں کی وسعت سمائے ہوئے ہے۔ یہ 27 واں دوشیزہ ایوارڈ اس کی بہادری کا ہی تو نمونہ ہے۔ قلم کار قبیلے کو اکٹھا کرنا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

ستاروں کی کہکشاں دوشیزہ کے اُفق پر جگمگا رہی ہے۔

''واہ جی واہ کیا خوبصورت کمپیئرنگ ہے سیما رضا کی۔'' سماں باندھ دیا ہے، کیا کہیے۔

سنہرے بالوں اور گول مول چہرے والی رضوانہ پرنس...... جو U.K سے اس خوبصورت محفل کو سجانے آئی ہیں۔

ارے واہ...... یہ پھولوں والی ساڑی میں فرزانہ آغا ہیں جو اپنے بیٹے کا ہاتھ تھامے اسلام آباد سے آ گئی ہیں۔ ماں کی عظمت کا شاہکار...... ماں تجھے سلام۔

دلشاد نسیم کے لمبے خوبصورت بال ارے ہم پہلے بھی ملے ہیں لاہور میں۔ ہاں یاد آیا فیصل آباد، منزہ

کی تقریب میں، منزہ سلیم جس کی ادھوری عورت ٹی وی پر آتی رہی ہے۔

رفعت سراج، کیا خوبصورت نام، اور اس سے وابستہ کئی ڈرامے، کئی ناول اور بہت سارے افسانے، دردانہ نوشین مظفر گڑھ سے۔

ساہیوال اور دبئی سے بھی دوشیزہ کی ایوارڈ ونر رائٹرز...... محفل کو سجانے آ گئی ہیں۔ فاطمہ ثریا بجیا 84 سال کی عمر میں بھی اتنے گھن گرج کی مالک، سر پر شفقت سے پیار دیتی ہوئی معصوم خاتون، عزم ہی عزم، دل چاہا۔ ان کو سلیوٹ ماروں، لیکن موقع ہی نہ ملا۔ مہتاب راشدی کی کھٹی میٹھی باتیں، مزا آ گیا۔

محمود شام کی دل موہ لینے والی باتیں اور پیاری سی نظم، 'بیٹیاں پھول ہیں' اپنوں کے دکھ سکھ کی برسات، یہ خون کے رشتے نہیں۔ یہ صرف پیار کے رشتے ہیں۔ کاشی چوہان اور اس کا ہم شکل بیٹا، نازک سی سنبل، پیاری سی، خاص طور پر وہ ایوارڈ ونر جنہوں نے پہلے ہی افسانے پر ایوارڈ حاصل کر لیا۔ ان کے خوشی سے بھرپور چہرے۔ سارے جہاں میں کون ہے؟ جو پہلے افسانے پر ایوارڈ دیتا ہے اور وہ بھی اتنی خوبصورت محفل میں۔

دور کہکشاں کے اوپر ستاروں سے آگے بھی
ایک روشن ستارہ جگمگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے
''شاباش میری بہادر بیٹی......شاباش۔''

وہ چہرہ تو ہمیشہ یادوں کے بادلوں میں چاند کی طرح چمکتا رہتا ہے۔ سہام صاحب جن کی محبت رخسانہ!! بہادری سے بہادر بیٹی کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہے اور ان کا عزم، ان کا حوصلہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں کہہ رہا ہے۔

☆☆......☆☆

وہ موتیوں کی لڑی

جاتے جاتے کہہ ہی دیتی ہوں
میں تو مقروض ہوں

محبتوں کی، چاہتوں کی، خلوص کی
اَن دیکھی راہوں کے مسافر

جنہوں نے تھما دی ہاتھ میں
محبت کی قندیل

وہ روشنی جگنو بن گئی تاریک راہوں کی
سلام ان کو بلایا جنہوں نے محبت سے خلوص سے

یہ راستے، یہ منزلیں سب آساں ہو گئی
میں تو قرض اُتار رہی ہوں

ان کا جوان دیکھی راہوں کے مسافر ہیں
ہاتھوں میں تھامے ہیں

رخسانہ اور منزہ
وہ موتی کی لڑی

جس کی تار میں سموئی ہیں چاہت کی کلیاں
وہ موتیوں کی لڑی
اب زینت ہے

اُن یادگار لمحات کی
پھر جو سرمایہ حیات ہے زندگی کا
زندگی کا زندگی کا

فرحت صدیقی

پیارے کاشی ہمیشہ دعاؤں میں رہو تقریب بہت اچھی رہی کافی لوگوں سے ملاقات رہی۔ میں اپنی صحت کی کچھ مجبوریوں کی وجہ سے زیادہ لوگوں سے خود بڑھ کر ملاقات نا کر پائی البتہ جن لوگوں نے زحمت کی اور مجھ سے خود ملاقات کی اُن میں سے دو کم ازکم ایسے چہرے ضرور تھے جن سے مل کر میری وہاں آنے کی تکلیف چھومنتر ہوگئی۔ ایک تو فراز اُسے تو میں نے بہت پہلے بتا دیا تھا فرزانہ کو کہ یہ سب کا بیٹا ہے۔اب آپ کی اکیلی حکمرانی نہیں ہے اُس پر مگر کیا کیا جائے کہ خود فراز نے انکار کردیا۔ ''میں اُن کا بیٹا ہوں آپ کا نہیں'' اُس کی انگلی ماں کی طرف اُٹھی ہوئی تھی اور مجھے بے ساختہ پیار آ گیا۔ دوسری رفعت سراج۔ میں حقیقتاً اُن کو بہت شوق سے ہمیشہ پڑھتی آئی تھی۔ وہ اُٹھ کر اپنے سینئر ہو جانے کے باوجود مجھ سے ملیں، میرا دل شاد ہوا پھر وہاں ناہید سے ملاقات ہوئی اور گلے مل کر سارے گلے جاتے رہے۔ وہ خود اور بیٹی دونوں محبت ہی محبت ہیں۔ وہاں فرح اسلم قریشی تھیں، سلمٰی یونس تھیں اور غزالہ عزیز تھیں۔ پیاری پیاری سی موہنی صورتوں والی عقیلہ حق کی کیا بات ہے۔ میں ماں سمان لگی، انہیں میں نے گلے لگالیا۔ عمر سے کیا ہوتا ہے ویسے بھی اب عمر کی نقدی ختم ہوئی، اب ہم کو اُدھار کی حاجت ہے۔ اپنی شگفتہ نے بھی اپنی گراں قدر مصروفیات میں سے چند لمحے مختص کیے۔ رضوانہ پرنس کی مسکراہٹ اور وہ کون سا گانا ہے۔ قمیض تیری پیلی اور سوہنے مکھڑے والی کی تو وہ محفل ہی تھی۔ سب تعریفیں کر رہے تھے۔ دل میرا مچلا اور میں نے بھی چند لمحے مستعار لے لیے ویسے کسی اور تعریف کی ضرورت نہیں۔ چہرے پر بجی معصومیت مشکل سے یقین دلاتی ہے سب کو کہ اتنا سب کچھ کرڈالا (اس چھوٹی سی عمر میں) جو لگا وہ کہا۔ رخسانہ آنٹی کے چہرے پر بجی نرم نرم مسکراہٹ بھی دلربا تھی۔ بجیا نے، مہتاب اکبر راشدی نے تو ہمیشہ اپنے لیے لوگوں کے دل چنے ہیں، وہ خود بخود دل میں اُتر جاتی ہیں اور اہم ترین بات ہے کہ میری افسر سے بھی تو وہ پہلی ملاقات تھی، گرچہ لگ نہیں رہا تھا کہ وہ پہلی ملاقات ہے شاید ہم لوگ کبھی پہلے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دیر تک گھومے ہیں۔

میں نے گل کو بہت یاد کیا جو وہاں ہی پہلے ایک تقریب میں محبت سے ملی تھی اور یہاں شمیم فضل خالق صاحبہ! بھائی صاحب نے میرا اسلام پہنچایا آپ

کو۔ نسیم نیازی ملیں جو وقت کے ساتھ مزید
خوبصورت ہوتی جارہی ہیں۔ نیرّ شفقت سے
ملاقات ہوئی بہت اچھی لگیں اور اپنی شائستہ عزیز کو
پہچاننا مشکل لگا مگر اس تبدیلی نے خوشگوار اثر ڈالا ہے
اُن کی دوست اور سب کی دوست خاص طور پر ٹی وی
ڈراموں اور سیریلز کی دوست شائستہ کا اور شائستہ
نے اُن کا چولا پہن لیا دونوں محبت سے ملیں۔ فریدہ
اور غزالہ مجھے نظر نہیں آئیں یا آ ہی نہیں پائیں۔ نسیم
آمنہ بھی ملیں۔ سنبل پیاری لگ رہی تھی۔ محفل میں
فاطمہ ثریا بجیا کی تو کیا بات ہے موجودگی ہی کافی
ہے۔ رفعت سراج نے بتایا کہ پہلا ایوارڈ ملا تھا
عصمت آپا، سے۔ کیا بات ہے آپ کی۔ فرحت
صدیقی نے اپنے تاثرات بیان کیے۔ محفل میں
دلشاد نسیم اپنی دراز زلفوں اور دلکش شخصیت کے ساتھ
چھائی رہیں۔ اپنی شگفتہ تو ہیں ہی شگفتہ شگفتہ، فراز کا
آنا بھی سب کو اچھا لگا۔ فرزانہ خود بھی ایک
خوبصورت سراپے کی مالک ہیں اپنے دل کی طرح۔
مہتاب راشدی کی باتیں اور بات کرنے کا انداز تو
ہے ہی دلپذیر۔ نظامات کا حق بھی خوب ادا ہوا۔
دردانہ نوشین کچھ چپ چپ سی لگیں۔ میری طبیعت
بعد میں کچھ عین غین سی ہونے لگی تو آخر میں جلدی
جلدی چلی آئی۔ سب سے مل کر نہیں آسکی مگر خوشگوار
یادیں میرے ساتھ آئیں اور اب جب زرا گردن
جھکائی دیکھ لی والی بات ہے۔

تقریبِ ایوارڈ

مسز نگہت غفار

بہت ہی پیاری سی منزہ بیٹی، بہت ہی پیاری اور
پُرخلوص سی رُخسانہ جی ہونہار اور اچھے سے کاشی بیٹا!
آپ سب معہ اپنی فیملیز کے اللہ بزرگ و برتر
کی رحمتوں اور عنایتوں کے حصار میں رہیں (آمین ثم
آمین)

12 مئی کو ہمیں تقریب میں مدعو کرنے کے
لیے Msg پر Invitation ملا۔ بس جی! ہماری
خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ یہ دعوت ہمارے لیے بہت
زیادہ اہم تھی۔ ہم سے مراد میں اور نزہت دونوں
پہلی بار دوشیزہ کی تقریب میں انوائٹ تھے۔

ٹھیک 3 بجے میں نزہت کے ہاں پہنچی اور پھر ہم
لوگ 5 بجکر 15 منٹ پر اس حسین پُرخلوص مہکتی
چہکتی ہنستی مسکراتی محفل میں داخل ہوئے، بہت ہی
خوبصورت اسٹیج، آنچل لہراتی، مسکراہٹیں بکھیرتی ایک
دوسرے کے گلے ملتیں یہ دوشیزائیں بہت اچھی لگ
رہی تھیں۔ میں نے اور نزہت نے اسٹیج کے قریب

کھڑی پیاری سی منزہ کو دیکھا اور پہلا لفظ جو زبان سے نکلا وہ یہ تھا ماشاء اللہ بہت پیاری ہے یہ تو۔ ہم لوگ آگے بڑھے اپنا اپنا تعارف کروایا۔ منزہ نے مسکرا کر بڑی اپنائیت سے مصافحہ کیا، اور ہم اپنی نشست پر چلے آئے اور پھر...... ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ ''نزہت شگفتہ نظر نہیں آرہی ہے اور نہ ہی رضوانہ پرنس۔'' ابھی میں یہ بول ہی رہی تھی کہ قریب سے آواز آئی ''ایکسکیوزمی...... آپ مسز نگہت غفار ہیں، انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جی...... جی بالکل میں نے مسکرا کر مصافحہ کیا آپ...... آپ...... میں ناہید فاطمہ حسنین ہوں وہ ہنسیں۔ ارے ہاں میں یہ ہی سوچ رہی تھی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ اس بار ناہید زیادہ پیاری لگ رہی تھیں۔ پھر ناہید نے پوچھا میں یہاں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں، جی ضرور میں نے اپنی ساڑی سمیٹی ناہید کے ساتھ ان کی صاحب زادی بھی تھی۔ بہت پیاری بچی تھی۔

اور پھر ہوا یوں کہ میں نے جیسے ہی نزہت سے کہا شگفتہ نظر نہیں آرہی ہیں تب ہی میری نظر شگفتہ پر پڑی نام کی طرح شگفتہ شگفتہ سی مسکراہٹ لیے شگفتہ کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر آواز دی۔ ''شگفتہ جی''...... ''اوہ''...... مسز نگہت غفار ٹھیک ہیں آپ۔'' جی اللہ کا کرم ہے، نزہت نے کہا باجی آپ ہی کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ شگفتہ نے پیار سے میری طرف دیکھا۔ یہ ان کی محبت ہے وہ بولیں۔ اب مجھے رضوانہ پرنس کی تلاش تھی اور پھر پیار بھری اپنائیت سے پُر ان کی شکایت اور ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔ نگہت کیا ہوگیا ہے تمہیں ذرا دیکھیں تو، یہ ہمیں بالکل بھول گئیں اب خطوں میں ہمارا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ ایک تو خط بہت کم لکھ رہی ہیں اور اگر لکھتی ہیں تو ہمارا ذکر غائب۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا رضوانہ جی پچھلے دنوں طبیعت کچھ خراب تھی اس لیے یہ کوتاہی ہوگئی۔ اچھا ٹھیک ہے۔ ''اب تو بالکل فریش لگ رہی ہو۔'' میں نے کہا انشاء اللہ اب آپ کا ذکر ضرور کروں گی۔ یہ ہوئی نا بات۔ یلو یلو سی عقیلہ حق ماشاء اللہ اسمارٹ ہوگئی ہیں۔ پیاری عقیلہ کے خلوص اور محبت کی میں قائل ہوگئی۔ بہت اپنی اپنی سی لگتی ہیں۔ پیاری سی ہنستی مسکراتی نسیم نیازی بڑے ہی خلوص اور محبت سے ملیں۔ فرزانہ آغا سے ملاقات نہیں کی مگر اُن کے شہزادے جیسے بیٹے کے لیے لبوں سے دعاؤں کے لاتعداد پنچھیوں کو آزاد کیا۔ یقین کیجیے کل سے آج تک معصوم سا، پیارا سا، خوبصورت شہزادہ نظروں سے اوجھل نہیں ہورہا ہے۔ رخسانہ سہام صاحبہ بھی بے حد پُرخلوص اور اپنائیت و محبت سے لبریز شخصیت ہیں۔ بے حد سادہ مزاج...... ان کی سادگی میں بھی ایک جاذبیت تھی۔

میں نے اور نزہت نے رُخسانہ جی کے ساتھ تصویر لی۔ گھر آکر بھی میں دیر تک اس پیاری اور پُرخلوص اپنائیت سے بھری جھلمل کرتی مہکاریں بکھیرتی محفل ہی کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔

پاکیزگی میں لپٹی ہوئی پُروقار سی شخصیت لیے تقدس کا پیکر سفید کرتے اور بڑی سی خوبصورت چیک کی ساڑی میں ملبوس شخصیت دل میں اترتی چلی گئیں لہجے میں بلا کی اپنائیت اور پیار، آنکھوں میں ڈھیروں چاہتوں کی چمک لیے صوفے پر بیٹھی فاطمہ ثریا بجیا کو دیکھ کر اور پاکیزگی کا احساس ہونے لگا۔ دل نے کہا چل اور اس سحر زدہ شخصیت کو کیمرے کی آنکھ میں چھپالے۔ پھر میں اور نزہت بجیا کے پاس گئے، ہم دونوں نے باری باری بجیا کے ساتھ تصویریں لیں۔ میں نے جب نزہت کی اور بجیا کی تصویر لی تو ہنس پڑیں اور پیار بھری اپنائیت سے گویا

ستائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ 2014ء کے کچھ پل، جو امر ہو گئے

تسنیم منیر علوی، بشریٰ سعید احمد، فرزانہ آغا، نیرّ شفقت، ایڈیسن ادریس مسیح اور نسیم آمنہ ایوارڈ پاکر مسرور نظر آرہے ہیں

قمر تابندہ اور شبانہ تقریب میں مہمانوں کی منتظر

سلمیٰ یونس، مینا تاج اور سائرہ غلام نبی ایوارڈ وصول کرنے کے بعد مسرور

[illegible] اور رضیہ مہدی تقریب سے محظوظ ہوتے ہوئے

فرحت صدیقی، تسنیم منیر علوی، مہتاب اکبر راشدی کی سنگت میں مسرور

کاشی چوہان اپنے عزیزوں کے ساتھ

مہتاب اکبر راشدی اور سیما رضا ردا تقریب کے دوران

فراز آغا فاطمہ ثریا بجیا کی شفقت و نصیحت بغور سنتے ہوئے

رضوانہ پرنس، سلمیٰ یونس اور دردانہ نوشین خان کی ایک یادگار تصویر

دردانہ نوشین خان فاطمہ ثریا بجیا سے داد لیتے ہوئے

رفعت سراج، افسر سلطانہ اور دلشاد نسیم خوشگوار موڈ میں

سیما رضا ردا اور سکینہ فرخ گہری سنجیدگی لیے

فرزانہ آغا اور تسنیم منیر علوی کی محبت کا ایک انداز

سید شاہد حسن اور محمود شام دوران تقریب محو گفتگو

اب گورا ہو گا
پاکستان
زبیدہ آپا وائٹننگ سوپ،
چہرہ چمکائے اور رنگ گورا کرے
Zubaida aapa
Whitening Soap
SEE THE DIFFERENCE FROM THE FIRST DAY
Zubaida
Shines & Whitens your Skin
For Normal Skin

ہوئیں۔ یہ لو کیسے لے رہی ہیں تصویر۔ ہمیں یہ سب کچھ کرنا ابھی بھی نہیں آتا۔

میں نے غور کیا کہ کچھ اور مداح بجیا کے ساتھ تصویر لینا چاہتے ہیں۔ میں اور نزہت اُٹھ کر دوسروں کے لیے جگہ بنانے لگے۔

میری نظر مسکراتے لبوں اور خوبصورت آنکھوں والی منزہ پر پڑی، میں نے نزہت کو اشارہ کیا اور پھر ایک پوز اور کیمرے کی آنکھ میں مقید ہوگیا۔

کاشی سے ہماری ملاقات سرسری سی ہوئی انہوں نے سلام کیا، خیر و عافیت پوچھی اور پھر اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہوگئے۔

شوخ و شریر مگر معصوم سی سیما رضا نے بڑی خوبصورت کمپیئرنگ کی۔ انہیں اور تمام ایوارڈ یافتہ رائٹرز کو دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں اور دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کو زندگی کے، دین و دنیا کے ہر میدان میں اسی طرح کامیابیوں سے نوازے۔ دراصل مجھے سارے نام یاد نہیں آرہے اس وجہ سے چند نام لکھ دیے، جن کو ایوارڈ ملے یا نہ ملے اُن سب کے لیے زندگی کی، دین و دنیا کی صحت کی اور کامیابی کی لاتعداد دعائیں۔ منزہ جی، قابلِ احترام رخسانہ جی، پیارے کاشی، معصوم سی سیما بیٹی، پیاری سی تقدس کا پیکر بجیا' مہتاب اکبر راشدی، شگفتہ شفیق، رضوانہ پرنس جی، نسیم نیازی، سنبل، عقیلہ حق، فرزانہ آغا، زین العابدین، ایڈیسن ادریس، ناہید فاطمہ، سلمٰی یونس (ماشاءاللہ سلمٰی تم اس عمر میں ڈرامے لکھنے لگی ہو اللہ تعالیٰ تمہیں لمبی عمر، مکمل صحت، دین و دنیا کی ہر کامیابی نصیب کرے) رضیہ مہدی، فرح اسلم، رفعت سراج، آپ سب کو حسبِ مراتب سلام، دعائیں اور ڈھیروں شفقت اور محبت سے بھرا پیار۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ادب کی دنیا میں بلند بہت بلند رتبوں سے نوازے (آمین ثم آمین) دین و دنیا کی ہر دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (آمین)

ایک معتبر سی خاتون مسکراتی ہوئی آگے بڑھیں۔ میں نے سلام کیا۔ آپ کا اسمِ گرامی؟ جی یہ لیجیے۔ انہوں نے پرس سے کارڈ نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔

یہ ہماری لکھاری ساتھی ڈاکٹر شہناز نور تھیں۔

بخیر و عافیت تقریب اختتام کی طرف گامزن تھی۔ بہت خوشی ہو رہی تھی جب ایوارڈ وصول کرتے چہروں پر خوشی اور مسرتوں کی کرنیں چمک رہی تھیں۔ میں اللہ سے عجز و انکساری کے ساتھ محوِ دعا تھی کہ رب کریم اس ملک پاکستان کر ہر گھر پر، ہر شہر پر، ہر محلے پر ہر فرد پر ایسی ہی پُرسکون خوشیوں اور مسرتوں سے چمکتی کرنیں بکھیر دے (آمین)

پھر مائیک پر آواز گونجی کہ یہ حسین محفل اختتام کو پہنچی۔ آپ سب چائے سے لطف اندوز ہوں......

ماشاءاللہ بڑا پُر تکلف اور اچھا انتظام تھا۔

ہم نے ڈرائیور کو فون کیا کہ ہم فارغ ہو چکے ہیں باہر آرہے ہیں۔

تب ہی ہماری نظر بجیا پر پڑی وہ روانگی کے لیے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ میں اور نزہت اُن کے آگے خم ہوئے، انہوں نے ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے ہمارے سروں پر دستِ شفقت پھیرا۔

جو جو نظر آرہے تھے ہم اُن سے مل رہے تھے۔ ایک دوسرے کو سی آف کر رہے تھے۔ کانٹیکٹ نمبرز لیے اور دیے جا رہے تھے۔

اور پھر نو بجے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔

☆☆......☆☆

27 مئی کا گرم ترین دن دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کا اہتمام پرل کانٹی نینٹل کے ''دل کشا ہال'' میں کیا گیا۔ اس روز گرم ترین دن ہونے کے باوجود ہمیں وہ دن گرم ترین نہ لگا کہ ''دوشیزہ'' نے ہمیں بھی رائٹرز ایوارڈ کے لیے چُنا تھا۔ یہ ایوارڈ مجھے میرے افسانے ''تمہارے بعد......'' پر ملا۔ ایوارڈ کے جس پودے کا بیج سہام مرزا نے بویا تھا وہ آج پوری آب و تاب سے تناور درخت بن چکا ہے۔ ایسی منظم تقریبات کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں اور وہ بھی نہایت استقلال کے ساتھ...... جس کا سہرا سہام انکل کے سر جاتا ہے۔ اس روایت کو منزہ سہام نے خوب نبھایا کہ ان کی تربیت میں سہام مرزا اور رخسانہ آنٹی کا پورا عمل دخل رہا۔ سہام مرزا نے ہم رائٹرز کو ایک اعتبار دیا۔ جس طرح دنیائے کرکٹ یا شوبز سے وابستہ افراد کیمرے کی روشنیوں کی چھما چھم میں اپنا ایوارڈ وصول کرتے ہیں۔ 27 مئی کو ہم رائٹرز کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ اس لمحے ہم سب ایوارڈ پانے والے خود کو کسی سیلیبرٹی سے کم نہیں سمجھ رہے تھے۔ جب ہم نے اپنا ایوارڈ وصولا، محبت سے تھاما، تصویر بنوائی، ہوا میں معلق کیا اور عقیدت سے چوما تو ہم سب انعام یافتگان کے چہرے قوس و قزح ہو رہے تھے۔ ایک طرف رخسانہ آنٹی بردباری سے سب کو مسکرا کر ایوارڈ پاتا ہوا دیکھ رہی تھیں تو دوسری طرف نازک سی کانچ کی لڑکی مگر آہنی ارادوں کی مالک منزہ سہام اپنی کامیابیوں پر مسکرا رہی تھیں۔ ایک طرف چھوٹی عمر مگر بڑے حوصلے کا مدیر دوشیزہ کاشی چوہان ہاتھ میں فائل اور پین لیے رائٹرز سے ضروری معلومات حاصل کرتا کبھی اِدھر اُدھر نظر آتا۔ ایئر کنڈیشنڈ ہال کے باوجود کاشی کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دور سے دیکھے جاسکتے تھے۔ اس کے چہرے پر سکون اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ کے پیچھے ایک کرب پنہاں تھا وہ کرب کیا تھا؟ یہ آخر میں...... تقریب کی نظامت سیما رضا ردا کے سپرد تھی۔ مہمانِ خصوصی جناب محمود شام اور مہمانِ اعزازی محترمہ مہتاب اکبر راشدی تھیں۔ منزہ نے سپاس نامہ پیش کیا۔ منزہ کے ایک کالم کو بہت خوبصورت انداز سے سنوایا گیا۔ محمود شام نے بہت دلچسپ باتیں کیں۔ جیو چھوڑ دینے کے حوالے سے انہوں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ ان کا فیصلہ ''بروقت'' تھا انہوں نے بیٹیوں پر لکھی بے حد خوبصورت نظم نذرِ سامعین کی۔ مہتاب اکبر راشدی نے اپنے اور دوشیزہ کے چولی دامن جیسے ساتھ پر خوبصورت تبصرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ عورت کو بہت مضبوط دیکھنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے ادارے اور منزہ کے حوالے سے بہت سی باتیں شیئر کیں۔ کاشی چوہان نے ایوارڈ یافتگان

کے ناموں کا اعلان کیا۔ کاشی چونکہ نظم و نثر دونوں کو برتنے کے فن سے کما حقہ واقف ہیں، وہ خود ایک بہت اچھے شاعر بھی ہیں اور ان کی کہانیوں سے تو پوری دوشیزہ برادری واقف ہیں کہ وہ بلا کے کہانی کار ہیں۔ انہوں نے سلسلۂ تکلم میں استعارات کا برمحل استعمال کیا جو ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کا آئینہ دار تھا۔ تقریب شام ڈھلے اختتام پذیر ہوئی۔ رائٹرز برادری نے پوری تقریب انتہائی خاموشی اور توجہ سے سنی یہ بھی کسی تقریب کی کامیابی کا بیّن ثبوت ہے۔ ایسی تقریبات شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ڈائجسٹ کے حوالے سے اس تقریب کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس تقریب میں ملک بھر سے خواتین رائٹرز تشریف لائی تھیں (جو ہم اہلِ کراچی کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے) اب کچھ رائٹرز کے حوالے سے بتادوں۔ اس تقریب میں دو جوڑیاں ایسی ہیں جنہیں میں ہنسوں کی جوڑی قرار دیتی ہو ایک شائستہ عزیز اور سیما مناف (ماشاءاللہ) دوسری نگہت غفار اور نزہت جبیں ضیاء (ماشاءاللہ) اول الذکر سہیلیاں ہیں۔ آخرالذکر سگی بہنیں ہیں۔ سیما مناف ڈراموں میں مصروف ہیں لیکن دوشیزہ سے پرانی وابستگی کے باوجود پروگرام میں شریک تھیں۔ اگلی نشستوں پر موجود بہت عمدہ قلمکار 'رضیہ مہدی' تشریف فرما تھیں۔ بیماری کے سبب رضیہ نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ پڑھنے والی بہنیں رضیہ کی صحت کے لیے ضرور دعا کریں۔ رضیہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ناہید تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟ تم مجھے کیوں نظر انداز کر گئیں۔" یقین جانیے مجھے اپنی اتنی پیاری دوست کے شکوے نے اپنے رویے پر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میں نے کہاں رضیہ جیسی اعلیٰ لکھاری کو نظر انداز کر دیا۔ میں نے بہت معذرت چاہی کہ ایسا نادانستگی میں تو ہو سکتا ہے دانستہ نہیں اور قارئین میں آپ کو بتاؤں جو کوئی رضیہ مہدی جیسی مشاق لکھاری کو نظر انداز کرے وہ میرے نزدیک ان سے حسد کا شکار ہوگا اور میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ سکینہ فرخ بہت سلیقے سے دوپٹہ سر پر جماتی ہیں، بہت کم گو مگر بلا کی شفیق، اس محبت سے گلے لگاتی ہیں کہ دشمن بھی دوست بن جائے۔ مظفر گڑھ سے آئی دردانہ نوشین خان جھکی آنکھوں اور بہت پیاری مسکراہٹ سے مسکراتی ہماری FB فرینڈ بھی ہیں۔ سائرہ غلام نبی میری بہت پرانی دوست "ہم" کے پروڈکشن ہاؤس سے وابستہ، ساڑی Carry کی ہوئی تھی جس میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ دلشاد نسیم لاہور سے تشریف لائی تھیں لمبے گھنے بال (ماشاءاللہ) سب کی توجہ کا مرکز تھے۔ دبلی پتلی سنبل جیسی شادی کے وقت تھیں ویسی ہی اب بھی ہیں، اتنی نازک کہ کوئی بھی آسانی سے شادی کا پیغام بھجوا دے اور پتا چلنے پر کہ وہ شادی شدہ ہیں یقین نہ کرے۔ نسیم نیازی یہ بھی کراچی سے باہر کی مہمان دوست بہت کم گو مگر آنکھیں بولتی ہیں ان کی...... عقیلہ حق عمدہ لکھاری معمولی سی بات کو عمدہ انداز میں لکھنے کے فن سے واقف...... چہرہ اور آنکھیں کسی شوخ حسینہ کی طرح مسکراتی رہتی ہیں۔ سلمیٰ یونس کم عمری میں آئیں اور آتے ہی چھا گئیں۔ فریدہ مسرور ہماری سینئر رائٹر اور سابقہ مدیرہ ان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رقصاں رہتی ہے، بہت محنتی اور کم گو۔ رضوانہ پرنس جولندن سے اپنا ایوارڈ لینے آئی تھیں خود کسی پرنسز سے کم نہیں لگتیں۔ انتہائی محبت میں ڈوبے لہجے والی فرزانہ آغا، محبتوں کا جزیرہ ماشاءاللہ بیٹے فراز کے ساتھ آئی تھیں۔ ہائی ٹی کا اعلان ہو چکا تھا۔ اعلیٰ قسم کی ہائی ٹی نے یوں اور مزہ دیا کہ اس وقت ساری رائٹرز فوٹو سیشن میں بھی مصروف رہیں۔ اور یوں شام ڈھلے ایک انتہائی منفرد، باوقار اور یادگار تقریب کا اختتام ہوا۔ منزہ سہام مرزا کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی روایت کو آگے بڑھایا۔ وہ بلا مبالغہ اپنے والد کا عکس ہیں۔ وہ بات جو میں نے آخر کے لیے اُٹھا رکھی تھی وہ یہ کہ اس روز کاشی چوہان کی والدہ سخت علیل ہو گئی تھیں۔ کاشی اُدھر بھی فون کر کے اُن کی خیریت لیتے رہے اور اِدھر تقریب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہنے دی۔ وہ خوش اسلوبی سے فرض کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ بلاشبہ یہ بھی "دوشیزہ" کا اعزاز ہے کہ اسے اتنے پُرخلوص کارکن ملے ہیں جو محبت پر فرض کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆☆......☆☆

ایوارڈ تقریب اور ہم

سنبل

اور بالآخر 27 مئی کو دوشیزہ ایوارڈ کی تقریب فائنل ہوگئی۔ اس تقریب کی جو خوشی ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔اس بار تقریب کا اہتمام بینکوئیٹ کے بجائے دل کُشا ہال میں تھا۔ ہال گوکہ چھوٹا تھا مگر انتظام بہت منظم اور مربوط تھا۔ مہمان بھی کم تھے مگر انتظام وانصرام زبردست رہا۔ دل کُشا ہال میں سب سے پہلے دوشیزہ کی دوشیزہ سے ملاقات ہوگئی جی ہاں منزہ سے۔ منزہ کا سوال تھا میں کتنے ہی سال بعد نظر آؤں ویسی ہی نظر آتی ہوں جیسی پہلے تھی۔ منزہ مجھے بھی پوچھنا ہے وہ ٹپ جس سے اپنے قد سے باہر نکلتے ہوئے بچوں کی بڑی بہن نظر آیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ویلڈن منزہ کانچ کی عورت کے بعد کالمز کا مجموعہ اور ایک دانے نے دیگ کے تمام چاولوں کا اندازہ کروادیا۔ رخسانہ آنٹی سے بھی مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اس تقریب کی خاص بات، اس بار کراچی سے باہر کی رائٹرز نے ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔ بہت شفیق مشفق پیاری سی دھیمی مسکان والی تسنیم منیر علوی آپ کی تحریروں کی تو فین تھی ہی اب آپ کی بھی ہوگئی۔ فرحت صدیقی سے تو پہلے بھی مل چکے ہیں۔ بشریٰ سعید ایوارڈ لیتے تو نظر آئیں پھر ہم ڈھونڈتے ہی رہ گئے۔ شوخ و چنچل رضوانہ پرنس، سنجیدہ دردانہ نوشین اور محفل کی جان، محفل لوٹ لینے والی اپنی فرزانہ آغا اور ہمارا فراز، اخروٹی کلر کے بالوں والی حسین فرزانہ سے میری پہلی ملاقات تھی۔ مگر فرزانہ کے انداز سے لگ ہی نہیں رہا تھا۔ محبت سے گلے لگا کر کاندھا تھام کر پاس ہی کھڑا کرلینا۔ فرزانہ، فراز کو دیکھ کر حقیقتاً بہت خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ بہت پیارا ہے فراز۔ اس کی نظر اُتارا کرو۔ لگتا ہے پہلے بھی نظر بد کا شکار ہوا ہے وہ۔ میں پہلے بھی اس کے لیے دعا کرتی تھی مگر اب زیادہ خضوع وخشوع سے مانگنے لگی ہوں۔ خدا اسے جلد از جلد زندگی کی دوڑ میں شامل کرے (آمین) کوئی اور رائٹر اگر ذہن سے محو ہوگئی ہوں تو معذرت خواہ ہوں۔ تقریب شروع ہونے سے قبل ہم سب ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ میری فریدہ مسرور سے پہلی ملاقات 2002ء میں ہوئی تھی۔ ماشاء اللہ ان پر وقت ٹھہر گیا ہے۔ وہ آج بھی ویسی ہی نظر آتی ہیں باوقار اور سنجیدہ۔ دو ہنسوں کا جوڑا جی ہاں سیما مناف اور شائستہ عزیز دونوں ہی محبت سے ملتی ہیں۔ میری پیاری خالہ افسر سلطانہ، رضیہ مہدی بہت کمزور ہوگئی ہیں آپ۔ سلمیٰ یونس جس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب کے حصے کی تالیاں وہ اکیلی بجالے۔ نیئر شفقت میری ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ نشاط خان تو اتنی محبت سے گلے لگاتی ہیں کہ دل جھوم جھوم جاتا ہے۔ نسیم آمنہ پُر وقار اور سادہ۔ دھیمے لہجے میں حال چال پوچھتی۔ ناہید فاطمہ ایوارڈ

لے کر بہت مسرور اور شاداں وفرحاں، تمثیلہ زاہد پُرخلوص محبتوں سے گندھی ہوئی پیاری سی لڑکی۔ زرافشاں فرحین میری ملاقات نہیں ہوسکی ان سے۔ فرح اسلم میری ہمدم میری دوست۔ سکینہ فرخ اچھی لکھاری، اچھی انسان۔ ہم نے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا۔ محمد تقی بہت اچھے رائٹر، سائرہ غلام نبی کا منی سی، دلشاد نسیم جن کے بالوں کو دیکھ کر کافی ہائے ہُوئی کی آوازیں اُٹھی تھیں۔ نسیم نیازی ہمیشہ کی طرح فریش، شگفتہ شفیق بہت بہادر ہو آپ۔ ایڈیسن تمہارا جنم جلی بہت زبردست جارہا ہے۔ عقیلہ حق خاصی اسمارٹ ہوگئی ہیں آپ۔ مینا تاج جتنی اچھی رائٹر ہے اتنی ہی اچھی خود بھی ہے۔ کاشی جو اس دن کسی طرح سے دستیاب ہی نہیں ہو رہے تھے۔ ہر طرف کاشی کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ نسیم نیازی ہمیشہ کی طرح فریش اس کے علاوہ دوشیزہ کا تمام اسٹاف انتہائی مستعدی سے تمام امور نمٹاتا ہوا۔ اگر کوئی نام مس ہوگیا ہو تو بہت بہت بہت معذرت۔ تقریب کی ابتداء حسبِ معمول دیے ہوئے ٹائم پر ہوئی۔ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے ساتھ۔ اس کے بعد منزہ نے سپاس نامہ مختصر اور جامع الفاظ میں پیش کیا تقریب کی میزبانی سیمار ضا ردا کے ہاتھوں میں تھی۔ تمام شرکاء جن میں محمود شام صاحب، شاہد حسن صاحب اور مہتاب اکبر راشدی صاحبہ شامل تھیں نے تقریریں مختصر جامع اور خوبصورت الفاظ میں کیں۔ اتنی خوبصورت کہ حاضرین کو جمائیاں نہیں روکنی پڑیں۔ خصوصاً محمود شام صاحب نے بیٹیاں پھول ہیں سنا کر محفل لوٹ لی۔ تقاریر کے درمیان کراچی سے باہر سے آنے والی رائٹرز نے بھی خطاب کیا جن میں فرزانہ آغا اپنے شگفتہ انداز کے ساتھ، فرحت صدیقی اور دلشاد نسیم شامل ہیں شگفتہ شفیق نے ایک خوبصورت نظم سنائی اور اسے دوشیزہ کی Fairy کو Dedicate کیا۔ مہمانِ خصوصی تقریب میں نہیں آسکے۔ اس کے بعد ایوارڈ کی تقسیم کا مرحلہ آیا۔ جس کی میزبانی کاشی کے حصے میں آئی۔ دوسرا ہی ایوارڈ میرا تھا۔ مجھے فاطمہ ثریا بجیا نے اپنے ہاتھوں سے ایوارڈ اس جملے کے ساتھ دیا، جتنی پیاری خود ہو اتنا ہی پیارا ایوارڈ لیا ہے۔ مجھے 2005ء میں بھی بجیا نے ہی ایوارڈ اپنے دستِ مبارک سے دیا تھا۔ بجیا بہت کمزور ہوگئی ہیں بیماری سے فائٹ کرنے کے بعد۔ خدا انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے (آمین) یہ مرحلہ بخیر و خوبی انجام پایا۔ اس کے بعد گروپس میں تصاویر لی گئیں۔ پوری تقریب کے دوران رائٹرز کے چلبلے جملے مزیدار رہے۔ اس کے بعد چائے وائے تھی اور وائے شاندار تھی فرائیڈ فش، گولہ کباب، دو قسم کے سینڈوچز، چار پانچ قسم کے کیک اور پیسٹریز وغیرہ اور انتظام اتنا شاندار تھا کہ آخر تک کوئی چیز کم نہیں پڑی۔ چائے وائے سے لطف اندوز ہونے کے درمیان ہم تمام رائٹرز کی آپس میں گفتگو چلتی رہی۔ میں نے ایڈیسن کو جنم جلی کی کامیابی کی مبارکباد دی تو نشاط خان نے حیرت سے پوچھا کہ وہ ایڈیسن کا ہے اور پھر انہوں نے گلہ کیا کہ پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز کے نام تو بار بار دکھائے جاتے ہیں اور رائٹرز کے نام ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ نسیم آمنہ نے ڈول ہاؤس کی تعریف کی۔ شائستہ نے میرے ہاتھ کی تکلیف کا پوچھا۔ فرح کی پیاری پیاری بچیوں کے ساتھ تصویر بنوائی۔ فریدہ مسرور، دردانہ نوشین اور خالہ کے ساتھ گپ شپ لڑائی۔ مگر دل جیت لیا فرزانہ آغا اور تسنیم منیر علوی نے۔ دونوں اس طرح ملیں کہ دل خوش ہوگیا۔ فرزانہ کو تو جانے دینے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر فراز اتنے لمبے سفر کے بعد تقریب میں مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے اَن کمفرٹیبل فیل کر رہا تھا سو فرزانہ کو جانا پڑا۔ تقریب کے اختتام پر کاشی سے تھوڑی بہت گفتگو ہوئی۔ صاحب بار بار ٹائم دکھا رہے تھے۔ سو اجازت لینا پڑی۔ زرافشاں سب کو آپ نے کتاب ''محمد عربی ﷺ'' دی میں نے کیا قصور کیا تھا۔ اور اب ابھی سے ہی میں نے اگلی تقریب کا انتظار شروع کر دیا ہے۔ تقریب کے دوران کسی رائٹر غالباً دلشاد نسیم نے کہا کہ اپنی تحاریر بھجوانے کے حوالے سے کہ کاشی میرے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اس پر آگے سے کسی نے جملہ کسا یہ تو بہت خراب بات ہے۔ اس پر محفل زعفرانِ زار ہوگئی ایسی ہی اور اس جیسی بہت سی یادوں کے ہمراہ ہم گھر چل دیے۔

☆☆......☆☆

27 ویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

عقیلہ حق

27 مئی 2014ء ہم رائٹرز کی پذیرائی کا دن تھا۔ جی ہاں اُس دن منزہ سہام صاحبہ نے ایوارڈز کی تقریب کے ساتھ ساتھ اپنی کتاب ''اُجلے حروف'' کی پذیرائی کا اہتمام بھی کیا تھا۔ منزہ نے کچھ دن پہلے بہت محبت کے ساتھ مجھے اپنی کتاب بھیجی تھی۔ جس کا ایک ایک کالم میں نے بہت شوق سے پڑھا کچھ کالمز تو ایسے تھے جن کو پڑھ کر میں رو پڑی اور کچھ کالمز ایسے تھے جن کو پڑھ کر میں سوچ رہی تھی کہ یہ منزہ کا کون سا روپ ہے۔ کئی دفعہ یہ سوچ کر منزہ کو فون کیا کہ اُن کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دوں گی لیکن منزہ کا ایک ہیلو ہر چیز بھلا دیتا اور میں بہت ساری باتیں کرتی اور جو اصل بات ہوتی وہ بھول جاتی۔ ویسے اس بات سے تو آپ اتفاق کریں گے کہ منزہ وہ خاتون ہیں، جن کو دیکھ کر مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ منزہ میری طرف سے آپ کو اتنی خوبصورت کتاب لانے پر بے حد مبارکباد...... جب میں 5 بجے پی سی کے دل کُشا ہال میں پہنچی تو سارا ہال دلکش چہروں سے جگمگا رہا تھا۔ منزہ پیلا دوپٹہ اوڑھے بہت پُر وقار لگ رہی تھیں۔ درحقیقت منزہ کو دیکھ کر دل چاہا کہہ دوں تُو جو رنگ پہن لے وہ رنگ بس تیرا ہے۔ مہمانِ خصوصی مہتاب راشدی صاحبہ تھیں، محمود شام اور شاہد حسن صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ رُخسانہ آنٹی ایک ماں جیسی شفقت سے ملیں۔ اللہ اُن کو زندگی دے۔ اُن کو دیکھ کر مجھے میری امی بہت یاد آتی ہیں۔ اُن کو بچھڑے 22 برس ہوگئے۔ رفعت سراج صاحبہ بہت محبت سے ملیں۔ رفعت آپ کی محبت میرے لیے اعزاز ہے۔ نشاط خان، سکینہ فرخ، سلمیٰ یونس، فرح اسلم، سُنبل، ناہید فاطمہ اور تمام میری رائٹرز بہنوں کی محبت اور خلوص ایسا تھا کہ دل چاہ رہا تھا تقریب کبھی ختم نہ ہو اور میں ان کے درمیان بیٹھی رہوں۔ سیما رضا ردا ہمیشہ کی طرح خوبصورت پیار بھری مسکراہٹ بکھیرتی ملیں۔ سیما کے لیے دعائیں۔ بشریٰ سعید صاحبہ اور نسیم نیازی سے بس ملاقات رہی۔ تسنیم منیر علوی سے خود جا کر ملی اور رضیہ مہدی صاحبہ اور صفیہ سلطانہ سے بھی ملاقات رہی۔ رائٹرز کی کہکشاں تھی اگر میں نے کسی کا نام نہیں لکھا تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بھول گئی بس......

کاشی صاحب بہت مصروف تھے تو اقبال صاحب بھی سرگرم تھے۔ جب ایوارڈ کی تقسیم شروع ہوئی تو مجھے پتا چلا ارے میرا تو کیمرہ ہی چارج

نہیں...... پھر بھی دوستوں کی مہربانی سے ایک ننھی سی تصویر بن ہی گئی۔ تمام اسپیکرز بہت اچھا بولے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے میرا دل چاہ رہا تھا ہاتھ اُٹھا کر کہوں ”مس میں بولوں“، لیکن افسوس کسی نے دیکھا ہی نہیں اگر شہر سے باہر سے آئی ہوئی رائٹرز کو اپنی بات کہنے کا موقع دیا جا رہا تھا تو بھائی کاشی میں بھی تو ایوٹھبی سے آئی تھی۔ مجھے بھی بولنے کا موقع ملتا تو میں کیا کہتی؟ میں کہتی جاؤ میں نہیں بول رہی......

تقریب کا اختتام Hi Tea پر ہوا۔ بہت تھکی ہوئی تھی لیکن گھر جلدی پہنچنا تھا تو نہ منزہ کے ڈنر کے لیے رُکی اور نہ ہی ایک کپ چائے پی سکی۔ میری چائے کا کپ اُدھار ہے۔ کسی وقت بھی وصول کرنے دفتر آ سکتی ہوں۔

کاشی تم نے جو برجستہ شعر پڑھے، وہ زبردست تھے خاص کر شاہد حیات صاحب کے حوالے سے۔ گھر آئی تو کچھ شعر یاد تھا۔ اُس شعر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر شمیم کو سُنایا۔ تو وہ کہنے لگے بھئی آپ کاشی صاحب سے لکھوا لائیے گا پھر سُنا دیجیے گا۔ یہ شعر کم نثر زیادہ لگ رہا ہے۔ میں نے کہا بات سمجھ آ گئی، کہنے لگے جی۔ میں نے کہا تو بس......

خیر باتیں تو چلتی رہتی ہیں۔ ریل گاڑی چلے نہ چلے، دھرنا ہو یا ہڑتال، موبائل میں بیلنس نہ ہو لیکن باتیں چلتی رہتی ہیں۔ آخر میں ادارہ دوشیزہ کے تمام ممبران، تمام ورکرز اور خاص کر منزہ سہام صاحبہ، رُخسانہ آنٹی اور بھائی کاشی چوہان کو اِس قدر خوبصورت اور پُروقار تقریب پیش کرنے پر دلی مبارکباد دیتی ہوں اور دُعا کرتی ہوں یہ تقریب ہر سال ہو اور ہر سال میرا ایک ایوارڈ ضرور ہو اور جس سال میرا ایوارڈ نہ ہو، اُس سال کے بدلے اگلے سال ہو...... ٹھیک...... نہیں ٹھیک...... چلو ایسا بھی ہوتا ہے۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی پہلی تقریب غالباً 83ء یا 84ء میں ہوئی ہوگی اور تب ہی سے یہ مجھے بہت فیسی نیٹ کرتی تھی اور اس میں شرکت کے لیے میرا دل ہمکتا رہتا تھا۔ ایوارڈ نمبر کا انتظار میں بڑی شدت سے کیا کرتی اور جب ایوارڈ نمبر آتا تو ایک ایک تصویر کو بڑی محبت سے دیکھتی تھی اور ایک ایک لفظ کو بڑے پیار سے پڑھتی تھی۔ پھر جب میں نے لکھنا شروع کیا تو ایوارڈ پانے اور تقریب میں شمولیت کا سپنا میری آنکھوں میں بسنے لگا۔ دو تین مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ میں کراچی میں تھی اور پی سی بھی دوری پر نہیں تھا۔ بس اتنا کہ ہاتھ بڑھا کر چھولوں مگر کوشش کے باوجود بھی میں تقریب میں شامل نہ ہوسکی۔ جس کا مجھے کئی مہینوں تک قلق رہا۔

تقریب سے پندرہ دن پہلے کاشی کا فون آیا کہ ایوارڈ کی تقریب منعقد ہورہی ہے اور آپ اس میں مدعو ہیں۔ دل خوشی سے پھیلا مگر ساتھ ہی خدشات سے ڈوب بھی گیا۔ کراچی میں رہ کر تو شامل نہ ہوسکی اور اب اتنی دور سے...... ناممکن، پھر مسائل کے انبار کو کیسے پار کرتی۔ امی بیمار تھیں، فاطمہ کے فرسٹ ایئر کے پیپرز ہورہے تھے۔ شفقت کراچی میں تھے۔ جاؤں تو کیسے اور کس کے ساتھ۔ مگر وہ جو کہتے ہیں ناکہ لگن سچی ہو تو راستے نکل ہی آتے ہیں۔ سو اسباب بنتے چلے گئے۔ لیکن بچوں کے منہ پھولے ہوئے تھے۔ مجھ سے زیادہ وہ جانے کے مشتاق تھے کہ مما کو ایوارڈ مل رہا ہے اور ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے ایوارڈ لیتے ہوئے دیکھنا ہے۔ کسی ایک کو بھی لے کر جاتی تو دوسروں کے منہ بن جاتے۔ 'کیا ہم سوتیلے ہیں' سو طے یہی پایا کہ کوئی نہیں جائے گا سوائے ہمارے پھر 27 مئی تک اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے حتی کہ (اللہ معاف کرے) نماز میں بھی ایوارڈ کا خیال آتا رہا۔ 26 مئی کو کراچی کینٹ اسٹیشن پر اتری تو دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکر رہ گئیں۔ (سات سال کراچی رہ کر پچھلے سال ہی پنجاب شفٹ ہوئی ہوں)

27 مئی کو جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی ساڑھے پانچ بجے پی سی کے دلکشا ہال پہنچے۔ مگر رخسانہ آنٹی نظر آئیں تو دل کچھ ٹھہرا۔ اپنا تعارف کرایا تو انہوں نے گلے لگالیا۔ سامنے اسٹیج پر دیکھا تو باوقار اور خوبصورت سی منزہ نظر آئیں۔ ساتھ ہی محمود شام اور مہتاب اکبر راشدی بھی تھیں اور سیما رضا

دھیمے سُروں میں گنگنا رہی تھیں۔ گویا تقریب شروع ہو چکی تھی۔ میں خاموشی سے ایک خالی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رائٹرز کو پہچاننے کی کوشش کرتی رہی۔ کچھ کو پہچانا کچھ سے انجان رہے۔ خود ہی قیاس لگاتی رہی کہ کالے کپڑوں والی یہ ہوں گی اور لال کپڑوں والی وہ...... میرے ساتھ والی سیٹ پر فریدہ مسرور صاحبہ بیٹھی تھیں۔ ان سے سلام دعا اور تعارف ہوا پھر خاموشی۔ اپنی توجہ سیما رضا کی طرف مبذول کر لی جو یکے بعد دیگرے رائٹرز کو بلاتی رہیں اور وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہیں۔ دل میں ڈر رہی تھی کہ اگر مجھے بلا لیا گیا تو میں کیا کہوں گی کہ مجھے لکھنا آتا ہے بولنا نہیں پھر دل کو سمجھایا کہ اکیس توپوں کی سلامی ملتی تو لوگوں کو پتا چلتا کہ نیئر شفقت بھی آئی ہوئی ہیں۔ اس لیے بے فکر ہو کر بیٹھ رہی۔

مہمانِ خصوصی شاہد حیات صاحب کی آمد کا انتظار، انتظار ہی رہا کہ وہ کسی میٹنگ میں مصروف تھے۔ بالآخر وہ لمحات آن پہنچے جن کا سب ہی رائٹرز کو بے چینی سے انتظار تھا۔ یکے بعد دیگرے نام پکارے جاتے رہے اور رائٹرز خالی ہاتھ جا کر دونوں ہاتھوں میں خوشیاں سمیٹ کر آتی رہیں۔ میرا نام پکارا گیا تو مانو اکیس توپوں کے دہانوں سے گولے پھوٹنے لگے ہوں۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ جا کر مہتاب اکبر راشدی کے ہاتھوں سے ایوارڈ وصول کیا یوں لگا جیسے آج دوشیزہ نے مجھے معتبر کر دیا ہو۔

تقریب کے بعد ایوارڈ ونرز کا گروپ فوٹو بنایا گیا۔ تقریباً سبھی رائٹرز سے تعارف ہوا۔ شگفتہ شفیق بہت شگفتگی اور پیار سے ملیں۔ رضوانہ پرنس تو واقعی پرنسس ہی لگیں۔ ان کا ہم کہہ کر بولنے کا انداز بہت پیارا لگا۔ رضیہ مہدی بھی بہت محبت سے ملیں۔ دلشاد نسیم کی شخصیت نے ہی نہیں بلکہ ان کے بالوں نے بھی بہت متاثر کیا۔ سنبل سے بھی سلام دعا ہوئی۔ بہت نازک سی ہیں۔ فرزانہ آغا سے بھی تعارف حاصل کیا۔ بہت پیاری شخصیت ہیں اور ڈیسنٹ بھی۔ ان کے ہمراہ فراز بھی تھا۔ بہت کیوٹ بچہ ہے۔ اللہ اسے صحت اور تندرستی عطا کرے (آمین) اپنی پسندیدہ رائٹر رفعت سراج سے بھی چند باتیں ہوئیں۔ شائستہ عزیز اور سیما مناف سے بھی چلتے چلتے بات ہوئی۔ شہناز انور شفا، عقیلہ حق، فرحت صدیقی، تسنیم منیر علوی سے بات کرنے کی حسرت ہی رہی اور بہت سوں سے تو تعارف بھی نہ ہو سکا۔ جس کا مجھے ابھی تک بے حد افسوس ہے۔

اور فاطمہ ثریا بجیا کے ساتھ ملاقات کر کے مجھے جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ انہیں صحت اور زندگی عطا کرے (آمین)۔

منزہ جی کی شخصیت میں جو وقار اور رکھ رکھاؤ ہے اس سے میں ہی نہیں میرے میاں صاحب بھی بے حد متاثر ہوئے۔ ان سے باتیں کر کے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت، ہمت اور بہت ساری خوشیاں عطا کرے۔ (آمین)

تقریب کے بعد چائے کا اہتمام تھا۔ چائے کے دوران سنجیدہ اور ریزروسی نسیم نیازی اور ایڈیسن سے بھی ملاقات ہوئی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ ابھی اور ملاقاتیں بھی ہونی چاہئیں اور کاش کہ تقریب کبھی ختم ہی نہ ہو۔ مگر اس امید کے ساتھ الوداع ہوئے کہ آئندہ تقریب بہت جلد منعقد ہوگی اور میں اپنی بچیوں کے ساتھ ایوارڈ وصول کرنے آؤں گی (انشاء اللہ تعالیٰ) اکیس توپوں کی سلامی کے ساتھ۔

☆☆......☆☆

ایک خوبصورت شام

نسیم نیازی

2010ء میں میرا ایوارڈ تھا۔ سو میں دوشیزہ ایوارڈ کی تقریب میں اُڑی اُڑی پہنچی تھی کہ اک خواب تھا میرا جو پورا ہونے چلا تھا۔

پھر اس کے بعد میرے لکھنے کا عمل سست تر ہو گیا 2010ء کے بعد میں نے بہت کم لکھا۔

سو جب جب تقریب کی آہٹیں سنائی دیں، تب تب دل مایوس ہوا کہ ہمارا تو ایوارڈ ہی نہیں ہے ہمارے میاں بغیر ایوارڈ کب ہمیں لاہور سے کراچی جانے دیں گے۔ کراچی جانا تو مانو ہماری زندگی کی اب اک بڑی خوشی ہے مگر کراچی کے حالات نے اس قدر خوفزدہ کر دیا ہے خوشی خواہش اپنی جگہ مگر خوف کا عالم راہیں روک دیتا ہے۔

سو ہم موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

تبھی تو خواہش تھی کہ ہمیں ایوارڈ مل جائے تو جانے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔

مگر یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ ہمیں یہ بہانہ مل پاتا۔

اور ہم جب بہل گئے اور سمجھ گئے تو یونہی اک دن پرانی تقریب 2010ء کا پرچہ ہاتھ لگ گیا اور ہم نے اس میں لگے اپنے دوشیزہ ایوارڈ کی تقریب کا احوال پڑھ لیا۔ تو مانو ایسا لگا ہم اس خوبصورت شام کا حصہ ہیں اس پل۔ تبھی بے اختیار میں نے اللہ سے کہا اللہ جی میری زندگی کے چھوٹے چھوٹے خواب، چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں بس میں نے کراچی جانا ہے آنے والی تقریب میں ۔دل سے نکلی آہ آسمان پر جا کر قبولیت لکھوا لائی۔ جو تقریب مارچ میں ہونی تھی پھر اپریل میں وہ مئی کے اینڈ تک پہنچ گئی مارچ میں خیر حیدر آباد جانے کا تصور نہ تھا اپریل کی 4 تاریخ کو اِدھر لاہور میں بھتیجے کی شادی تھی۔

مارچ میں تقریب ٹلی، کاشی کو کہا کہ اپریل میں حیدر آباد آنے کا موقع بن رہا ہے کاشی نے فوراً کہا آپی آ جائیں تقریب اپریل کے اینڈ میں یا مئی کے فرسٹ ویک میں ہے چونکہ بھتیجے کی یہاں لاہور میں 4 کو مہندی، پانچ کو بارات، چھ کو ولیمہ تھا اور پھر 8 کو بارات کی حیدر آباد روانگی تھی۔ چونکہ حیدر آباد میں بھی 22 اپریل کو ولیمہ تھا۔ سو ہم نے بارات کی واپسی کے ساتھ اپنا جانا عین روانگی کے وقت کینسل کر دیا اور ہم دل میں امنگ ترنگ لیے کہ ایک خوشی کے ساتھ دونوں خوشیوں کا میلہ لوٹنے سترہ اپریل کو لاہور سے حیدر آباد روانہ ہوئے۔ 22 اپریل تک تو گھر میں شادی کی گہما گہمی کا وہ عالم تھا کہ مانو جو شادی تین اپریل سے شروع ہوئی تو وہ 22 اپریل تک رہی۔ تب تک ہم نے بھی دوشیزہ سے رابطہ نہ کیا، نہ دوشیزہ نے ہم سے۔ جب شادی کا ماحول ذرا ٹھنڈا پڑا تو ہم نے

اک دن ڈرتے ڈرتے دوشیزہ آفس فون کیا کہ کہیں ہماری بے خبری میں میلہ لوٹ نہ لیا گیا ہو۔

کاشی تو فون پر نہ ملے مگر شبانہ سے بات ہوئی کہ فی الحال تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ البتہ مئی میں متوقع ہے۔

ہم پھر اک بار مایوسی کا شکار ہوگئے کیونکہ 30 اپریل تک ہماری واپسی کا پروگرام تھا کیونکہ ٹکٹ آ گئے تھے۔ بھلا ہو امبر کا کہ عین ٹائم اچانک پتے کا آپریشن کروا بیٹھی سو شادی کے سارے مہمان روانہ اور امبر کی التجا پھوپو آپ میرے ساتھ واپس چلیے۔

ایسے میں کاشی کا میسج آ گیا 27 مئی کو پی سی میں شام ساڑھے چار بجے دوشیزہ کی تقریب کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ آپ کی شرکت باعث مسرت ہوگی۔

یوں ہم نے لاہور روانگی کی بکنگ 20 مئی سے کینسل کرا کر 29 مئی کی کروائی اور بڑی آس کے ساتھ 27 مئی کا انتظار کرنے لگے۔

تقریب سے اک دن پہلے کاشی کو فون کیا کہ حیدرآباد سے ڈائریکٹ کراچی پہنچوں گی۔ چونکہ بھتیجے کو ساتھ کے لیے تیار کیا تھا عین وقت پر ان کی بیگم بھی تیار ہوگئیں۔ جبکہ کاشی کی ہدایت تھی کہ اک آپ اور ایک ممبر اور ہو مگر ہم پاکستانی عوام ہیں ہدایتوں پر عمل مشکل سے کرتے ہیں۔ معذرت کے ساتھ دو کی بجائے ہم تین ممبر تقریب میں پہنچے۔ ہم حیدرآباد سے ڈیڑھ بجے نکلے اور پی سی ٹھیک 4 بج کر 10 منٹ پر پہنچ گئے، چونکہ ہم تیار بھی حیدرآباد سے ہو کر چلے تھے سو سارے راستے کپڑوں کی استری خراب نہ ہو جائے کے خوف سے تین گھنٹوں کے اس سفر میں بس سیدھے بیٹھے رہے کہ بقول دردانہ نوشین کے ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' والا عالم تھا ہمارا بھی۔ پی سی میں پہنچتے ہی سیدھے واش روم گئے، منہ پر تھوڑا سا پانی بہایا اور لپ اسٹک لگا کر فوری ہال کی جانب دوڑ لگائی۔

ہال کے دروازے پر ہی چند دیکھے دیکھے چہرے نظر آئے، اک نظر سے دوسری نظر نے فوراً کہا۔ یہ تو اپنی رضیہ مہدی ہیں اور ان کے ساتھ مخلص سی افسر سلطانہ، ہم فوراً لپک کر گلے لگ گئے اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ اندر پہنچے تو اپنی حسین پری یلو اور آف وائٹ سوٹ میں منزہ جی کھڑی تھیں۔ خوبصورت رنگ روپ میں واقعی شگفتہ جی تم نے ٹھیک ہی کہا کہ یہ تو دور دیس سے آئی کوئی پری دکھتی ہے۔ روشن آنکھیں، تیکھی ناک، روشن چہرہ، مسکراتے لب اور آہنی عزائم کی مالک منزہ...... چونکہ ابھی مہمانوں کی آمد کے سلسلے میں تیزی نہیں آئی تھی۔ سو ہم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر فوراً منزہ کے ساتھ چند تصاویر بنالیں۔

اِدھر سے فارغ ہوئے تو رُخسانہ سہام کے گلے جا لگے۔ پھر اپنی فرحت صدیقی دکھائی دیں تو بہت محبت سے ان کا حال احوال پوچھا اور پھر سلمیٰ یونس کی طرف بہت جوش سے بڑھے اور گلے لگنے کی چاہ میں تھے ہم کہ انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا ہم نے حیران ہو کر انہیں دیکھا اور کہا موٹو مجھے پہچانا نہیں کیا محترمہ نے سر ہلا کر فوری انکار کر دیا۔ ہم حیران تو ہوئے مگر پریشان بہت ہوئے کہ یار یہ کیا ماجرا ہے۔ ابھی پچھلے سال 25 دسمبر کو میں ان کے گھر، ان کے ساتھ تین گھنٹے گزار کر آئی تھی اور فون پر بھی ہم دونوں مسلسل رابطے میں رہتے ہیں پھر میں نے سوچا کہ شاید محترمہ مشہور ہو کر مغرور ہوگئی۔

سو ہم نے بھی کہا ہے تم پہچانو گی تو پہچان لو کہ ہم بھی کم مشہور نہیں۔ مگر سلمیٰ نے اوپر نیچے دائیں بائیں دیکھ کر بھی سوری کر لیا اور چونکہ وقت کم مقابلہ سخت والا معاملہ تھا سو ہمیں بتانا ہی پڑا کہ میں تمہاری نسیم آپی ہوں۔ ہائے نہیں کہہ کر وہ محترمہ ہم سے لپٹ گئیں۔

کہ بقول ان کے اس ایک سال میں پہلے کی نسبت بہت ماڈرن، بہت اسمارٹ، بہت خوبصورت ہو گئے ہیں اور اتنے ڈھیر سارے خوبصورت خطابات پر جی باغ باغ ایسا ہوا کہ ہم اگلی سیٹ پر قبضہ جمانے کے چکر کو بھول کر ان کے ساتھ پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھ گئے پھر انہیں اپنی نشاط خان بھی آن ملیں، اس چار سال کے وقفے نے ان کے

وزن کو بڑھا دیا ہے مگر رنگ روپ کا عالم وہی تھا۔

اتنے میں پہلی مرتبہ نزہت جبیں، نگہت غفار بھی آن ملیں۔ نزہت تو بہت ینگ لگیں کہ ماشاء اللہ کہیں سے بھی وہ نانی نہیں لگتی تھیں۔ ہم رائٹرز سے مل رہے تھے اور بہت سے چہروں کی تلاش میں نظریں بھی گھما رہے تھے اور تو اور کاشی کی تلاش بھی جاری تھی، سکینہ فرخ بھی اسی رو میں آن بیٹھیں اور فرح اسلم بھی۔ دوریوں کے سلسلے قربتوں میں ڈھلے تو لگا دوشیزہ نے ہم سب کو محبت کے خوبصورت بندھن میں جکڑ رکھا ہے۔

سیما رضا نے تقریب کی میزبانی سنبھالی، مہمانانِ خصوصی اپنی اپنی نشست پر آن بیٹھے۔

حسب معمول تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔

سیما رضا کی خوبصورت کمپیئرنگ نے حاضرین محفل کا رُخ اسٹیج کی جانب موڑ دیا۔ ہمارے کان اسٹیج پر اور نگاہیں چہروں کی تلاش میں رہیں۔ اور ہم نے کھوج لیا فریدہ مسرور کو، شگفتہ شفیق کو، بشریٰ سعید کو فرزانہ آغا کو پھر تیزی سے کاغذوں کا پلندا لیے کاشی بھی دکھائی دیے۔

اسٹیج پر مہمانانِ خصوصی کی گفتگو جاری تھی اور ہال پر خاموشی طاری تھی۔ جس خاص مہمان کا انتظار تھا، وہ انتظار ہی رہا۔ شگفتہ شفیق باہمت خاتون مسکراتے لبوں سے منزہ کے لیے خوبصورت نظم کا تحفہ لائیں اور اپنے ہی نہیں سبھی حاضرین کے دلوں کی ترجمانی کر گئیں۔

دلشاد نسیم اپنے لمبے ترین بالوں کے ساتھ نمایاں رہیں کہ اتنے دراز گیسو حاضرین محفل میں کسی کے نہ تھے۔ ارے حیرت ہوئی کہ ہم نے بہت کم عمری میں جس رائٹر کو بہت بڑا سمجھ کر پڑھا تھا وہ تو آج بھی بہت چھوٹی سی دکھتی ہیں، جی بات ہو رہی ہے اپنی رفعت سراج کی۔ میں ان سے ملی تو خوشی ہوئی کہ اس چھوٹی موٹی رائٹر کو بھی بڑی رائٹر نام کے حوالے سے جانتے ہیں۔

مہتاب اکبر راشدی کی تمام باتوں میں سب سے اچھی خوبصورت بات کہ بہو بیٹی ہوتی ہے اور جس محبت سے انہوں نے اپنی بہو کا ذکر کیا دل شاد ہوا بہت۔ ایوارڈ کا سلسلہ شروع ہوا اور ہم بھی اسٹیج پر پہنچ گئے ارے بھئی اپنا نہ سہی اپنی نگہت سیما کا ایوارڈ لینے مگر ہمارے کیمرے میں بدقسمتی سے تمام تصاویر محفوظ ہیں مگر اک وہی تصویر نہیں ہے۔

ایوارڈ کا سلسلہ تھما تو رائٹرز کی تصاویر کا سلسلہ بمع اک مزے دار سی چائے کے ساتھ شروع ہوا۔ حسبِ معمول پاکستانی عوام اس لوٹ میلہ کو لوٹنے کے چکر میں مگن ہوئی۔

مگر ہم جیسے رائٹر تصویروں کے چکر میں رہے کیونکہ میں بھی ساجدہ حبیب کی طرح اپنی اک پوری البم اس خوبصورت محفل کی یادوں سے سجانا چاہتی ہوں اور واقعی اس پر اتنی تصاویر تو ہیں کہ اک بڑی البم بج جائے۔

ہاں جی جیسے ہی ایوارڈ کا سلسلہ تھما اور چائے کا دور چلا تو جن چہروں کی کھوج میں ہم تھے سب سے جا ملے۔ اپنی دردانہ نوشین سے، سلطان راہی مصطفیٰ قریشی کی جوڑی تو بہت بدلی بدلی دکھائی دی۔

سیما مناف اسمارٹ اور شائستہ عزیز پہلوان بن گئیں اب چار سالوں میں۔ رضوانہ پرنس تم بہت محبت کرنے والی ہو۔ عقیلہ حق کے شوق کا عالم کہ ابوظہبی سے دوڑی چلی آئیں۔ سنبل بچے تم اسمارٹ ہو کر بہت پیاری ہوگئی ہو، اتنا وزن کم کرنے کا نسخہ دوشیزہ بہنوں کو بھی بتا دو نا، ہم شدت سے اس نایاب نسخے کے منتظر رہیں گے۔ اک خوبصورت شام رات کے آٹھ بجے یادوں میں سمیٹے ہم ہال سے باہر نکلنے کو پر تولنے لگے کیونکہ وقار (بھتیجے) کو جلدی تھی۔ کراچی کے راستوں سے اس کی زیادہ شناسائی نہ ہونے کی وجہ سے اس پر گھبراہٹ طاری تھی۔ اور ہمارا دل تھا کہ چاہتا تھا مزید ٹھہرا جائے مگر جدائی تو لکھی تھی۔

ہم یہ عہد کرتے ہوئے سب سے الوداعی ملاقات کر کے نکلے کہ اگلی تقریب میں ہم بھی ایوارڈ ونرز میں شامل ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اک خوبصورت شام تمام ہوئی مگر آنکھوں میں، یادوں میں بجی ہے آج بھی۔

☆☆......☆☆

1987ء سے خدمت میں مصروف
LEUCODERMA-VITILIGO
پُھلبہری
سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے
STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT
ملٹی ایوارڈ ہولڈر
اجمل زیدی
ماہر برص
کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام
ASIAN EXCELLLENCE
PERFORMANCE AWARD
اسلام آباد
9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری
مستقل پتا
مکان نمبر 62، اسٹریٹ نمبر
20، سیکٹر G-8/1
سریا چوک (تعلیمی چوک) اسلام آباد
فون: (051)2854595-2255880
موبائل: 0300-8566188
AWARD
BEST ACHIEVEMENT
AWARD
PILLAR OF LEUCODERMA
لاہور
14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون
14-اکتوبر تا 27 اکتوبر
قیام
گلف سینٹر
آفس نمبر 16-فیروز پور روڈ
مزنگ چونگی نزد صنم مارکیٹ لاہور
موبائل: 0300-8566188
پشاور
یکم فروری تا 11 فروری
یکم جون تا 11 جون
یکم اکتوبر تا 11 اکتوبر
قیام
ہوٹل امین
جی ٹی روڈ نزد ہشتنگری چوک پشاور شہر
موبائل: 0300-8566188
ملتان
28-مارچ تا 6 اپریل
28-جولائی تا 6 اگست
28-نومبر تا 7 دسمبر
قیام
ہوٹل سلور سینڈ
ریلوے روڈ، نزد چوک عزیز ہوٹل ملتان
فون: (061)4518061-62
موبائل: 0300-8566188
کراچی
13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی
13-نومبر تا 27 نومبر
قیام
فورچون سینٹر
آفس 706، 7 فلور، شاہراہ فیصل
نرسری اسٹاپ بالمقابل K.F.C کراچی
فون: 021-34328080
موبائل: 0300-8565188
E-Mail:syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.com.uk

تیرے عشق نچایا

عشق کی راہداریوں طبقۂ اشرافیہ اور اپنی مٹی سے جُڑے لوگوں کی عکاسی کرتے سلسلے وار ناول کی گیارہویں کڑی

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ملک قاسم علی جہان آباد کے مالک تھے۔ان کا شمار ضلع خوشاب کے جانے مانے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ان کے دو بیٹے ملک عمار علی اور ملک مصطفیٰ تھے۔عمار علی ریاست کے امور میں دلچسپی لیتے تھے جبکہ ملک مصطفیٰ علی چھوٹی بہن امل کے ساتھ تعلیم کے سلسلے میں لاہور رہائش پذیر تھے، ملک عمار علی کی شادی ان کی کزن ماہین سے ہوئی تھی۔وہ اٹھارہ سالہ لڑکی خود سے عمر میں کئی سال بڑے ملک عمار علی کو ذہنی طور پر قبول نہ کرسکی تھی۔وہ کانوینٹ سے پڑھی ہوئی اور خاصے آزاد خیالات رکھتی تھی، جو لائف بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتی تھی۔امّ فروا امّ زارا اور اسماعیل بخش مولوی ابراہیم کی اولادیں ہیں۔ام فروا کی شادی بلال حمید سے ہوئی ہے جو میڈم فیری کے لیے کام کررہا ہے۔میڈم فیری کا تعلق اس جگہ سے تھا جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔بلال حمید اُم فروا کو پہلی بار میکے لے کر آیا تھا کہ میڈم فیری کی کال آگئی......

میڈم فیری نے بلال عرف بالو کو باور کرایا کہ جلد اُم فروا کو اُن کے حوالے کردے۔بلال حمید کے لیے یہ ناممکن سا ہوگیا تھا کیونکہ وہ اُم فروا سے واقعی محبت کرنے لگا تھا۔ماہین اپنے دیور مصطفیٰ علی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔امل کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اُس کی شادی اُس کے کزن محمد علی کے ساتھ ہونے کی تیاریاں ہونے لگی تھیں لیکن امل کے خیالات کسی اور طرف بھٹکنے لگے تھے۔

ماہین اپنے بچپن کے دوست کاشان احمد سے ملتی ہے تو پتا چلتا ہے کاشان بچپن ہی سے اُس میں دلچسپی لیتا تھا مگر کبھی محبت کا اظہار نہ کرپایا۔ماہین اپنے آئیڈیل کے اس طرح بچھڑ جانے پر دکھی ہے۔کاشان احمد ملک سے باہر جانے سے پہلے ماہین سے محبت کا اظہار کردیتا ہے۔ماہین ملک عمار علی سے ویسے ہی ناخوش ہے اس پر کاشان احمد کا اظہار محبت اُس کی زندگی میں ہلچل مچا دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

''سنیں جی کوئی مہمان آیا ہے کیا؟'' وہ بڑا سا دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد پھیلاتے ہوئے بولی۔

''ہاں میرے جاننے والے ہیں۔اُنہیں کچھ کام تھا۔وہ تو جانا چاہ رہے تھے۔میں نے انہیں زبردستی روک لیا ہے۔''

''اچھا کیا آپ نے، مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔آنے والا اپنے حصے کا رزق خود لے کر آتا ہے، آپ

انہیں کھانا کھائے بغیر نہ جانے دیں۔ اُن کے حصے کا کھانا خدا نے آج ہمارے گھر میں لکھا ہوگا۔ کھانا تیار ہے آپ انہیں روک لیں۔'' ان دونوں کی گفتگو ملک مصطفیٰ علی با آسانی سن رہے تھے۔ اُس کا اندازِ تکلم اُسی کی طرح دلکش تھا۔ اب تو واقعی اُن کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا یہاں سے جانے کو۔

''تم کھانا ڈش آؤٹ کرو، میں اُن کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے آپ اُن کے پاس چل کر بیٹھیں میں کھانا نکالتی ہوں ڈشوں میں۔'' وہ دوپٹے کی اچھی طرح بکل مارتے ہوئے بولی۔

اُمِ فروا نے دوپٹا اس طرح اوڑھا کہ اب صرف اُس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ بیڈروم سے نکل کر کچن کی جانب بڑھنے لگی۔ ایک بار پھر ملک مصطفیٰ علی نے اُس کا درشن کیا۔

''ملک صاحب کھانا تیار ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے غریب خانے پر کھانا کھائیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہماری عزت افزائی ہوگی۔'' ملک مصطفیٰ علی کو یہ سب مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کچھ بولنے ہی لگے تھے کہ ایک نہایت خوبصورت نسوانی آواز نے اُن کی بات اُن کی زبان کے اندر ہی روک لی۔

''محترم مہمان! ہر انسان اپنے حصے کا رزق کھاتا ہے۔ آپ کا بھی رزق آج ہمارے ہی گھر میں لکھا ہوگا۔'' اب آواز غائب ہو چکی تھی۔ کچن میں کھڑی اُمِ فروا اُن کے جواب کی منتظر تھی۔ وہ ابھی تک اُس آواز کے سحر میں جکڑے ہوئے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں ملک صاحب۔'' بلال حمید کے بولنے پر وہ چونکے۔ بلال حمید جان بوجھ کر چاہ رہا تھا ملک مصطفیٰ علی کچھ دیر یہاں پر رُکیں اور اُمِ فروا کو دیکھ لیں۔ ممکن ہے اللہ پاک نے انہیں ہماری مدد کے لیے بھیجا ہو۔

''بلال اگر میرے نصیب کا کھانا آج ادھر ہے تو کھلا دو۔'' بلال حمید مسکرایا۔

''ملک صاحب میں ابھی حاضر ہوا۔'' بلال کچن کی طرف آ گیا۔ اُن کا جواب سنتے ہوئے اُمِ فروا بریانی ڈش میں نکال رہی تھی۔ دوسرے چولہے پر کباب تلنے کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے اسٹائلش باؤل میں اُس نے رائتہ ڈال دیا۔ کوفتے کا سالن رات کا بچا تھا، اُس نے گرم کر لیا تھا۔ ٹرالی میں اُس نے پلیٹیں، چمچے، کانٹے بھی نفاست سے رکھ دیے تھے۔ دس منٹ میں ٹرالی تیار ہو گئی تھی۔ بلال حمید ٹرالی گھسیٹتا ہوا لاؤنج میں لے آیا۔

اُس نے ٹرالی ملک مصطفیٰ علی کے سامنے رکھ دی۔

''بسم اللہ کیجیے ملک صاحب۔'' کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے بھوک نہ ہوتے ہوئے بھی ملک مصطفیٰ علی کی بھوک چمکا دی تھی۔ انہوں نے پلیٹ میں بریانی نکالی اور پھر کوفتہ اس پر ڈالا۔ کوفتے اُن کی پسندیدہ ڈش تھی۔

''سبحان اللہ کیا ذائقے دار کھانا ہے۔ ہر چیز مناسب، ٹیسٹ ہے تو لاجواب کوئی کک رکھا ہوا ہے۔'' ملک مصطفیٰ علی نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''میری بیوی نے بنایا ہے۔''

''بہت خوب۔'' اب وہ کباب اپنی پلیٹ میں رکھ رہے تھے۔

''سنیں جی۔'' کچن سے پھر خوبصورت آواز لاؤنج میں اپنا عکس پھیلا گئی۔ بلال حمید اُٹھ کر کچن میں آ گیا۔

''یہ چھلکے بھی لے جائیں۔'' بلال حمید نے بغور اُم فروا کی طرف دیکھا اور اُس کے ہاتھ سے خوبصورت سی ٹوکری پکڑ لی جس میں رومال میں نفاست سے چھلکے رکھے ہوئے تھے۔ وہ لاؤنج کی جانب بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ملک مصطفیٰ علی پر مجھے بھروسا کر لینا چاہیے یقیناً اس کا یوں بن بلائے یہاں چلے آنا...... یہ سب خدا ہی کی طرف سے ہے۔ انشاءاللہ خدا اس پاک دامن لڑکی کی عزت کا ذمہ خود ہی اٹھائے گا۔

کیوں نا اُم فروا اور ملک صاحب کا سامنا کرا دوں؟ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ جانے کیوں میرا دل بار بار ملک مصطفیٰ علی کی طرف جا رہا تھا کہ ضرور یہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔ کسی نہ کسی پر تو مجھے بھروسا کرنا ہی ہوگا۔ ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ تب فیری ملک مصطفیٰ علی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ ان کی پرسنالٹی ہی اتنی بارعب ہے وہ دم بھی نہیں مار سکے گی۔ بلال حمید وہاں سے اُٹھ کر دوبارہ کچن میں آ گیا۔

''اُم فروا ملک صاحب ہمارے ہاں مہمان آئے ہیں۔ تم ہی کہتی ہو مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔''

''ہاں جی میں ایسا کہتی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''پھر تم نے انہیں سلام کیوں نہیں کیا۔'' بلال حمید سرگوشی میں بول رہا تھا مبادا وہ ان کی باتیں سُن نہ لیں۔

''میں غیر محرم کے سامنے کیسے جا سکتی ہوں۔''

''بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ ہمارے گھر مہمان آئے ہیں بہت شریف اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر تم چل کر سلام کرو گی تو وہ خوش ہو جائیں گے کہ ہم نے انہیں اتنی عزت دی۔ وہ کوئی ایرے غیرے تو نہیں ہیں جو میں تمہیں اُن کے سامنے جانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔''

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اُم فروا نے برا سا منہ بنایا۔

''آپ یہ اور چھلکے لے جائیں۔'' وہ دوپٹے سے چہرہ چھپانے لگی۔

''چہرہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے فرو۔ وہ ایرے غیرے نہیں ہیں۔ شریف انسان ہیں۔ انہیں تمہارا یوں اُن سے کترانا بُرا نہ لگے۔ وہ کیا سوچیں گے کہ ہم نے اُن پر بھروسا نہیں کیا۔'' وہ تمام ہمتیں مجتمع کر کے بمشکل کہہ پا رہا تھا، ورنہ اس وقت بلال حمید کا دل چھلنی ہو رہا تھا۔ اُس کے لیے یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ اپنی منکوحہ، اپنی محبت کو کسی غیر مرد کے سامنے لاتا۔

اُم فروا کا دل چاہ رہا تھا انکار کر دے کہ بنا پردے کسی غیر محرم کے پاس نہیں جاؤں گی۔ اُس کے کانوں میں فوراً بے بے جی کی آواز گونجی ''پتر شوہر کی ہر جائز بات ماننا بیوی کے فرائض میں ہے۔ ہمیشہ اُس کی خواہش کا خیال رکھنا۔''

''چلیں۔'' اُم فروا نے بلال حمید کی طرف دیکھا اور اس کے پیچھے لاؤنج میں آ گئی۔

''السلام وعلیکم۔'' اُم فروا ملک مصطفیٰ علی کے سامنے آتے ہوئے جھجک کر بولی۔ یک بارگی لمحے کے ہزارویں حصے میں ملک مصطفیٰ علی نے سامنے کھڑی اُم فروا کی طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکانا بھول گئے تھے۔ اُن کے ہونٹوں اور ہاتھ میں پکڑے چمچ کا فاصلہ جوں کا توں قائم تھا۔ وہ آخر تھی کیا، سفیدی اور نور میں گندھے خمیر سے بنائی گئی لڑکی یا جنت سے آئی حور تھی۔ اپسرا تھی یا کوئی پری تھی اور پھر اُن کے ہاتھ میں لرزتا چمچ زور سے پلیٹ پر گرا۔ ایک زوردار کھنک کی آواز کمرے کے گھمبیر سناٹے میں دراڑیں ڈال گئی۔ اب بھی وہ ایک ٹک اُسے دیکھے جا رہے تھے۔ وہ اُسے سلام کا جواب دینا بھی بھول چکے تھے۔ یہ ہو بہو وہی لڑکی تھی جسے ملک مصطفیٰ

علی نے اپنے گھر میں نعت پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس میں ملک مصطفیٰ علی کی نگاہوں کا دوش نہیں تھا۔ وہ تھی ہی ایسی حواس گم کر دینے والی ہستی۔ ملک مصطفیٰ علی کے بھنچے ہونٹوں پر خود بخود توصیفی مسکان عود آئی۔ خوبصورت بڑی بڑی چمک دار ڈارک براؤنش آنکھوں میں ہلکا سا گلابی رنگ اُترا۔ اس دوران بلال حمید کے اندر گہری آسودگی در آئی۔ اُسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جتنی اُمید کی رمق دکھائی دی۔ بلال حمید چاہ بھی یہی رہا تھا اُمِ فروا کو دیکھتے ہی ملک مصطفیٰ علی کے ہوش اُڑ جائیں۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ جب ہوش میں آئے تو خفیف سے ہو کر اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اب ملک مصطفیٰ علی کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ اپنے تئیں انہوں نے سوچا اس طرح اُمِ فروا کو دیکھنا بلال حمید کو یقیناً بُرا لگا ہوگا۔ ان کی آنکھیں بار بار اُسے دیکھنے کے لیے ملک مصطفیٰ علی کو اُکسا رہی تھیں۔ اُن کا دل بغاوت پر آمادہ تھا۔ چمچہ ہونٹوں سے چھوتے ہوئے انہوں نے اُمِ فروا کی جانب دیکھا، جو مخروطی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے اپنی پلیٹ کی جانب متوجہ ہو گئے کہ کہیں اُن کی بار بار کی گستاخی بلال کو ناگوار نہ گزرے۔

''ملک صاحب میں نے اُمِ فروا سے کہا ہمارے گھر مہمان آئے ہیں اُنہیں سلام کرلو۔'' بلال حمید نے خاموشی کے پردے کو چاک کیا۔

''آپ نے کھانا بہت اچھا بنایا ہے۔'' ملک مصطفیٰ علی نے ایک بار پھر اس حسن پری کی جھلک دیکھنے کا موقع تلاش لیا تھا اور بات کرتے ہوئے اُس کی جانب بغور دیکھا۔

''شکریہ۔'' وہ کچن کی طرف مڑی تو بلال حمید نے اُسے پکارا۔

''اُمِ فروا فریج سے کوک نکال لاؤ۔'' اُمِ فروا نے اثبات میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹرے میں دو گلاس اور کوک کی جمبو بوتل رکھے ان کے نزدیک آ گئی۔ اُس نے گلاس اور کولڈ ڈرنک سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

''اُمِ فروا گلاسوں میں ڈال دو۔'' بلال حمید پھر بولا۔ وہ اُمِ فروا کو زیادہ سے زیادہ دیر وہیں روکنا چاہتا تھا۔ وہ اب گلاسوں میں کولڈ ڈرنک ڈال رہی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے اُمِ فروا کو دیکھتے رہے۔ ملک مصطفیٰ علی جی بھر کر اس دنیاوی حور کو دیکھنا چاہتے تھے۔ جانے پھر یہ گھڑیاں نصیب ہوں نہ ہوں۔ اُس کے جسم سے اٹھتی خوشبو کی لپٹیں انہیں گہری آسودگی کے نخلستانوں میں لے گئی تھیں۔ وہ اُسے دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اصل زندگی تو یہاں ہے۔ میں نے قریہ قریہ بھڑکیلے، جاذبِ نظر، بھسم کرتی نزاکتیں، ادائیں، دل ربائیاں رج رج کر دیکھیں۔ لیکن خدا گواہ ہے ایسی مہ کشی میں جل تھل خوبصورتی میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔ اس دیو مالائی حسن نے میرے دل کے تار جھنجوڑ کر رکھ دیے ہیں۔ آخر میں کیونکر اس کے ملکوتی پاک حسن سے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔ میرے اندر کی ہوس نے ایک مرتبہ بھی اس کی قربت کا شائبہ تک مجھے محسوس نہیں کرایا۔ ورنہ ہمیشہ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کر میرے اندر بیٹھا حریص دو آتشہ حسن کو پانے کے لیے مجھے بے قراری سونپ جاتا تھا۔

اُمِ فروا نے گلاس اُن کے قریب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''شکریہ۔'' اس وقت وہ اُن کے بے حد قریب تھی۔ وہ مسکرا کر بولے اور اس منفرد سی لڑکی کو اپنی براؤنش آنکھوں کی پتلیوں میں مقید کر لیا۔ وہ ملک مصطفیٰ علی کی نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر جلدی سے کچن میں چلی آئی۔ اُمِ فروا کو بہت برا لگ رہا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی کا اس کو یوں دیکھنا۔ اس نے جلدی سے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ اس کا رندھا ہوا گلا خشک ہو رہا تھا، گھبراہٹ سے گلے میں کڑواہٹ بھر رہی

تھی۔

''وہ بھی مجھے خواہ مخواہ ان ملک صاحب کے سامنے لے گئے۔'اس وقت وہ خود کو بیزار محسوس کر رہی تھی۔ اُمِ فروا کو بار بار ملک مصطفیٰ علی کا دیکھنا پریشان کر رہا تھا۔ شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب بلال حمید نے اُمِ فروا کے بغیر کھانا کھایا تھا۔ بلال حمید بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں اُمِ فروا نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔'' اُمِ فروا کی بھوک ہی ختم ہو چکی تھی۔

''ملک صاحب قہوہ یا چائے وغیرہ لیں گے؟''

''نہیں بلال شکریہ! بہت مزا آیا تمہارے گھر میں تھوڑا ٹائم گزار کر۔'' ملک مصطفیٰ علی نے سی ڈی پلیئر پر چلتی اُمِ فروا کی آواز میں نعتیں اپنے موبائل میں ریکارڈ کر لی تھیں۔

''ملک صاحب میں قریبی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھنے جا رہا ہوں۔ آج آپ بھی میرے پاس چل کر اسی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھیں۔'' بلال حمید خلوص کے ساتھ انہیں دعوت دے رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ملک مصطفیٰ علی چونکے۔ انہوں نے کبھی بھی نمازِ جمعہ کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ نہ ہی وہ نماز پڑھتے تھے۔ جبکہ اُن کے والد ملک قاسم علی اور بھائی ملک عمار علی پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ مراد ولا کے احاطے میں بڑی سی مسجد تھی جہاں پانچوں وقت اذان دی جاتی تھی۔ لال حویلی میں مقیم تمام مزارعے، اپنے بیٹوں کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کو کبھی خیال نہ آتا کہ آج وہ بھی نماز پڑھ لیں۔

''کیا سوچ رہے ہیں ملک صاحب! اگر آپ کا کوئی ضروری کام ہے تو ٹھیک ہے۔''

''ارے نہیں بلال مجھے کوئی ضروری کام نہیں ہے، میں بھی تمہارے ساتھ جمعہ پڑھنے چلتا ہوں۔''

''ادھر باتھ روم ہے آپ وضو کر لیں۔'' بلال حمید نے بیڈ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''آیئے۔'' بلال حمید انہیں واش روم دکھانے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔ بیڈ روم مختصر سامان کے ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی وضو کر کے باہر آ گئے۔

''بلال یہ فلیٹ تمہارا ذاتی ہے؟''

''ملک صاحب یہ فلیٹ میرا نہیں ہے۔ یہ کہانی میں آپ کو بعد میں سناؤں گا۔'' بلال حمید نے سرگوشی میں بات کی کہ کہیں اُمِ فروا سن نہ لے اور ملک مصطفیٰ علی اس رازدارانہ انداز میں سرگوشی کرنے کی وجہ جاننے کے لیے بے قرار رہیں اور دوبارہ بلال حمید سے ملنے کی کوشش کریں۔

''ٹھیک ہے بلال تم اپنا نمبر میرے فون پر چھوڑ دینا میں تم سے رابطہ کر لوں گا۔'' دونوں باتیں کرتے ہوئے دروازے تک آ گئے۔ ملک مصطفیٰ علی سیڑھیاں اُتر گئے۔

''اُمِ فروا دروازہ بند کر لو میں مسجد جا رہا ہوں۔'' بلال حمید کچن کے دروازے پر آ کر رُک کے اُمِ فروا سے بولا جو اسٹول پر گم صم سی بیٹھی تھی۔ بلال حمید اُس کے پاس آ گیا۔

''تم نے کھانا کھا لیا؟''

''ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ اُمِ فروا کی ناراضگی بخوبی سمجھتا تھا لیکن جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

''دراصل مہمان کے ساتھ مجھے مجبوراً کھانا کھانا پڑا ورنہ میں تمہارے بنا کب کھاتا ہوں۔ ناراضگی دور کرو اور مسکراؤ۔''

''میں ناراض تو نہیں ہوں۔'' وہ روٹھے روٹھے انداز میں مسکرائی۔

''ملک صاحب تمہارے کھانے کی بہت تعریف کررہے تھے۔'' اس کا دل چاہا کہہ دے، مت نام لیں اُس آدمی کا میرے سامنے مگر وہ اپنے مجازی خدا کے سامنے اس طرح بول نہ سکی۔

''تم کھانا کھا کر نماز پڑھو میں بھی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔'' وہ بلال حمید کے پیچھے دروازہ بند کرنے کے لیے چلی آئی۔

اُم فروا نے کھانا کھایا پھر کچن سمیٹ کر صاف کیا اور نماز پڑھنے اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر قرآن پاک کھول کر پڑھنے لگی۔ وہ قرآن پاک کی حافظہ تھی، قرآن پاک اپنے سامنے رکھے، آنکھیں بند کیے اونچی آواز میں پڑھتی رہی۔ اُمِ فروا کے تمام گھر والوں کے معمول میں تھا کہ دن میں ایک مرتبہ قرآن پاک ضرور پڑھتے تھے۔

رات کو اُم فروا بستر پر لیٹی تو بار بار کروٹیں بدلتی رہی۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے ملک مصطفیٰ علی کا چہرہ گھوم جاتا جو کیسے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک غیر محرم شخص کی نگاہیں اس طرح میرے چہرے پر رکیں ہی کیوں۔ بلال حمید کو اس طرح ایک اجنبی کے سامنے اپنی بیوی کو نہیں لے جانا چاہیے تھا۔ وہ مہمان تھا تو اُسے مہمان ہونے کے تقاضے بھی نبھانے چاہیے تھے۔ کلف شدہ لباس میں ملبوس وہ اونچا لمبا شکیل و وجیہہ نوابوں جیسی خوبصورت آنکھوں اور شکل والا ملک مصطفیٰ علی، اُمِ فروا کی جانب اُٹھیں اُس کی آنکھیں بار بار اس کے سامنے اتر آتیں۔ تب وہ اپنی جھنجلاہٹ پر کنٹرول کرتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کوشش کے باوجود اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بے چینی اس کے بدن میں سوئیاں چبھو رہی تھی تو صرف اسی بات پر کہ میں ایک غیر مرد کے سامنے کیوں گئی بنا اپنا چہرہ چھپائے۔ اے مالک مجھے معاف کردے مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی لیکن شوہر کا حکم ماننا بھی اس کے لیے ضروری تھا۔ اس وقت بلال حمید اس کے قریب گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اُمِ فروا نے سیدھی کروٹ بدلی، چہرے کے نیچے ہتھیلی رکھی اور درودِ ابراہیمی پڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد گہری نیند اُس پر غلبہ پا چکی تھی۔

☆......☆......☆

اب بلال حمید غیر شعوری سوچ میں ملک مصطفیٰ علی کے فون کا منتظر رہنے لگا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا آنے والے وقت سے۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ فیری ماں اکثر فون کر کے پوچھتی اور جب وہ اُس کی طرف جاتا تب تو خود بخود موضوع اُم فروا ہی کی جانب چلا جاتا۔

''بالو اُم فروا کی جو تصاویر تم نے بھجوائی ہیں۔ کسی نے تم سے رابطہ کیا؟'' وہ بات بناتا۔

''فیری ماں چند لوگوں نے بات تو کی ہے۔ لیکن وہ بہت کم پیسوں کی بات کرتے ہیں۔ دس لاکھ سے زیادہ پر کوئی آ ہی نہیں رہا۔ آپ جلدی نہ کریں مجھے اُمید ہے ضرور بہت زیادہ بولی لگے گی اس کی۔ فیری ماں ایسے کاموں میں ٹائم تو لگتا ہے، آپ بالکل بےفکر ہو جائیں۔''

''بالو ایک مہینہ ہو گیا ہے اس لڑکی کو تمہارے پاس، کہیں زیادہ دل تو نہیں لگا لیا۔'' فیری ماں کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

''فیری ماں بھلا بالو تمہارے ساتھ بے ایمانی کرسکتا ہے۔ اس دھندے میں ہم جیسوں کا دل نہیں ہوتا۔

یہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی ہم اپنا دل نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ اگر واقعی میرا دل اس لڑکی پر آیا ہوتا تو اب تک مجھ سے بچ کر رہ سکتی تھی وہ لڑکی۔"

"بالو بھول کر بھی کبھی ایسا نہ سوچنا ورنہ تم خود جانتے ہو میں صرف دھمکیاں نہیں دیا کرتی، کر بھی دکھایا کرتی ہوں۔ یقیناً تم اس بات کو سمجھتے ہو۔"

"فیری ماں سب کچھ سمجھ کر ہی اب تک تمہارے ساتھ چلا آ رہا ہوں۔ جس سولہ سال کی لڑکی کا تم سے ذکر کیا تھا۔ اُس سے بھی جلدی بات بن جائے گی۔" فیری کا دماغ اُمِ فروا سے ہٹانے کے لیے بلال حمید نے بات اُدھر گھمائی۔

"دوبارہ اُس کی خالہ سے ملا تھا تو۔"

"ہاں ہاں کچھ روز پہلے بھی میری اُس سے فون پر بات ہوئی تھی۔ پچاس ہزار میں وہ نہیں مان رہی۔ میں نے دس ہزار اور بڑھا دیے ہیں آپ فکر نہیں کریں وہ ضرور مان جائے گی۔"

"بالو پہلے تم اُمِ فروا والے قصے کو تو نپٹا لو۔" فیری ماں پھر سے بلال حمید کے سینے پر مونگ دلنے لگی۔

"بتا رہا ہوں ناں میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔ ابھی تو مجھے تم سے چھ لاکھ اور لینے ہیں۔"

"بالو جب اس لڑکی کا ایک کروڑ ملے گا تو تمہیں بھی تمہارا بقایا مل جائے گا۔"

"ٹھیک فیری ماں۔ پھر ایک کروڑ کے لیے کچھ انتظار بھی کرنا پڑے گا۔ ایک کروڑ روپیہ کمانے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔"

"تو صحیح کہہ رہا ہے بالو، ایک گاہک میرے پاس ہے۔" فیری نے بلال حمید کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

بلال حمید کا دل ایک دم سے بیٹھ گیا۔

"وہ پچاس لاکھ دے رہا ہے۔ میں نے اُس سے کہا ہے کہ دوبئی میں کوئی شیخ ہے جو ہیروں کا تاجر ہے وہ اُمِ فروا کو نوی نکور اُس تک پہنچانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہے ایک کروڑ دیتے ہو تو ٹھیک ہے۔ تم ساری زندگی اُسے کیش کراتے رہو گے۔ اس سے کئی سو کروڑ کما لو گے۔ لیکن وہ سیٹھ بہت کائیاں ہے ابھی نہیں مان رہا۔ اُس شیخ نے بھی کہاں اُمِ فروا کو اپنے پاس رکھنا ہے۔ عربوں ڈالر کمائے گا وہ اس سے۔" اس وقت بلال حمید کا دل مٹھی میں جکڑا ہوا تھا اس کے پورے وجود میں کانٹے دار تاروں کا جال پھیل گیا تھا۔

"فیری ماں خیال کرنا اس میں کوئی فراڈ نہ ہو۔ جو یکمشت کیش کی صورت میں ایک کروڑ دے تب بات پکی کرنا۔ آج کل کسی پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سارے موٹے گنجے سیٹھ ایک نمبر کے حرامی ہوتے ہیں۔ فیری ماں تم یہ دردِ سر اب ختم کرو میں ہوں ناں سب سنبھال لوں گا۔ تم فضول کی ٹینشن نہ لیا کرو۔"

اب تو بلال حمید تھک چکا تھا۔ فیری ماں کی روز روز کی بک بک سے۔ بہت سوچ بچار کے بعد بلال حمید اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ملک مصطفیٰ علی کی مدد لے لی جائے۔ اُس کی آنکھوں کی سچائی بتاتی ہے وہ ایک اچھا انسان ہے۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔ مجھے کسی نہ کسی پر تو بھروسا کرنا ہی ہو گا نا۔ ملک مصطفیٰ علی سے اب مجھے بات کرنا ہو گی۔ اللہ پاک تُو میری مدد فرمانا۔

☆......☆......☆

اس روز واقعی اُس کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں جب اچانک ملک مصطفیٰ علی کا فون آ گیا۔

''کہاں ہو بلال؟''

''ملک صاحب گھر پر ہوں۔''

''بلال میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ملک صاحب میں بھی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔''

''بلال پھر تو بات بن گئی کیونکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ملک مصطفیٰ علی زور سے ہنسے۔ اُن کا قہقہہ کافی دیر تک اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

''بلال تم لال حویلی آسکتے ہو۔ یا میں تمہیں لینے آجاؤں؟''

''میں خود آجاتا ہوں بائیک ہے میرے پاس۔''

''لال حویلی کا نام تو تم نے سُنا ہوگا؟''

''جی ہاں سنا ہے۔''

''ڈیفنس میں ہے باریک اینٹوں سے بنی ہوئی مرادولا کے نام سے۔''

''ملک صاحب وہ تو معروف حویلی ہے، جس کا صدر دروازہ گنبدوں والا بہت اونچا ہے۔ سُنا ہے وہ اتنا اونچا ہے کہ اُس کے اندر سے اونٹ بھی باآسانی گزر جائے۔''

''ہاں اُسی حویلی میں تم آجاؤ۔ وہاں تک پہنچ کر تم میرا نام لے دینا تو گارڈ تمہاری رسائی مجھ تک کرادے گا۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب مجھے سمجھ آگئی، میں تھوڑی دیر تک نکلتا ہوں۔''

ایک گھنٹے بعد وہ لال حویلی کے صدر دروازے پر تھا۔ بلال حمید گردن اونچی کیے آسمان کی طرف چہرہ اٹھائے اس لکڑی کے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جو اپنی انفرادیت اور قد آور اہمیت، خاموشی کی زبان میں بیان کرر ہا تھا۔

باوردی دربان نے اس کا نام پوچھنے پر ایک لڑکے کو اشارے سے اپنے بلایا۔

''ان صاحب کو چھوٹے مالک، ملک مصطفیٰ علی کے پاس لے جاؤ۔ مردان خانے کے دیوانِ خاص میں...... آپ اس لڑکے کو اپنے پیچھے بٹھالیں۔'' لڑکا بائیک پر بلال حمید کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسے راستہ بتانے لگا۔ یہ تو پورا ایک گاؤں تھا اندر داخل ہوتے ہی جس کی چہار دیواری کے ساتھ ساتھ یہ خود ساختہ پلاننگ سے چند مربع زمین پر بنایا گیا یہ گاؤں آرٹسٹک ذہن کے مالک ملک شاہ جہان کی حسنِ کمال سوچ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ جو اک شانِ تمکنت سے سینہ تانے لاہور کی سرزمین پر براجمان تھا۔ بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ آسمان کی طرح رُخ کیے قد آور درخت ہوا کی مست خرام سرسراہٹ ایک دوجے کے کندھوں پر سر رکھے سرگوشیاں کرر ہے تھے۔ شہتوت، آم، ناریل، جامن، شاہ بلوط اور چنار کے درخت ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ پھر سرسبز کھیتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو اُن درختوں کی جانب پیٹھ کیے اپنے ہی حال میں مست دکھائی دے رہے تھے۔ باسمتی چاولوں کے کھیتوں سے مہک اُٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ دائیں طرف آم اور جامن کے باغات دکھائی دے رہے تھے۔ بلال حمید کھیتوں کے وسط میں سے گزرتی تارکول کی پتھریلی سڑک پر موٹر سائیکل دوڑا رہا تھا اور توصیفی نگاہیں اطراف پر بھی ڈال رہا تھا۔ دور سے رہٹ والا کنواں دکھائی دے رہا تھا۔ ایک نوعمر لڑکا لکڑی کے ہتھے کی

گھوڑی پر بیٹھا بیلوں کو ہانک رہا تھا، جن کے گلے میں جھولتی گھنٹیاں ایک خوبصورت ساز کو جنم دے رہی تھیں۔ جب گھنٹیاں رُک رُک کر مچل کر فضا کے سناٹے کو پامال کرتیں تو سناٹے گنگنا اُٹھتے۔

دور سے پن چکی کی چلمن سے نکلتا دھواں بل کھاتا اونچائی کی سمت رواں تھا۔ جو اسپرنگ کی شکل میں اپنا سفر تیزی سے جاری رکھے ہوئے تھا۔ فش فارم کے قریب سے بھی وہ گزرے تھے، دور سے پولٹری فارم بھی لمبے لمبے برآمدوں کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ جہاں کچھ کارندے بھی نظر آ رہے تھے۔

اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کا اصطبل، بھینسوں کا باڑا بھی سامنے تھا۔ اسطبل میں نایاب نسل کے گھوڑے تھے جو عرب سے ملک قاسم علی کے دوستوں نے بھجوائے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی پولو کے شوقین تھے جبکہ ملک قاسم علی اور ملک عمار علی نیزہ بازی کھیلتے تھے۔ گھڑسواری اور گھوڑوں سے بابت تمام کھیل ان کے آباؤ اجداد کے بھی پسندیدہ کھیل رہے تھے۔ گھوڑوں کو رقص بھی سکھایا جاتا تھا۔ دور ایک ہاری ہل چلا رہا تھا۔ روہی کے علاقے کا فوک گیت وہ اونچی آواز میں گاتا بیلوں کو ہانک رہا تھا۔ خودبخود موٹر سائیکل چلاتے بلال حمید کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔ وہ قدرت کے ان حسین نظاروں میں کھویا ہوا تھا۔

''بچے یہ تمام زمینیں ملک مصطفیٰ علی کی ہیں۔''

''بھائی جان میرا ابا بتاتا ہے یہ تمام زمین ملک قاسم علی کے دادا ملک شاہ جہاں علی نے فرنگیوں کے زمانے میں خریدی تھیں۔ یہ لال حویلی بھی انہوں نے ہی بنوائی تھی۔ میرا ابا بتاتا ہے بڑے ملک صاحب کو بہت شوق تھا عمارتیں بنوانے کا۔ تب سے ہی ''مراد وِلا'' لال حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ میرے دادا کو ملک قاسم علی خوشاب سے یہاں پر لے آئے تھے۔ ہم پیچھے سے خوشاب کے گاؤں جہان آباد کے ہیں۔ وہاں بھی مراد ولا سے بہت بڑی حویلی ہے ان کی۔'' لڑکا خاصا باتونی تھا۔

''بس بھائی جان یہی پر روک دیں۔ یہ سامنے مردان خانہ ہے۔'' بلال حمید نے کیکر کے درخت کے نیچے بائیک کھڑی کر کے لاک لگا دیا۔

''کاکے تم اِدھر ہی رکو واپسی پر میں تمہیں تمہارے گھر کے نزدیک چھوڑ دوں گا۔''

''میں چلا جاؤں گا۔ ہمیں تو زیادہ ٹیم نہیں لگتا۔ میں تو دن میں کئی بار یہاں پیدل آتا ہوں۔ میرا ابا اِدھر ہی باڑے میں ہوتا ہے ناں۔ میں صبح شام اندرونِ خانہ میں استعمال ہونے کے لیے دودھ یہاں پر دے جاتا ہوں۔ ملک صاحب کی بہت گائے بھینسیں ہیں۔ یہاں سے ڈوگر دودھ ویگنوں میں شہر لے جاتے ہیں۔ ابا کو بھی دونوں ٹائم دودھ مفتی کا ملتا ہے۔ میں تو دودھ پتی ہی پیتا ہوں جناب۔ ماں ناراض تو بہت ہوتی ہے پر میں نالائق بچہ ہوں جو اپنی سوہنی ماں کی بات ہی نہیں سنتا ہوں۔ دراصل مجھے دودھ پتی کا چسکا میرے ابے نے ڈالا ہے وہ اکثر کہتا ہے شیدے پُتر چل ماں کی نظر بچا کر دودھ پتی کاڑھ کے لے آ۔ پھر ابے کی بات تو ماننی ہوئی۔ ابا جو ہوا جناب۔'' وہ بلا کا باتونی بچہ بولے جا رہا تھا۔ بلال حمید اُس کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

''اچھا اب تم جاؤ تمہارا شکریہ۔'' اُس نے بلال حمید سے مصافحہ کیا۔

''بھائی جان واپسی پر میرے گھر آنا میں آپ کو دودھ پتی والی کڑک چائے پلاؤں گا۔ آج تو ماں شمو بھی گھر پر نہیں ہے۔ وہ ساتھ والی ماسی زیتون کے ساتھ گھاٹ پر کپڑے دھونے گئی ہوئی ہے۔'' وہ بلال حمید کی طرف منہ کیے پیچھے کی طرف چل رہا تھا۔ بلال مسکرایا۔ تب وہ ایک دم پلٹ کر زگ زیگ کی طرح پاؤں گھماتا واپسی کے

لیے چلنے لگا۔

بلال حمید نے ملک مصطفیٰ علی کو اپنے فون سے آنے کی اطلاع دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی کیکر کی چھاؤں میں کھڑے بلال حمید کے پاس آ کر رُک گیا۔ اس وقت سیاہ کیکر کا بہت بڑا اور پرانا درخت پیلے ان گنت پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ زمین پر بے حساب پھول گرے ہوئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے زمین پر پیلی چادر ڈال دی ہے۔

''تم بلال حمید ہو؟'' اُس آدمی کی گرج دار آواز بلال حمید کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جی ہاں میں ہی بلال حمید ہوں۔'' وہ بڑی بڑی مونچھوں اور لچھے دار کنڈلوں کے بالوں والا بارعب شخص تھا۔ جس کے کندھوں پر کلاشنکوف لٹک رہی تھی۔ آٹھ گز کی گھیر دار شلوار اور لمبے کھلے کُرتے میں ملبوس تھا۔ کندھے پر کالی اور سفید پھولوں والی چادر رکھی ہوئی تھی۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ آدمی بالکل سیدھا چل رہا تھا۔ اُس کی گردن اور چوڑے شانے سیدھے تھے۔ وہ طویل قامت کا مالک تھا۔ بلال حمید اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد بلال حمید اُس آدمی کے ساتھ عالی شان مردان خانے میں داخل ہوا۔ جہاں کی ٹھاٹ باٹ قابلِ دید تھی۔ اخروٹ کی لکڑی کے آبنوسی منقش دروازے کے سامنے وہ آدمی رُک گیا۔

''تم اس دروازے سے اندر چلے جاؤ۔'' پُراسرار اور بارعب آواز تھی اُس آدمی کی۔ بلال حمید نے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اس وقت بلال حمید سوچ رہا تھا ملک مصطفیٰ علی اس قدر جدی پشتی امیر زادہ بندہ ہے۔ میرے چھوٹے سے گھر میں آ کر یہ کس قدر خوش ہوا تھا۔ ان کی طبیعت میں اس قدر سادگی......

وہ کس قدر بے تکلفی سے میرے ساتھ گپیں لگاتے رہے تھے اور کھانا بھی کتنی رغبت سے کھایا، خاندانی لوگ ایسے ہی بااخلاق ہوتے ہیں۔ یقیناً میری پوری بات سُن کر میری مدد ضرور کرے گا۔ مجھے یقین ہے اس مشکل سے مجھے نکال لے گا۔ بلال حمید نے دروازہ آہستگی سے بجایا۔ ایک خوش شکل، سفید پوشاک زیب تن کیے لڑکا برآمد ہوا۔ اُس نے سوالیہ نگاہوں سے بلال حمید کو دیکھا۔

''میں بلال حمید ہوں مجھے ملک مصطفیٰ علی سے ملنا ہے۔'' خوبرو لڑکے نے راستہ چھوڑ کر اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ بلال حمید اندر آ گیا۔ اب وہ لڑکا باہر جا چکا تھا۔

''آؤ بلال۔'' ملک مصطفیٰ علی نے اُٹھ کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

''کیسے ہو؟''

''الحمدللہ۔''

''بیٹھو۔'' وہ اُن کے سامنے، مختلف اشکال کے لٹو سے مرصع رنگین پایوں والی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر روئی کی بھرائی کی ہوئی شنیل کی گدیاں رکھی ہوئی تھیں۔

''آنے میں کوئی مسئلہ تو درپیش نہیں آیا؟''

''ملک صاحب بہت آسانی سے پہنچ گیا ہوں۔'' ملک مصطفیٰ علی کی شان و مرتبہ دیکھنے کے بعد وہ اُن سے گفتگو کرنے میں مزید محتاط ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہی لڑکا ٹرے میں کولڈ ڈرنک رکھے اندر آیا اور ٹرے ٹیبل پر

رکھ کر چلا گیا۔

''بلال میں نے سوچا یہاں آرام سے بیٹھ کر ہم بات کر سکتے ہیں۔''

''ملک صاحب میں بھی آپ سے بہت خاص نوعیت کی بات کرنا چاہتا ہوں۔'' بلال حمید نے ہاتھ میں پکڑا گلاس دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''بلال تم کچھ پریشان ہو، اُس روز مجھے تمہارے گھر پر کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ تمہاری آنکھیں تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ تم بولتے بولتے گہری سوچ میں چلے جاتے تھے۔''

''جی ہاں ملک صاحب آپ درست فرما رہے ہیں۔''

''اگر مناسب سمجھو تو اپنی پرابلم مجھ سے شیئر کر سکتے ہو ممکن ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔ مجھے خوشی ہوگی تمہارے کام آکے۔''

''واقعی ملک صاحب میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ میں بہت دنوں سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہ رہا ہوں لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' بلال حمید کے گلے میں گھبراہٹ سے دھوئیں کے گولے بھر گئے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی معصومیت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ بے ہنگم ذہنی انتشار اب بھی بلال حمید کے پریشان حال چہرے پر نمایاں تھا۔ بلال حمید نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ وہ بے قراری کے عالم میں اس کی بات سننے کے لیے منتظر تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کے دل میں ایک پھانس اٹکی ہوئی تھی۔ بار بار اُن کا دھیان اُس ریشمی آواز والی ماہ نور کی طرف چلا جاتا۔ شاید اُس دلربا کی بابت بات کرنا چاہتا ہو۔

''نہیں'' توقف بعد وہ اپنی سوچ کی خود نفی کر رہے تھے۔ دونوں میاں بیوی خوش لگ رہے تھے۔ انہیں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ یہ شخص مجھ پر اتنا اعتبار کر کے مجھ تک آیا ہے۔ مجھے ضرور اس کی مدد کرنی چاہیے۔

ملک مصطفیٰ علی، بلال حمید کو سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گم دیکھ کر سوچ رہے تھے۔ بلال کے اندر مستقل ہلکان کر دینے والی کڑوی کسیلی سوچوں کے موسم ٹھہر چکے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کی آنکھوں کے گلابی ڈورے بلال حمید کو بھروسہ کرنے پر اُکسا رہے تھے۔ بلال حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ہنکارا بھر کر گلا صاف کیا اور متلاشی نگاہوں سے ملک مصطفیٰ علی کی جانب دیکھا۔

''بلال تم جو کہنا چاہتے ہو بلا جھجک کہہ دو۔ میں......'' ملک مصطفیٰ علی کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔ ''شاید تم مجھ سے اپنا مسئلہ بیان کرنے سے گھبرا رہے ہو۔ خوف یا جھجک محسوس کر رہے ہو۔ ممکن ہے تم سوچ رہے ہوگے مجھ سے اپنی بات کہنے سے تمہیں کوئی مسئلہ پیش نہ آ جائے۔ مجھے تمہاری مدد کر کے بہت خوشی ہوگی اور جس قدر مجھ سے بن پڑا میں تمہارا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم بے فکر ہو کر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ مشکل حالات میں انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی تو کسی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔''

حزن وملال کی صورت بنے بیٹھے بلال حمید کی طرف انہوں نے دیکھا۔

''آپ درست فرما رہے ہیں ملک صاحب! میں نے بہت سوچا ہے، ہر بار آپ ہی مجھے اُمید کی آخری کرن کی صورت میں دکھائی دیے ہیں۔ اسی اُمید پر تو بھری دنیا کو چھوڑ کر آپ کے پاس آیا ہوں۔''

ملک مصطفیٰ علی، بلال حمید کی مضطرب نظروں کا مفہوم سمجھ رہے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی اپنی جگہ سے اُٹھے اور بلال حمید کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ اس کے کندھے کو تھپکا۔

''بلال تم بلا جھجک مجھ سے بات کرو۔ مت ڈرو اور جھجکو۔'' ملک مصطفیٰ علی بلال حمید کی سوچتی گلابی آنکھوں میں اک انجانا خوف دیکھ رہے تھے۔ وہ بار بار خشک ہونٹوں پر اکڑی زبان پھیر کر انہیں تر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بلال حمید نے مارے گھبراہٹ کے زور سے گردن پر ہاتھ پھیر کر گلا صاف کیا۔ وہ ہمت کر کے بولا۔

''ملک صاحب میں اُم فروا کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''بولو۔'' ملک مصطفیٰ علی چونکے لیکن بلال حمید پر کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ پگھلتے لمحے قطرہ قطرہ اپنی قہر آلود دراڑ بلال حمید کے اندر پھونک رہے تھے۔

''اُمِ فروا!!'' ملک مصطفیٰ علی انجان بنے سوالیہ انداز میں گویا ہوئے۔ اُن کے دل میں اُمِ فروا کے نام سے ایک شیریں بے قراری ضرور ابھری تھی۔

''میری بیوی۔''

''اچھا جنہوں نے آ کر مجھے سلام کیا تھا۔ بلال اُن سے کوئی شکایت ہے تمہیں؟ وہ تو بہت نیک خاتون لگ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص روح پرور چمک پھیلی ہوئی تھی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔''

''ملک صاحب آپ درست فرما رہے ہیں وہ بے حد نیک لڑکی ہے، اتنی اچھی کہ اُس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ مجھ سے انجانے میں یا جان بوجھ کر کہہ لیں ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔''

''بھئی کیا کر دیا تم نے۔ مجھے تو تم دونوں بے حد مطمئن نظر آئے ہو۔ تمہارے گھر کا ماحول بھی بہت اچھا لگا۔ تمہارے گھر میں ایک سکون و طمانیت پائی تھی میں نے۔''

''ایسا ہی ہے ملک صاحب! میں آپ کو بتا رہا ہوں ناں اُم فروا بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں بڑی آس لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ اُمید ہے آپ ضرور میری مدد کریں گے۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے آپ مجھے اس مشکل سے نکال لیں گے۔''

''بلال خدا کی ذات کارساز ہے۔ مدد تو اُس نے کرنی ہے۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش ضرور کروں گا۔''

تب بلال حمید نے آہستہ آہستہ ملک مصطفیٰ علی کو بتانا شروع کیا۔ ملک مصطفیٰ علی بنا جنبش کیے نہایت خاموشی سے بلال حمید کی بات سنتے رہے۔ بلال حمید درمیان میں سے یہ بات غائب کر گیا تھا کہ میں اُمِ فروا کو بہت چاہتا ہوں۔'' بلال حمید بار بار باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے شوہر ہونے کا حق ہرگز ہرگز استعمال نہیں کیا۔ وہ آج بھی اَن چھوئی کلی کی طرح پاک اور اُجلی ہے۔ میں چاہتا ہوں اب جو بھی اس کا شوہر بنے اُسے یہ لڑکی پاک اور متبرک حالت میں ملے۔''

ملک مصطفیٰ علی خاموش تھے، گہری چپ اُن پر مسلط تھی۔ بلال حمید اُن کے چہرے سے اُن کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ اس وقت ملک مصطفیٰ علی سوچ رہے تھے جب اس معصوم لڑکی کو اس سازش کا علم ہوگا کہ اس کا شوہر کس قدر گھناؤنا منصوبہ اس کے لیے تیار کرتا رہا ہے۔ اسے ایک دھندا کرانے والی کو دس لاکھ کے عوض بیچنے کا۔ اور اسی لیے اس سے نکاح کر کے اسے یہاں لایا ہے۔ ایک نیک صفت پارسا والدین کی بیٹی کو۔ جس نے آج تک کسی غیر مرد کی شکل نہ دیکھی اُسی کو یہ عصمت فروشی کے لیے بیچ رہا تھا۔

''میرے خدا۔'' ملک مصطفیٰ علی کی اس آہ پر بلال حمید نے جھکی نگاہیں اُوپر اٹھائیں۔

ملک مصطفیٰ علی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اُن کا سر چکرا رہا تھا آنکھوں کے سامنے گول دائرے چکریاں لے رہے تھے۔ کافی دیر بعد ملک مصطفیٰ علی نے بغور بلال حمید کی طرف دیکھا جس کا سر مارے شرمندگی کے ضرورت سے زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ آنسوؤں کو جبراً آنکھوں کے اندر روکنے کی سعی میں اُس کا سر پھٹنے لگا تھا اور دو حصوں میں تقسیم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی نے بلال حمید کا کندھا زور سے دبایا۔

''بلال تم فکر نہیں کرو اُم فروا کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ تم مجھ پر بھروسہ رکھو۔ فیری'' اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بلال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تمہارے اندر ایک اچھا انسان موجود ہے۔ جس نے تمہیں اتنا بڑا ظلم، ایسا گناہِ کبیرہ کرنے سے روک دیا۔ اگر خدانخواستہ تم سے کچھ ایسا ہو جاتا۔ تب سوچو اس جہاں میں ضمیر کی آگ میں جلتے ہی تمہاری آخرت کا کیا ہوتا؟ کیا خدا تمہیں معاف کر دیتا کہ ایک شریف گھرانے کی بیٹی کو تم نے کس جلتی آگ میں جھونک دیا۔ تم نے انتخاب بھی کیا تو ایک مذہبی گھرانے کی قرآن حافظہ کا۔''

''ملک صاحب میں شیطان کے بہکاوے میں آ کر اندھا ہو گیا تھا۔ لالچ و طمع نے میری مت ماردی تھی۔''

''خدا کا شکر ادا کرو دیر سے سہی تمہیں احساس تو ہو گیا ناں۔''

''ملک صاحب یہ سب کمال تو اس پاکباز لڑکی کا ہے جس نے اپنی نیک خصلت سے مجھے احساس دلایا کہ ایک رب ہے جو ہمارے ہر فعل سے واقف ہے۔ اُم فروا نے مجھے میرے رب سے ملا دیا۔ اُس کے ہونے کا خیال اپنے اچھے عمل سے میرے دل میں ڈالا۔ ملک صاحب میں تو ایک بے دین انسان تھا۔ اُس نے مجھے دین دار بنایا۔ مجھے خدا کی وحدانیت سے روشناس کرایا اُس کے ہونے نے مجھے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ کب میں نماز پڑھتا تھا۔ میں نے کبھی قرآن پاک نہیں کھولا تھا۔ میں نے اُسے یہ سب کرتے دیکھا تب میرے دل و دماغ کو کسی نے ہتھوڑوں سے کچل ڈالا۔ میں چکرا کر سوچتا رہا میں کہاں تھا؟ میں کیا کر رہا تھا؟ کیا میں اسی لیے اس دنیا میں آیا تھا؟ ملک صاحب تب میں، میں نہ رہا۔ میرے روم روم میں اُم فروا بول رہی تھی۔'' بلال حمید کب سے بول رہا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی خاموشی سے اُسے سن رہے تھے۔

''بلال ابھی بھی خدا تم پر مہربان ہے۔ اس کی نگاہیں تمہاری جانب ہیں۔ وہ تمہیں ہر لمحہ دیکھتا ہے۔ وہ تم سے کوئی غلط کام نہیں کروانا چاہتا تھا، اس لیے اُس نے تمہیں بچالیا۔ خدا ہمیشہ اپنے بندوں کے ساتھ رہتا ہے۔ تمہیں احساس ہوا، تم نے اُس لڑکی کے لیے اچھا سوچا۔ ایک مہینے سے تم اس کی عزت کی حفاظت کر رہے ہو۔ فیری جیسی عورت سے اُم فروا کو بچانے کے لیے تمہارے دل میں خدا کا خوف آیا۔ رب کو تم نے محسوس کیا۔ اُسے پہچاننے کی کوشش کی۔ اُس کا تمہارے دل نے اعتراف کیا۔ اُسے مدد کے لیے پکارا۔ وہ ''رحمٰن'' ہے۔ گناہ گار سے گناہ گار بندے کی بھی ضرور سنتا ہے۔ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔ وہ نیک لڑکی ہے اسی لیے ابھی تک خدا نے اُسے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ بلال تم نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ اس اعتماد کے لیے تمہارا شکریہ! میں تمہارا اعتبار ہمیشہ قائم رکھوں گا۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔''

''ملک صاحب فیری مجھے بار بار فون کرتی ہے۔ میں ہر دفعہ ایک نئے بہانے سے جان چھڑاتا ہوں۔''

''تم فکر نہیں کرو بہت جلد یہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ بلال میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے لالچ میں آ کر

اُمِ فروا کو فوری طور پر فیری تک نہیں پہنچایا۔ ممکن ہے تمہاری یہ نیکی تمہارے لیے ذریعۂ نجات بن جائے۔ انشاء اللہ خدا تم پر ضرور رحم فرمائے گا کہ تم نے اپنی منکوحہ کو چند نوٹوں کے عوض بیچا نہیں اور اُس کی عزت کی حفاظت کی۔''

''ملک صاحب میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ ہر سانس کے ساتھ خداوند کریم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اس گناہ وذلت بھری زندگی میں میرے حالات مجھے لے آئے اور میں غلط لوگوں کی صحبت میں پڑ گیا۔ میں تو گاؤں سے یہاں رزقِ حلال کمانے کی خاطر آیا تھا۔ میری قسمت بُری تھی جو فیری کی کوٹھی میں مجھے ملازمت ملی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیسا کالا دھندا کرتی ہے۔ میں اُمِ فروا سے بات کیسے کروں گا مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ پھر اُس کے نیک نفس والدین اور بہن بھائی کے سامنے کیسے جاسکوں گا۔ کیا وہ لوگ میری بات سنیں گے۔ میں تو اس قابل ہی نہیں ہوں جو میری بات سنی جائے۔ وہ لوگ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میں قابلِ معافی نہیں ہوں۔''

''بلال تم پریشان مت ہو، خدا ضرور بہتر سبیل بنادے گا۔ وہ ضرور مدد کرے گا۔ خدا بندے پر اس کی ہمت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔''

''ملک صاحب مجھ میں اتنا یارا نہیں ہے کہ میں اُمِ فروا کو یہ سب بتا سکوں۔''

''بلال تم فکر نہیں کرو۔ اگر مجھ پر بھروسا کیا ہے تو یقین بھی رکھو۔ میں خود ایک گناہ گار آدمی ہوں لیکن اُس مریم جیسی پاکیزہ لڑکی کی مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ میں کل تمہارے گھر آؤں گا اور اُمِ فروا سے بات کروں گا۔ ایک مرتبہ تو اُس پر بجلی گرے گی۔ ایک مرتبہ کیا تمام عمر وہ اس آگ میں جلتی رہے گی کہ اُس کے ساتھ کیا ہونے جارہا تھا۔ ایسی شریف لڑکی جو ایک اللہ والے نیک بندے کی بیٹی تھی۔ ظلم ہوا اُس پر کسی نے اعتبار میں لے کر بے اعتباریاں سونپ دیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی۔ بہر حال ابھی تم دونوں کو آگ کا دریا عبور کرنا ہے۔ اس کے لیے بہت حوصلہ چاہیے۔ بلال تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اُمِ فروا اب دوبارہ تم پر اعتبار کرے گی۔ پل پل اُس کے مرنے جینے کا عمل جاری رہے گا۔ ایسی لڑکی جس کی زبان سے آج تک، جو ہوش سنبھالتے ہی عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئی، ہمیشہ خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی اُمتی ہونے کا ذکر ہی اُس کی زبان سے ادا ہوا۔ بلال میں اپنے رب سے التجا کرتا ہوں اُمِ فروا تمہیں معاف کردے۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔ بلال تم نے بہت اچھا کیا مجھ سے بات کر کے، ورنہ بہت دیر ہو جاتی۔ چلو کھانا کھاتے ہیں۔ تم اب بے فکر ہو جاؤ۔ اس بارے میں مزید مت سوچو۔ خدا کے سپرد کر دو تم معاملات، وہ خود ہی آسانی فرمائے گا۔''

''شکریہ ملک صاحب، اب مجھے اجازت دیں میں چلوں۔''

''کھانا کھائے بغیر تو تم نہیں جاسکتے۔''

''مجھے قطعی بھوک نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں تھوڑا میرا ساتھ دے دو۔'' ملک مصطفیٰ علی نے بیل بجائی۔ تھوڑی دیر بعد وہی لڑکا ادب سے اندر داخل ہوا۔

''جی ملک صاحب۔'' وہ اُن کے سامنے نگاہیں جھکا کر بولا۔

''نعمت کدے میں دستر خوان لگوادو۔''

''جی بہتر۔'' وہ لڑکا باہر نکل گیا اور ملک مصطفیٰ علی بلال حمید کی جانب متوجہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

کھاریاں کینٹ میں محمد علی کو آرمی کی جانب سے خوبصورت بنگلہ مل گیا تھا۔ کینٹ میں آرمی کالونی بہت خوبصورت تھی۔ سرسبز درختوں پودوں سے بھری ہوئی تارکول کی لمبی بل کھاتی سڑکوں کے اطراف قدرے کم چوڑی پتھریلی سڑکوں کے اطراف کئی رنگوں کے پھولوں کے درخت یہاں کی خوبصورتی میں مزید اضافے کا باعث تھے۔ چھوٹے بڑے کئی پارک تھے۔ پلے گراؤنڈ کلب سوئمنگ پول، بہت ہی دلکش ویو تھا یہاں کا۔ امل کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا مانا کے یہ بنگلوز اُس کے گھر کی نسبت بہت چھوٹے تھے۔ جس سے امل کو فرق تو نہیں پڑتا تھا لیکن اس کا دل یہاں نہیں لگ رہا تھا۔ نئی جگہ، نیا ماحول......اسے ایڈجسٹ ہونے میں تھوڑا وقت چاہیے تھا۔ امل اپنی خاص خادمہ سیماں کو اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی۔ سیماں کا شوہر جو امل کا ڈرائیور تھا وہ بھی ساتھ آ گیا تھا۔ بابا جان نے اُسے زیرو میٹر کرولا جہیز میں دی تھی۔ محمد علی صبح آفس چلے جاتے اور وہ زیادہ ٹائم سو کر گزارتی یا گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔

اُسے لاہور یاد آتا۔ وہ جہان آباد کا مراد محل مس کرتی۔ اپنی فرینڈز یاد آتیں، جن کے ساتھ مل کر وہ خوب مستیاں کیا کرتی تھی۔

اکثر بنا آہٹ چپکے سے مدثر حسین بھی اس کے خیالوں میں اُتر آتا مدثر حسین سے آخری ملاقات اسے یاد آتی تب دل کی بے قراری سوا ہو جاتی۔ اپنی دانست میں وہ سمجھ رہی تھی۔ مدثر حسین کو وہ بھول چکی ہے۔ لیکن تنہائی پاتے ہی وہ اس کے خیالوں میں آن بیٹھتا۔ امل کو بار بار وہ آخری ملاقات یاد آتی۔

امل کی شادی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ڈیٹ مقرر کر دی گئی تھی۔ ایک ہفتہ بعد اُسے جہان آباد مراد محل چلے جانا تھا۔ اس ویک اینڈ وہ سبین کے گھر چلی آئی۔ سبین نے ہی اسے مجبور کیا تھا کہ پلیز امل صرف ایک بار مدثر بھائی سے مل لو۔ وہ بہت ڈسٹرب ہیں۔ تم سے آخری بار ملنا چاہتے ہیں۔''

ایک بے کل بوجھ اس کے دل پر آن پڑا تھا۔ وہ سبین کے گھر آ گئی وہ دونوں کافی دیر سے ڈرائنگ روم میں خاموش بیٹھے تھے۔ سبین کب کی ان کے پاس سے اُٹھ گئی تھی۔ ساکن لمحے دونوں کے بیچ تماشائی بنے ان دونوں کی خاموشی پر حیران تھے۔ مدثر حسین بالوں میں اُنگلیاں پھنساتے پھر امل کی طرف دیکھتے۔ وہ انگوٹھے اور شہادت کی اُنگلی کی مدد سے کنپٹی بار بار دباتا اور امل مسلسل تختی سے بھیچے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی۔

''مدثر میری شادی ہو رہی ہے۔'' وہ بمشکل زبان تر کر کے کہہ پائی۔

''مبارک ہو۔'' وہ افسردگی میں کھلکھلا کر مسکرایا۔ اُس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''امل تم جانتی تھیں تمہاری منگنی ہو چکی ہے پھر بھی تم میری طرف بڑھیں!! آخر کیوں؟ میں اچھا خاصا اپنی زندگی میں خوش تھا۔ تب جب تم خوشبو کے جھونکے کی طرح میری ہستی کو معطر کر گئیں تو میں اور مسرور ہو گیا۔ تم جیسی لڑکی مجھ میں انٹرسٹڈ ہے، یہ خیال مجھے گہری آسودگی بخش گیا۔ تم اپنی اقدار، آباؤ اجداد کے اصولوں سے بخوبی واقف تھیں، پھر بھی تم نے ایک عام سے لڑکے کی جانب بڑھنے میں پہل کی۔ کاش میں ہی سمجھ جاتا، حالانکہ سبین نے تمہاری منگنی کے متعلق مجھے بتایا تھا، کاش تب ہی میں پیچھے ہٹ جاتا لیکن تب تک تو بہت دیر

ہو چکی تھی۔''

''مدثر میں تم سے بہت شرمندہ ہوں لیکن کیا کرتی۔ میرا خود پر اختیار نہیں تھا۔ تم مجھے اچھے لگتے تھے۔''

''ہاں غریب کا دل ایک کھلونا ہی تو ہوتا ہے، جب دل چاہا کھیل لیا، جی اُوب گیا تو پرانے سامان کی طرح پھینک دیا۔'' مدثر حسین کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ وہ بہت اُداس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کی رندھی آواز اچانک بھاری ہو کر بند ہونے لگی تھی۔ امل کے دل پر بھی اپنی محبت کے مدفن ہونے پر کم بھانبڑ نہیں جل رہے تھے۔ اس وقت اُسے اپنا وجود دہکتی آگ کی لپٹوں میں خس و خاشاک ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے تاسف بھری نگاہوں سے مدثر حسین کی جانب دیکھا۔ جان لیوا ملال دونوں کی آنکھوں میں چنگاریاں بھر گیا تھا۔ ایک کاٹ دار تلملاہٹ اس کے وجود کے آر پار کھنچتی چلی جارہی تھی۔

''مدثر خدا کو ہمارا سنجوگ منظور ہی نہیں تھا ورنہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور رونما ہو جاتا۔'' وہ تھکن بھرے لہجے میں گویا تھی۔ تب مدثر حسین کی اُداس آنکھیں جو نفیس سے سُنہری فریم کی گلاسز کے اندر سے پنک دکھائی دے رہی تھیں۔ اس دودھ جیسی چارمنگ لڑکی کا ملیح حسن اپنے اندر جذب کرتی رہیں۔ دل کے ایوانوں میں سینت سینت کر دھری سوچیں کسی بپھرے سرکش ریلے کی نذر ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں اپنے اطراف سے انجان ایک دوجے کو اپنی آنکھوں کی پتلیوں میں بھر رہے تھے۔ مدثر حسین کی ہلکی بھوری آنکھیں بارہا نم ہوئی تھیں۔ اُس کی جلتی آنکھوں میں چھالے اُگ آئے تھے۔ جذبات کے سمندر میں گم ہونے سے پہلے اُن دونوں کو لازماً خود کو بچانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ دونوں آنے والے لمحوں سے بے خبر ایک دوسرے کی ہمراہی کے مدوجزر میں بہہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ بہہ جانے والے لمحوں کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ان دونوں کے اندر تیزی سے میٹھے میٹھے انس کے ردھم نشوونما پاتے رہے اور ان دونوں نے اُن کی سرکشی کو روکنے کی کوشش ہی نہ کی۔ وہ اپنی ترنگ میں پھلتے پھولتے اپنی جڑیں مضبوطی سے زمین بوس کرتے رہے۔ اُس وقت مدثر حسین استہزائیہ مسکرایا تھا۔

''امل تب معجزہ ہوتا ناں اگر تم اپنی فیملی کے قد آور آدرشوں سے واقف نہ ہوتیں تو۔'' اس وقت دونوں متوحش کیفیات میں مدغم سے ساکت تھے۔ دشتِ وحشت کے لمحے دونوں پر اپنا تسلط جما رہے تھے۔ جبھی مدثر حسین کرب کے تیز دھار پل صراط عبور کرتا امل سے کہہ رہا تھا۔

''تم اپنی نئی زندگی شروع کرنے جارہی ہو۔ خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے۔ تم ہمیشہ خوش رہنا۔ امل کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا، ورنہ پتھر کی ہو جاؤ گی۔ میں تمہیں بھولنے کی کوشش کروں گا۔'' جانے کیوں وہ اچانک برق رفتاری سے بولا تھا۔ اسے پتا نہ چلا اس کی آنکھوں کی کوروں پر ننھے ننھے آنسو تھرتھرائے، خوانخواہ مدثر حسین کا دل مچلنے لگا کہ ان آنسوؤں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی ہتھیلیوں میں قید کرلے، ضبط کے عالم میں اُس نے سیدھی مٹھی زور سے بھینچ لی۔ آخر وہ ان مقدس آنسوؤں کو چھونے کی جرأت کیسے کرسکتا تھا۔ وہ موچی گیٹ سے لال حویلی کا سفر کیسے طے کرسکتا تھا۔ جس کی تمام عمر وہاں کے تھڑوں کے اطراف گھومتے ہوئے گزری تھی۔ مدثر حسین اس وقت سوچ رہا تھا۔ اونٹوں کے سوداگروں سے دوستی کرنے سے پہلے اپنے گھروں کے دروازے اونچے کرنے پڑتے ہیں۔ امل نے ایک غم سے چور اچٹتی نگاہ گم صم بیٹھے مدثر حسین پر ڈالی۔ وہ اب بھی گہرے سناٹوں میں غوطہ زن تھا۔

موچی گیٹ میں رہنے والے مدثر حسین تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا آنکھوں میں خواب سجانے کا۔ تم جانتے

تھے ہم دونوں کے درمیان اسٹیٹس کے پھیلے سلسلے کبھی کم نہ ہو پائیں گے۔امل تم نے جان بوجھ کر اس غریب کی اولاد پر نگاہِ التفات ڈالی۔تم نے سمجھا میں تمہاری دسترس میں ہوں۔ وہ کافی دیر سے امل کی روشن پیشانی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ میں لرزاں تھا۔اچانک بولا۔

''تمہاری اس خندہ جبیں پر میرے نام کی کوئی لکیر واضح نہیں ہے۔ساری لکیریں تو تمہارے فیانسی کے نام کی ہیں۔''

''مجھے معاف کر دو مدثر۔'' امل نے اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔اُس کے متحرک ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

''امل تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ زچ ہو کر بوجھل آواز میں بولا۔ میں تو صرف اپنے آپ میں گم ایک پڑھا کو لڑکا تھا، جس کے سامنے اس کا خالی خولی مستقبل ہمیشہ سوالیہ نشان بنا تا رہتا تھا۔ جسے میں نے روشن بنانا تھا۔اپنی ماں اور بہنوں کی دعاؤں سے لیکن تم نے میری سہل انداز میں رواں زندگی کو ڈسٹرب کر دیا۔روگی بنا دیا۔اب اس روگ کا بوجھ اٹھائے اٹھائے اپنے گھر والوں کی سپنوں بھری آنکھوں کا بوجھ فراموش کر بیٹھوں گا۔'' سفید آنسو تواتر سے امل کے چہرے پر لکیریں ڈال رہے تھے۔

''امل اب ہم دونوں نے ایک اہم کام کرنا ہے۔تم اپنے شوہر کے ساتھ خوش رہنے کی کوشش کرنا اور میں تمہیں بھلانے کی کوشش کروں گا۔بس اتنا سوچنا پلک جھپکنے جتنی دیر میں تم نے ایک خواب دیکھا تھا۔آنکھ کھلی تو خواب اندھے دروازوں میں گم ہو چکا تھا۔'' مسلسل چھلکتی نمی اُس کے گلابی عارضوں پر خراشیں ڈال رہی تھی۔

''مدثر ابھی تو ہم دونوں نے اَن کہی باتوں، اَن چھوئے جذبوں کے جزیروں میں، سبز وادیوں کی سیر کو جانا تھا۔''

''امل حقیقت میں لوٹ آؤ، اپنی آنکھوں میں جھوٹی اُمیدوں کے جگنوؤں کو مت جھانکنے دو۔'' مدثر حسین کا سچائی بھرا لہجہ امل کے دماغ پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہا تھا۔

''امل اس گم شدہ محبت کے مدفن کو کبھی اکھاڑنے کی کوشش بھی نہ کرنا، ورنہ اذیت ناکی کے سوا کچھ نہ پاؤ گی۔''

''مدثر تمہاری آواز کا اُجالا اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ جاتے جاتے کم از کم یہ تو مجھے سونپ دو۔'' وہ تلخی سے مسکرا کر ہونٹ بسورنے لگا تھا۔

''چھوٹی مالکن کھانا لگا دوں۔'' سیماں لان میں بیٹھی امل کے پاس آ کر بولی۔ وہ بے طرح سٹ پٹا کر چونکی اور خیالات کا پیالہ لڑکھڑاتا دور جا گرا اور اس میں موجود یادوں کے تمام منکے بکھر کے ایسے گم ہوئے کہ کوشش کے باوجود اسے دکھائی نہ دیے۔ وہ حال میں لوٹ آئی تھی، جہاں نہ مدثر حسین تھا، نہ اُس کا خیال بکل مارے اس کے سامنے ایستادہ تھا۔جانے وہ کب سے ایزی چیئر پر نیم دراز لیٹی پیچھے چھوڑ آنے والی سپاٹ پگڈنڈیوں پر رواں تھی۔

''چھوٹی مالکن میں کھانے کا پوچھ رہی ہوں۔ اندر لگاؤں یا ٹرالی اِدھر ہی لیتی آؤں۔ دیکھیں تو سفید دھوپ کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔'' سردیوں کی نرم گرم دھوپ بھی ایک نعمت ہوتی ہے۔اب سیماں گھاس پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ چکی تھی۔اُسے سکون محسوس ہو رہا تھا حدت بھری دھوپ میں۔

''ایسے لگتا ہے جیسے ماں اپنے نرم ہاتھوں سے مٹھیاں بھر رہی ہو۔'' شاید دھوپ سیماں کو کچھ زیادہ ہی راحت بخش گئی تھی۔اب ٹانگیں اکٹھی کرتے ہوئے اُس نے آلتی پالتی ماری تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے سیماں۔'' وہ ہاتھی دانت سے منقش لکڑی کی کرسی پر نیم دراز لیٹے لیٹے سامنے دیوار کے ساتھ لگے سنبل کے درختوں کو دیکھتی رہی۔ جو آسمان کی جانب گردن اکڑائے ہوا کے دوش سے ایک الوہی سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے۔ سبز پتوں کے جھرمٹ سے جھانکتی دھوپ بھلی معلوم ہورہی تھی۔

''چھوٹی مالکن آپ دن میں کھانا نہیں کھاتیں۔ کمزور ہوجائیں گی۔ آپ بہت سادہ رہتی ہیں۔ ابھی تو ایک مہینہ ہوا ہے آپ کی شادی کو۔ نہ بناؤ سنگھار، نہ زیور۔''

''مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔'' امل نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

مدثر حسین کو تو وہ اپنے خیال سے بھول چکی تھی۔ پھر آج تنہائی پاتے ہی وہ کیوں اس کی یادوں کو دوبارہ مہکانے اس کے روبرو آن کھڑا ہوا تھا۔ سیماں نے اپنا بچپن مراد محل میں امل کے ساتھ ہی گزارا تھا۔ وہ بچپن سے امل کے قریب تھی۔ وہ امل کے چہرے پر لکھی ہر بات با آسانی پڑھ لیتی تھی۔ امل کے بولے بنا وہ اس کی پریشانی بھانپ لیتی۔ یہی وجہ تھی جو سیماں کھل کر امل سے باتیں کرلیتی تھی۔ ورنہ گھر کے نوکروں کو ہرگز اجازت نہیں تھی کہ وہ مالکوں کے ساتھ فالتو بات کریں۔

''آپ کے لیے مالٹا کا جوس بنا کر لاؤں۔''

کل ہی محمد علی کے بھائی نے چھ پیٹیاں مالٹے اور کنو کی بھجوائی تھیں۔ اُس علاقہ کا مالٹا کنو پورے ملک میں اپنی الگ پہچان رکھتا تھا۔ وہ امل کو خاموش دیکھ کر دوبارہ بولی۔

''چھوٹی مالکن ملک صاحب تو شام کو گھر آئیں گے۔ اتنی دیر تک آپ بھوکی رہیں گی؟''

''سیماں تم میری فکر مت کیا کرو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ جب ہوگی تو کچھ کھالوں گی۔''

پہلے امل کے پاس چھنو ہوتی تھی پھر امل ہی کے کہنے پر سیماں اور اُس کے خاوند کو ماں جی نے امل کے پاس لاہور بھیج دیا تھا۔ اب چونکہ امل کی شادی ہوگئی تھی۔ سیماں کو وہ یہاں بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

☆......☆......☆

ماہین بی اے کے ایگزامز سے فارغ ہوچکی تھی۔ ملک عمار علی ماہین کو جہان آباد لے آئے تھے۔

''وہاں تم اکیلی کیا کروگی۔ پہلے تو امل ہوتی تھی اب اکیلے میں بور ہوجاؤ گی۔'' لیکن ماہین کا جہان آباد دل نہیں لگتا تھا۔ اُس نے سوچ لیا تھا ایک بہانے سے وہ لاہور میں رہ سکتی ہے کہ اگر ماسٹرز میں ایڈمیشن لے لے تو۔ وہ یہاں سارا دن بوریت کا شکار ہوتی رہتی۔ اس نے باتوں باتوں میں پھوپی ماں کے کانوں میں بھی یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ ایم اے کرنا چاہتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد سیماں امل کے لیے فریش جوس بنا لائی تھی۔ اس وقت وہ چھوٹے چھوٹے سپ بھر رہی تھی۔ لاؤنج میں رکھا اُس کا موبائل لیے بیٹ مین تیزی سے امل کی جانب آیا۔

''بیگم صاحبہ آپ کا فون ہے۔''

''شکریہ۔'' امل نے بیٹ مین کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

''ہیلو امل آپی کیا حال ہے۔''

''ہائے ماہی کیسی ہے میری جان۔'' ماہین فون پر چہک رہی تھی۔

''میں تو زبردست ہوں۔ آپ سنائیں، نئی نویلی دلہن صاحبہ۔'' ماہین کے لہجے میں شرارت بھری ہوئی تھی۔

''میں بھی بہت اچھی ہوں۔ گھر میں سب کا کیا حال ہے۔ بابا جان کیسے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ہیں۔''

''ماں جی اور لالہ کا کیا حال ہے؟''

''سب اچھے ہیں۔''

''مصطفیٰ بھائی کا تو آج صبح بھی فون آیا تھا۔ بتا رہے تھے فیکٹری میں پلانٹ وغیرہ لگ چکے ہیں، آرائشی کام بھی مکمل ہوا چاہتا ہے۔ دو ہفتے تک اُوپننگ ہوگی۔ خدا خیر کرے! اللہ برکت ڈالے اور رزقِ حلال عطا فرمائے۔'' ''آمین۔'' ماہین نے زور سے کہا۔

''آپ سنائیں جیجا جی کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔'' امل مسکرائی۔

''ٹھیک یا بہت ٹھیک؟''

''بہت ٹھیک۔'' اب کی بار امل اُس کی بات پر ہنسی، دبی دبی مسکراہٹ امل کے چہرے پر پھیلی جا رہی تھی۔

''نئی جگہ پر دل لگ گیا آپ کا؟''

''دل تو نہیں لگا، لگانا پڑے گا۔'' امل اُداسی سے بولی۔

''اُداس لگ رہی ہیں آپی؟''

''ہاں ماہی تم سب بہت شدتوں سے یاد آتے ہو۔''

''تو پھر ملنے آجائیں ہم سے۔''

''نہیں آسکتی۔''

''کیوں نہیں آسکتیں؟'' ماہین چیخ کر بولی۔

''ابھی ایک ہفتہ تو ہوا ہے یہاں آئے۔ پھر ماں جی نے بھی تو منع کیا ہے۔ مہینے سے پہلے نہ تم میکے آؤ گی نہ ہی یہاں سے کوئی آئے گا تم سے ملنے۔''

''پھوپی ماں بھی کمال کرتی ہیں۔'' ماہین بولی۔

''ماہی وہ بڑی ہیں، زیادہ بہتر سمجھتی ہیں۔''

''ہاں یہ بھی ہے۔ آپ خوش ہیں ناں۔ محمد علی بھائی آپ کا خیال رکھتے ہیں؟''

''ہاں بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔''

''ہر وقت آپ کو دیکھتے ہی رہتے ہوں گے؟''

''ہوں کچھ ایسا ہی ہے۔'' امل شرما کر بولی۔ اب وہ ماہین کو کیا بتاتی سارا دن اکیلے رہ رہ کر دل میں نئے نئے خیالات بیٹھ کر پریشان کرتے رہتے ہیں۔ جن سے چھٹکارا پانا اس کے بس میں نہیں رہتا۔

''ویسے آپی اچھا ہے آپ کو اپنے ساتھ رہنے کا اب موقع مل رہا ہے۔ محمد علی بھائی تو دن میں آفس ہوتے ہوں گے۔ اپنے ساتھ ٹائم گزارنے کا اک الگ ہی مزہ ہے۔ امل آپی کبھی کبھار بوریت تو محسوس ہوتی ہوگی؟''

''اکثر ایسا ہوتا ہے۔ تم آجاؤ نا چند روز کے لیے۔''

''پھوپی ماں نے منع جو کیا ہے اور پھر میں کیسے آسکتی ہوں۔'' ویسے پھوپی ماں ٹھیک کہتی ہیں شروع کا کچھ

عرصہ میاں بیوی کو تنہا گزارنا چاہیے۔ یہی وہ پیریڈ ہوتا ہے جب دو نئے لوگ ایک دوسرے کو انڈراسٹینڈ کر سکتے ہیں تاکہ اچھی طرح ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔''

''ماہی ہم تو بچپن سے ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں، زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی ایڈجسٹ ہونے میں۔''

''یہ بھی آپ ٹھیک فرما رہی ہیں۔ کیا کہہ کر پکارتی ہیں آپ محمد علی بھائی کو۔'' ماہین سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

''ہم دونوں تقریباً ہم عمر ہیں اس لیے تم کہتی ہوں۔''

''واہ امل آپی کتنے مزے میں ہیں آپ دونوں۔'' اچانک ماہین کی آواز میں اُداسی کی رمق تھرتھرائی۔

''اچھا لگتا ہے ناں جہاں میاں بیوی دوستوں کی طرح رہتے ہوں۔ آسانی سے اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کر لیتے ہوں۔''

''ہاں ماہی یہ تو ہے۔'' امل اچانک ماہین کی اُداسی کی وجہ سمجھ رہی تھی۔ ملک عمار ماہین سے بہت بڑے تھے دونوں کے درمیان ایک جھجک بھرا تکلف ہمیشہ حائل رہا۔ ماہین ایک بزرگ ہی تو سمجھتی تھی ملک عمار علی کو۔ اسی بزرگی کی وجہ سے تو ان دونوں کے درمیان اتنے فاصلے پیدا ہو رہے تھے اور یہ فاصلے ماہین ہی کی وجہ سے بڑھے تھے۔ اس میں کچھ ہاتھ ملک عمار علی کا بھی تھا۔ وہ ماہین کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے۔ اس کا خیال ایسے رکھتے جیسے وہ بہت چھوٹی بچی ہے۔ ملک عمار علی کی انہی باتوں سے ماہین چڑتی تھی اور پھر اُن کی شدت پسندانہ محبتوں کی بارشیں ٹوٹ کر اُسے بھگوتیں کہ ماہین کا تن من اُوب کر سسکنے لگتا۔ تب اُن کا جارحانہ انداز۔ ماہین کی بیزاری میں بے حساب اضافہ کر دیتا۔ ان پلوں میں ماہین کا دل چاہتا وہ پلک جھپکتے میں ملک عمار علی سے اتنی دور چلی جائے کہ وہ اسے چھو نہ سکیں۔ ایسی چاہتوں سے وہ سخت اضطراب میں مبتلا تھی۔ اُسے گھٹن محسوس ہوتی لیکن وہ آزادی نہ پا سکتی تھی۔ اُسے اسی قفس میں رہنا تھا۔ کب تک؟ یہ اُسے معلوم نہیں تھا۔

گھور اندھیری راتوں میں کسی بیراگن کی صورت ماہین کا ساکت وجامد جسم ضرور ملک عمار علی کی پناہوں میں ہوتا لیکن اس کا دل کاشان احمد کی یادوں کو گلے لگائے رہتا۔ کاشان احمد کا پرتو اُسے قہر بھری ساعتوں سے نکال لاتا۔ تب وہ یوں طمانیت میں آ جاتی۔ جیسے پھولوں کی پتیوں کی کرم بھری بارش اس کے نڈھال اعضا کو معطر و کافوری بنا گئی ہوں۔ وہ پُرکیف مستی میں کھو جاتی۔ کاشان احمد کا خیال اس کی روح میں اٹکا ایسا ستارہ تھا جو اس کے ویران دل کے در و بام کو اپنی صندلی روشنی کی مہکاریں عطا کر جاتا۔ وہ چاہتی کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ ملک عمار علی بس اس سے دور رہیں اور وہ کاشان احمد کے لافانی پیار کی خوشبو اوڑھے اُس کے احساس کے ساتھ دور بہت دور نخلستان کی لامحدود سیرگاہوں کی سمت نکل جائے، جہاں صرف کاشان احمد ہو، ماہین ہو۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سُنہری چوٹیوں پر زمرد جیسی سبز زمین پر ننگے پاؤں چلتے رہیں۔ اتنی دور پہنچ جائیں جہاں اُفق اور اُن کے درمیان فاصلہ نہ رہے۔ تمام فاصلے ناپید ہوتے اپنی نیند سو جائیں۔ کوئی ان کے درمیان مخل نہ ہو۔ بار بار کاشان احمد کی یادوں کی آہٹ ماہین کے دل میں پرت در پرت اُترتی چلی جاتی۔ کبھی کسی نے ایسی محبت نہ کی ہوگی جیسی اسے کاشان احمد سے ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

جہان آباد آئے ماہین کو دو ماہ ہو چکے تھے۔ یہاں کی مست رو، یکسانیت بھری زندگی سے وہ بے طرح عاجز

آ چکی تھی۔ تمام دن وہ بور ہوتی یا ملک عمار علی کی پاگل پن کی حدوں تک پہنچی شدت پسندانہ محبتوں کا قرض اُتارتی خود کو جبر کے حکمات میں بند کیے رہتی۔

مہر النساء نے کئی ڈاکٹرز سے ماہین کا چیک اپ کرایا تھا۔ ہر بار رپورٹس صحیح آئیں۔ ملک عمار علی نے بھی اپنے کئی ٹیسٹ کرائے تھے۔ دونوں ہی ٹھیک تھے پھر کوئی دوا اثر کیوں نہیں کر رہی تھی۔ مہر النساء نے اب چپ سادھ لی تھی کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ماہین کنسیو نہ کرنے کی میڈیسن باقاعدگی سے کھاتی ہے۔ وہ اکثر خود سے کہتی میں کبھی بھی ملک عمار علی کا بچہ پیدا نہیں کروں گی۔ بے شک وہ دوسری شادی کرلیں۔ کبھی تو ماہین کا دل چاہتا کہے کہ پھوپی ماں بے شک آپ اپنے بیٹے کی دوسری شادی کر دیں۔

ماہین کا بی ایس سی کا رزلٹ آ چکا تھا اس نے بہت اچھے نمبر حاصل کیے تھے۔ اس دو ماہ کے دوران وہ یہاں پر خاصی ڈسٹرب رہی تھی۔ یہاں کا لائف اسٹائل ایک مخصوص روٹین کے مطابق صبح سے شام تک چلتا تھا۔ یہاں دن موذن کی اذان کے ساتھ جاگ جاتا تھا اور رات مغرب کی اذان کے فوراً بعد سرمئی دھندلکوں کے کندھوں پر جھکی اونگھنے لگتی۔

اس روز ماہین نے ملک عمار علی سے کہہ دیا تھا کہ مجھے ماسٹرز کرنا ہے۔ آپ میرا ایڈمیشن کرادیں۔''

''ماہی یار تمہاری خواہش پر میں نے تمہیں گریجویشن تو کرادیا ہے اب اور پڑھ کر کیا کرو گی۔ ماسٹرز کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کون سا تم نے نوکریاں کرنی ہیں۔''

''میں نے کہا ناں مجھے آگے پڑھنا ہے، بس آپ میرا ایڈمیشن کرادیں۔'' یہ اُن کی تمام باتوں کا اُس نے اپنی دانست میں ہٹ دھرمی بھرا جواب دیا تھا۔ جو حتمی تھا۔

''آخر میں کب تک یہاں پڑی رہوں گی۔ میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے۔''

''تم اور نہیں پڑھ سکتیں۔ اب گھر داری سنبھالو۔ بڑی بہو ہونے کی حیثیت سے حویلی کے اندرونی انتظامات سنبھالنا تمہاری ذمے داری ہیں۔ حویلی کی چابیاں ماں جی تمہیں سونپنا چاہتی ہیں۔ اب اُن کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ وہ حویلی کے اندرونی امور کا پہلے کی طرح خیال رکھ سکیں۔''

''اگر پھوپی ماں یہ ذمے داری نہیں سہار سکتیں تو آپ اپنے پاس رکھیں چابیاں۔ عمار مجھے ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں ہے، نہ ہی مجھے یہاں کے اصولوں کا کچھ علم ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''کچھ سیکھو گی یا جاننے کی کوشش کرو گی تو تمہیں یہاں کے طور طریقوں کا علم ہوگا۔''

عمار مجھے یہاں کی کلو بھر وزنی چابیاں یا یہاں کی گرہستی کے لمبے چوڑے سلسلوں میں ہرگز انٹرسٹ نہیں ہے اور آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ مجھے اس ذمہ دارانہ ماحول سے دور ہی رکھیں۔ آج لنگر خانے میں پچاس لوگوں کا کھانا پکنا ہے تو کل بیس لوگوں کا۔ آج سعودیہ سے مہمان آ رہے ہیں تو آج انگلینڈ سے۔ ایسے دردِ سر میں نہیں پال سکتی۔ یہاں تو شکاری کتوں کے لیے بیس بیس دیسی گھی کی روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔ سوری میں ایسی ذمے داریاں نہیں لے سکتی۔'' اس وقت ماہین کا لہجہ بے پناہ ترش اور کسیلا تھا۔

''ماہین تمہیں تمیز نہیں ہے شوہر سے بات کرنے کی۔''

''بالکل تمیز ہے مجھے لیکن میری بساط کے برابر مجھ پر بوجھ ڈالیں۔ آپ کا انداز ہمیشہ تحکمانہ ہی رہا ملک عمار علی۔ آپ تو آج تک یہ فرق ہی نہیں کر پائے کہ میں آپ کی ریاست نہیں آپ کی بیوی ہوں۔ شاید ہمیشہ آپ

نے مجھے اپنی زرخرید ریاست ہی سمجھا۔ جیسا آپ نے چاہا ویسا ہوا، کبھی آپ نے مجھ سے میری مرضی پوچھی، میری فیلنگز کا خیال کیا...... جو آپ نے چاہا بس وہی کیا۔ آپ کے سامنے کسی اور کی مرضی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس صرف اور صرف آپ کی سنی جائے، آپ کی مانی جائے۔ آپ کی مرضی کے سامنے کوئی نہ بولے۔ اختلاف کرنے کی کسی میں جرأت نہ ہو۔ بس جو آپ نے کہہ دیا وہی آخری ہے۔ ملک عمار علی آپ دوسروں کو اگنور کرکے اُن کی نفی کرتے ہیں۔ ہرٹ کرکے آپ کو طمانیت میسر آجاتی ہے۔ اب یہ سب نہیں چلے گا۔ میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہوسکتی ہوں۔ اگر آپ مجھے جبر میں رکھیں گے تو ایسا اب ممکن نہیں ہے۔ صرف آپ کی وجہ سے میرا مستقبل تباہ ہوا۔ میرے خواب ادھورے رہ گئے۔ میری زندگی کے قیمتی ماہ و سال میری زندگی سے نکل گئے۔'' اس وقت ماہین بنا توقف کیے بولے چلی جارہی تھی اور وہ خاموش بیٹھے اس کی زبان سے نکلتے ان انگاروں جیسے لفظوں کو اپنے کانوں میں انڈیل رہے تھے۔

''اب آپ مجھ پر زبردستی نہیں کرسکتے۔''

''ماہین خاموش ہوجاؤ۔'' وہ اونچی آواز میں دھاڑے، اس تین سالہ ازدواجی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ جو ملک عمار علی ایسے کرخت لہجے میں بولے تھے۔

''عمار آج میں خاموش نہیں رہ سکتی ہوں۔ آپ نے میری زندگی کا تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔ زندگی میری ہے اور گزر آپ کی مرضی سے رہی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کو جو پسند ہے وہی مجھے ہر صورت پسند کرنا ہے، جو آپ کو پسند نہیں اُس سے مجھے گریز کرنا ہے۔ کیوں بھئی کیا میری اپنی کوئی مرضی، کوئی خواہش نہیں ہے کہ ہر لمحہ میں آپ کی مرضی، آپ کی خواہشوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے، اپنی ذات کی نفی کرتی رہوں۔ اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ مجھے آگے نہیں پڑھنے دیں گے تو میں امریکہ چلی جاؤں گی ممی ڈیڈی کے پاس۔'' آج وہ تمام پاسداریاں و لحاظ بھلا چکی تھی۔

''ماہین میں تمہارا شوہر ہوں۔ تم کس لہجے میں بات کررہی ہو۔''

''میں بھی جانتی ہوں آپ میرے مجازی خدا ہیں۔ اسی حد میں رہیں بیکار میں نعوذ باللہ خدا بننے کی کوشش نہ کریں۔ عمار علی اتنی بے دین میں بھی نہیں ہوں۔ مجھے علم ہے شوہر کے سامنے اُف تک نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن شوہر بھی تو بیوی کے حقوق کا خیال رکھے۔ بیوی انسان ہوتی ہے جانور نہیں۔'' اس کا دل چاہا کہہ دے کہ جب آپ میرے قریب ہوتے ہیں تو جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں مجھ سے۔ یہ سب آپ کی شدت پسندانہ محبتیں نہیں ہیں۔ آپ کے اندر خواہشِ نفس اور وحشیانہ پن ہے۔ جس سے محبت ہوتی ہے۔ اُسے اپنی روح کے قریب سینت سینت کر، بہت احتیاط سے رکھتے ہیں۔ لیکن......'' بولتے بولتے اب وہ خاموش ہوچکی تھی۔ تیز بولنے سے ماہین کی سانسیں پھول چکی تھیں۔ جنہیں اب وہ اعتدال پر لا پائی تھی۔

''ماہین تم آگے نہیں پڑھ سکتیں گھر سنبھالو اور بچے پیدا کرو۔'' اُن کا سپاٹ لہجہ حتمی تھا۔

''ملک عمار علی تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو بتایا ہے میں انسان ہوں کوئی مشین نہیں جس کا کنٹرول آپ کے ہاتھ میں رہے۔ آپ ہمیشہ سے میری زندگی کے کینوس پر اپنی پسند کے رنگ بھرتے رہے ہیں۔

(عشق کی راہداریوں میں، زندگی کی سچ بیانیوں کی چشم کشائی کرتے اس خوبصورت ناول کی اگلی قسط، انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

ایم اے راحت کے قلم سے تخلیق پانے والا ایک لافانی سلسلہ

ہم شکل

ایک نوجوان کی سرگزشت، جسے بچپن کی ایک بات یاد تھی
جب اُس کی دادی اماں نے کہا تھا۔
"اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر انسان کے سات ہم شکل بنائے ہیں......"
"کہاں ہیں وہ......؟"
"لو...... یہ تو اللہ ہی جانے بیٹا۔"
"ٹھیک ہے...... میں انہیں تلاش کروں گا۔"
کیا یہ روایت دُرست ہے؟
اسی روایت کی کھوج میں نکلے اُس نوجوان کی کتھا......
جب ایک ڈاکٹر نے اُس کے جذبۂ جستجو کو ہوا دی
ڈاکٹر نے کہا
"تمہیں برین کینسر ہے...... تمہاری عمر مختصر ہے......"
"نہیں ڈاکٹر...... مجھے کینسر نہیں ہے...... اور اگر ہے تو بھی میں نہیں مروں گا...... میں بہت لمبی عمر جیوں گا......"
موت سے پنجہ کش ایک سرکش نوجوان کی ناقابلِ فراموش داستان
کیا اُسے ساتوں ہم شکل ملے؟
کیا اُس نے موت سے جنگ کی؟
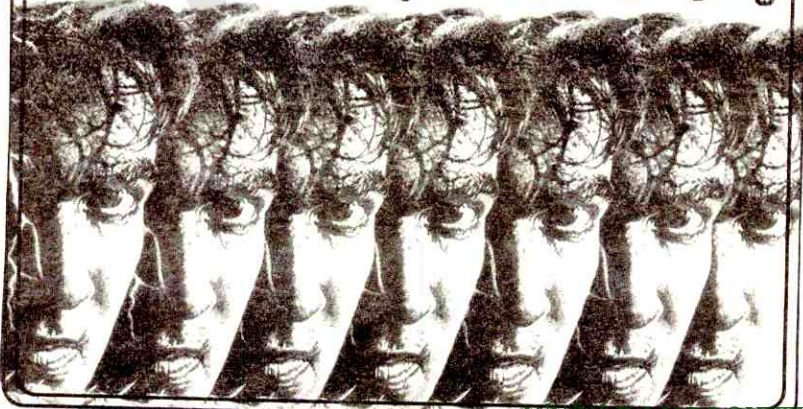
تجسیم سے تقسیم تک

مرد دنوں ہفتوں گھر سے دور رہے تو بیوی کو فکر ہونا چاہیے۔ انہوں نے تو ڈور کاٹ کر پتنگ اُڑا دی تھی۔ اور کٹی پتنگ جو مرضی لُوٹ لے۔ میں چار گھنٹے لیٹ آؤں تو "گُل غشی" میری جان کو آ جاتی ہے۔ چار گھنٹے کا Viva دینا پڑتا ہے۔ ہمارے باپ نے دس سال......

سوچ کے در وا کرتا، ایک لازوال افسانہ

چاروں بھائی بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے ان کا استغراق، رعب وجلال دیکھ کر یوں گمان ہوتا تھا گویا کوئی قدیم قبائلی جرگہ کسی نازک اور حساس نوعیت کے معاملے پر فیصلے سے پہلے کے عظیم تفکر سے نبرد آزما ہو۔ دل اور عقل کی کشمکش اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہی ہو۔ یا یہ کہ شیکسپیئر کا کھیل کلائمکس پر پہنچ کر کمزور دل حاضرین کی زندگیوں سے کھیل رہا ہوں۔ ایک غیر متوقع انجام کے انتظار میں سانسیں بار بار راستہ بھول رہی ہوں۔

چاروں بھائیوں کے سامنے پانچواں دس سالہ بھائی تبصیر یوں ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا جیسے نوشیرواں کے دربار میں انصاف کی قوی اور مستحکم اُمید نے چاروں اور اَن دیکھے گلاب مہکا دیے ہو۔ بے گناہ کسی خلجان وفشار سے آشنا ہی نہ ہو۔

چاروں بھائی غور وفکر کے عمل سے گزرتے ہوئے ایک نگاہِ غلط اپنے اس ننھے بھائی پر ڈالنا نہیں بھولتے تھے جو درحقیقت ان کے زور آور، بااختیار، غنی اور صاحبِ دل باپ کا عظیم الشان تحفہ تھا۔ وہ مرحوم باپ جو ترکے میں بے بہا دولت کے ساتھ ساتھ ایک عدد بھائی بھی عنایت کر گیا تھا۔

چند روز قبل جو اپنے قدموں پر مستحکم چلتا تھا۔ جس کے تنے ہوئے گھنے کمان ابرو اس کے صاحبِ ثروت ہونے کا اعلان کرتے محسوس ہوتے تھے۔ جو لفظ 'میں' پر زور لگاتے ہوئے ساری توانائیاں صرف کر دینے کے درپے ہو جایا کرتا تھا۔

اچانک اس 'میں' پر قادرِ مطلق کا 'میں' غالب آ گیا۔ خان امیر خان نے رات کا کھانا کھاتے ہوئے اچانک دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

شیطان اپنے سارے وسواس سمیت پرے ہو گیا۔ نقارۂ اجل سُنتے ہی اُس نے دوکان بڑھالی، اب بھلا اس کا کیا کام تھا۔ کام تمام ہوا تو اس کا کام بھی ختم ہوا۔

ستائیس سالہ ژالے کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کی کوکھ سے ہیرا چرا کر منہ موڑ کر جانے

والا ستر سالہ امیر خان دنیا ہی سے منہ موڑ کر جا چکا ہے۔

''ستائیس سالہ جوانی تو ابھی اپنے لٹ جانے کا ماتم کر رہی تھی۔ جرم تھا تو بس اتنا کہ بیوی کو نامحرموں سے چھپاتے ہیں۔ خاندان سے تو نہیں چھپاتے اور تمہارے جیسے جری و خود مختار تو داشتہ بھی اعلانیہ رکھتے ہیں۔''

کسی نازک لمحے میں زبان پھسل گئی تھی۔ طبع شاہانہ کو اتنی ناگوار گزری کہ لمحوں میں فیصلہ ہو گیا۔

''وارث باپ کے گھر سے لائی تھی؟ داشتہ سے بچے پیدا نہیں کرتے۔ بچے بیوی پیدا کرتی ہے۔ چار شادی شدہ بیٹوں کے سامنے ایک دم لے جا کر کھڑا کر دوں؟ صبر نہیں ہوتا تجھ سے۔ چار دیواری، دولت، اولاد سب کچھ ہے۔ خاندان تو تیرا بیٹا بھی بنا سکتا ہے۔ برتھ سرٹیفکیٹ پر باپ کا نام خان امیر خان لکھوایا ہے۔ پورا خاندان چھاپ دیا ہے۔ حرامی نہیں کہلوایا۔'' جائز حق کو بے صبری کی گالی دے کر اپنا بیٹا لے کر چلتا بنا۔ وہ کھڑی منہ دیکھتی رہ گئی۔

یوں جیسے گہری نیند میں سیلاب نے آ لیا ہو اور وہ جاگ کر بہتے پانی میں اپنی متاع ڈوبتی دیکھ رہی ہو۔

''امیر خان نے چاروں شادی شدہ بیٹوں، سالار خان، زوار خان، دلدار خان اور شان دار خان کے روبرو اپنے پانچویں بیٹے کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ جسے میرے پانچویں بیٹے پر اعتراض ہو اسے میری وراثت پر بھی اعتراض ہونا چاہیے۔ جسے بھائی بوجھ لگے وہ وراثت بھی بوجھ کی طرح اُتار پھینکے۔ میرے گناہ ثواب کی وراثت قبول ہے تو جاگیر کی وراثت کا بھی مطالبہ کرو ورنہ ایک ایک رسی، کلہاڑی لے کر جنگل کی طرف نکل جاؤ اور اپنے اپنے بیوی بچوں کی روٹی روزی کا بندوبست کرو۔''

چاروں بیٹوں کو یوں لگا جیسے حشر کے میدان میں دربارِ خداوندی لگا ہو اور فیصلے پر فیصلے آ رہے ہوں۔

ستاروں کی طرح لاشمار انسان یوں بیٹھے ہوں جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

خان امیر خان کی بے حساب دولت سے ہاتھ دھونا ایسے ہی تھا جیسے وہ تن کے کپڑوں سے بھی محروم ہو گئے ہوں۔

چاروں نے اِسے اپنی ماں پر ظلم و بیداد سے تعبیر کیا مگر باپ کے سامنے زبان نہ کھولی۔ بوڑھی، خدمت گزار، شوہر کی زندگی میں مرجانے کی خواہش رکھنے والی ماں، جانے کس گھڑی خالی ہاتھ ہو گئی۔ شاید اُس کے فرشتوں کو کچھ خبر ہو گی۔

بھائیوں نے کڑے تیور سے ظلم کی اس نشانی کو پرکھا، تولا...... خاموشی اور مصلحت کی چادر اوڑھ کر طوعاً کرہاً باپ کی تجہیز و تکفین کی۔

ان کی انا نے گوارا نہ کیا کہ خاندان کے سامنے اپنے اس زبردستی کے شراکت دار کو متعارف کرائیں۔ کچھ سجھائی نہ دیا تو سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اس تحفے کا کیا کریں؟ بیوگی کے صدمے سے نڈھال ماں کو اس وقت کیسے یہ خبر سنائیں کہ تیری عمر بھر کی وفاداریوں کا صلہ مل چکا ہے۔ جانے والے کو رو کر اپنے نصیب کو بھی رو لینا۔

''میرا خیال ہے۔'' گھمبیر خاموشی کی فلک بوس دیوار میں سالار کی آواز نے بہرحال شگاف ڈال دیا۔ باقی تینوں اس کا خیال سننے کے لیے مستعد ہو گئے۔ ''ہم چار بھائی باپ کے ترکے میں برابر کے حصے دار ہیں۔ اس لیے باپ کی چھوڑی ہوئی ہر ذمے داری میں بھی برابر کا حصہ ہونا چاہیے۔'' اتنا کہہ کر وہ رُکا اور بڑی نپی تلی نگاہ سے تبصیر کا جائزہ لیا۔

''آگے بولو۔'' زوار خان کو یہ لمحاتی خاموشی اتنی بوجھل لگی جیسے بوڑھے کاندھے پر جوان جنازے کا

بوجھ۔

''یہ تین تین مہینے ہم چاروں کے گھر رہے گا۔''
نوشیرواں کی عدالت میں انصاف کا بول بالا ہوگیا۔
فیصلہ سن کر باقی تینوں بغلیں جھانکنے لگے۔ اپنی اپنی بیویوں کے متوقع ردِعمل کے پیشِ نظر کسی نے بھی فیصلے کی تائید وتوثیق کی جرأت نہیں کی۔

''لالہ! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اسے کسی اچھے ہاسٹل میں ڈال دو۔ اس کی ماں کا پتا کرو لالہ! یہ درخت سے ٹوٹ کر نہیں گرا۔ جس عورت کی فکر ہمارے باپ نے نہیں کی، اُس کی فکریں ہم کیوں کریں؟'' سالار نے شاندار کی بات کو بہت بے تکا جان کر قدرے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

دس سالہ تبصیر ماں کے ذکر پر جیسے تڑپ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

''مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔''

''ممی بولتا ہے۔'' سالار نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ بھائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کسی 'آنٹی' کی نام نہاد بیٹی ہوگی۔ کسی بیورو کریٹ پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے 'آنٹی' نے بیٹی کو کیمبرج پڑھایا ہوگا۔ اتفاق سے ہمارے مرحوم باپ کے ہتھے چڑھ گئی۔''

تبصیر اپنے آنسو گلے میں اُتارتے ہوئے بڑی معصومیت سے بھائیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے گمان بھی نہ گزرا کے اس کی ماں کی تواضع گالیوں سے ہورہی ہے۔

''بیٹھ جاؤ......اور یہ بتاؤ تمہاری ماں کہاں رہتی ہے؟'' زوار نے قدرے نرم لہجے میں کلام کیا۔

''وہ نانا کے گھر میں رہتی ہیں۔'' تبصیر کے گلے میں پھندے لگ رہے تھے۔ اٹک اٹک کر بولا۔ چھ فٹ سے اونچے، گھنی تلوار مار کہ موچھوں والے بھائی اسے وہی 'اللہ بابا' دکھائی دے رہے تھے جس کا ڈراوا دے کر ماں اسے سُلانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

''بڑا بے غیرت نانا ہے۔ نواسے سے محروم ہوگیا اور ایف آئی آر بھی نہیں کٹوائی۔'' شاندار نے اپنی موچھوں کی نوکیں سنوارتے ہوئے ہرزہ سرائی کی۔

''باپ نے اپنا بیٹا نکموں کے چنگل سے چھڑایا۔ کسی کے باپ میں اتنی ہمت تھی کہ امیر خان کا پرچا کٹواتا؟''

برادرانِ یوسف میں بھی بڑا، عقل و ہوش کی باتیں کرنے کی جرأت کرلیتا تھا۔ یہاں بھی یہی معاملہ تھا۔

''یہ ہمارا بھائی ہے اور یہ شہادت ہمارے مرحوم باپ کی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی شک و بحث کی گنجائش نہیں رہتی۔'' سالار خان نے پُراعتماد و مستحکم لہجے میں بات کی۔

''مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔'' تبصیر پھر کھڑا ہوکر بے قرار لہجے میں گویا ہوا۔

''ممی کسی قابل ہوتی تو بابا تمہیں یہاں کیوں لے کر آتے؟ تم نے بابا سے کیوں نہیں بولا کہ مجھے اپنی ممی کے پاس رہنا ہے۔'' دلدار خان اب اپنی خاموشی سے خود ہی بیزار ہوکر جیسے پھٹ پڑا تھا۔

''بابا نے ممی کو بہت مارا تھا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔'' تبصیر کی آنکھوں سے اب بڑے تسلسل سے آنسو بہہ نکلے۔

''ہوں......خاوند سے پٹنے والی عورت، سالی دو نمبر۔''

شاندار نے حقارت سے تبصیر کو سر سے پاؤں تک ناپا تولا۔ اسے معصوم چہرے پر بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر بھی چنداں ترس نہ آیا۔

''گالی مت دو۔ باپ نے اُس عورت سے نکاح کیا تھا۔ تو اِس کو بیٹا مانا ہے۔ اور یہ کہہ کر دنیا

سے گیا ہے کہ یہ اس کا اپنا بیٹا ہے، ہمارا خون ہے۔ اور ہم لوگ خون بچانے کی خاطر خون بہاتے بھی ہیں۔ ایک بستہ ساتھ لایا ہے۔ اس میں اس کا برتھ سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے اور ایک بند لفافہ بھی، جس پر لکھا ہے کہ اسے میرے مرنے کے بعد کھولا جائے۔''

سالار نے انکشاف کیا تھا یا جاگی میں ایٹمی دھماکہ، تینوں کی توجہ تبصیر سے یکسر ہٹ گئی۔ اپنی بے رحم اور دولت کی مستی میں چُور آنکھیں سالار کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''ہم سے بھی راز پرہیز ہوتا ہے لالہ؟'' شاندار نے دل شکستگی کے ساتھ گلہ کیا۔

''ابھی تو گھر مہمانوں سے خالی ہوا ہے۔ اب مل کر بیٹھے ہیں تو ہر بات ہوگی۔ بابا کی سانس اُکھڑ رہی تھی، میں ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا۔ بس آخری بات یہی کی کہ میرے بریف کیس میں کچھ خاص پیپرز ہیں۔ وہ دیکھ لینا۔''

''ارے کہیں جاگیر اس آسمانی بلا کے نام تو نہیں لکھ گئے؟'' شاندار خان بلبلا اُٹھا۔ شیطان کو اپنا مہلک ہتھیار استعمال کرنے کا شاندار موقع نصیب ہوا تھا۔

شک یقین کی قوت حاصل کرلے تو ایٹمی قوت بن جاتا ہے سالار کو چھوڑ کر باقی دو کے چہروں پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''کہاں ہے وہ بریف کیس؟ جلدی سے لفافہ کھولو۔ لفافہ کھلنے تک تو جیسے اب کھانا پینا، سونا حرام ہے۔'' دلدار ابھی تک بہترین سامع ثابت ہوا تھا مگر اب اس پر ایسی عجلت سوار ہوگئی تھی گویا وہ چار قدم کے فاصلے پر اپنی ٹرین کو روانہ ہوتے دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا ہو۔

تبصیر نے اپنے آنسوؤں کا ماحاصل اتنی شقاوت و بے رحمی کی صورت پایا تو آنسو خود بخود تھم گئے۔

بریف کیس، لفافہ، بابا، جلدی...... یہ چار لفظ گول گول چکر کھانے لگے۔ معصومیت ورطۂ حیرت میں غوطے لگانے لگی۔ ٹکر ٹکر دنیا پرستوں کی صورت تکنے لگا۔

''آرام سے...... باپ سے اتنی بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اس غریب کا حصہ ڈالا ہوگا۔ ہمارا حصہ تو اسے نہیں دے سکتے تھے۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو اسے ہمارے بیچ چھوڑ کر نہ جاتے۔'' سالار خان نے چھوٹے بھائی کی کم عقلی کا تقریباً ماتم کر ڈالا، وہ خود بے حد پُرسکون تھا۔

''مگر پھر بھی پتا تو چلنا چاہیے کہ آخر اس لفافے میں ہے کیا؟'' دلدار خان نے اپنی عجلت کو تلخی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی۔ اسے سالار کا سکون شدید گراں گزر رہا تھا۔

''ایک منٹ! میں لے کر آتا ہوں، ورنہ تم لوگ اب مجھے کوئی دوسری بات نہیں کرنے دو گے۔'' سالار خان اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں...... مم...... میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' تبصیر کی کمزور سی آواز میں مختلف اندیشوں کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اسے چاروں بھائیوں میں گویا وہی اپنا خیر خواہ محسوس ہو رہا تھا۔ پہلی ملاقات سے لے کر اب تک وہی اسے اپنا اپنا سا لگا تھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا، تم آرام سے بیٹھو۔ میں دو منٹ میں آیا۔'' سالار خان نے من و سلویٰ کی طرح اُترنے والے پانچویں چھوٹے بھائی کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے تسلی دی۔

وہ جانشین تھا، ذمہ دار تھا۔ خاندان اور خون کی اہمیت کو سمجھتا تھا۔ اس کی بیوی دو بیٹیاں پیدا کرنے

کے بعد مزید اولاد پیدا کرنے کے لیے نااہل ہو چکی تھی۔ میجر آپریشن سے پہلے وہ اس کی فرمائشوں پر اُسے مختلف مزاروں، پیروں، فقیروں کے آستانوں پر بھی لے کر گیا۔ اور وہاں اولاد کے لیے خاک چھاننے، تڑپنے والے وہ نیم پاگل لوگ دیکھے کہ وہ اپنی پیدائشی عشرتیں بھول کر خاصا خوفزدہ ہو گیا کہ آنے والے دنوں میں کہیں وہ خود بھی اس حال کو نہ پہنچے۔

''اے لڑکے! بیٹھو آرام سے۔ یہ بار بار ایک ہی راگنی سنانے کی ضرورت نہیں۔'' زوار خان کی گہری خاموشی کی وجہ شدید قسم کا ذہنی دباؤ تھا جس نے اس کی قوتِ گویائی کو حالتِ ضعف میں پہنچا دیا تھا پھر بھی اس نے معصوم جان کو ڈپٹ کر اپنا Stress شفٹ کیا۔

سالار خان لفافہ لینے اپنے بیڈروم کی طرف چل پڑا تھا۔ بھائی کی غراہٹ محسوس کر کے تبصیر دبک کر بیٹھ گیا تھا۔

''اس کو یہاں مونالیزا کی پینٹنگ کی طرح کیوں سجایا ہوا ہے۔ بے جی کے پاس چھوڑ دو۔'' دل دار خان کو تبصیر کی بار بار مداخلت کوئی معاندانہ کارروائی محسوس ہو رہی تھی۔

''بے جی صدمے سے چُور ہیں۔ اور یہ بلاسٹ ہے۔ کچھ ہوش کی دوا کرو دلدار خان۔'' شاندار نے ماں سے الفت کا بے ساختہ اظہار کیا تھا۔

''یہ سب انہی کی وجہ سے ہے۔ مرد دنوں ہفتوں گھر سے دور رہے تو بیوی کو فکر ہونا چاہیے۔ انہوں نے تو ڈور کاٹ کر پتنگ اُڑا دی تھی۔ اور کٹی پتنگ جو مرضی لُوٹ لے۔ میں چار گھنٹے لیٹ آؤں تو ''گل غنچئی'' میری جان کو آ جاتی ہے۔ چار گھنٹے کا Viva دینا پڑتا ہے۔ ہمارے باپ نے دس سال کا بیٹا پال پوس کر ماں کو گفٹ کر دیا۔ وہ آج بھی بے خبر ہے۔'' دل دار خان پورے کا پورا لفافے میں گھسا

ہوا تھا۔ بری طرح پھٹ پڑا اور سارا غصہ اپنی سیدھی سادھی دیہاتی ماں پر انڈیل دیا۔

''بس...... ماں کو کچھ نہ بولنا۔ خبردار! تیرے منہ میں تیری بیوی کی زبان لگ گئی ہے۔'' سات سال بڑے زوار خان نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی۔

''آج تُو گل غنچئی سے چھپ کر دوسرا نکاح

کر لے تو کیا اُسے خبر ہوگی؟ اور اگر خبر بھی ہو جائے تو وہ تیرا کیا بگاڑ لے گی؟''

اس سے قبل بحث مختلف مراحل میں داخل ہوتی، تبصیر کا خوف سے کانپتا دل مزید تیز دھڑکتا، سالار خان باپ کا بریف کیس لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

تبصیر کی جان میں جان آئی، باقی تینوں کی روح فنا ہونے لگی۔ گویا خلائی شٹل عین ان کے سروں پر گرنے والی ہو۔

سالار خان نے ایک نظر تبصیر پر ڈال کر بریف کیس کے نمبر سیٹ کیے اور بریف کیس کھول دیا۔

''یہ بابا کا بریف کیس ہے؟'' شاندار خان کی بڑی بڑی آنکھوں میں بڑا خوفناک سا شک تھا۔

''ہاں۔'' سالار خان مختلف کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''تمہیں اس کا لاک کھولنے کا نمبر بابا نے بتایا؟'' شاندار خان کے دماغ میں بچھو اپنی آل اولاد، اپنے اگلوں پچھلوں کے ساتھ سرسرانے لگے۔ رُوح مسموم ہونے لگی۔

''ہاں! جب انہوں نے لفافے کی بات کی تھی اس دن بتایا تھا۔ ان کی حالت ہی ایسی ہو رہی تھی کہ راز بوجھ بن رہے تھے۔'' سالار خان شاندار خان کی کیفیت سے یکسر بے خبر لفافہ نکال کر اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اب تبصیر بھی لفافے کی طرف یوں دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جیسے اس میں سے اس کی پیاری ماں برآمد ہونے والی ہو۔ کیونکہ اب سارے بھائی اس کا پیچھا چھوڑ کر لفافے کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور تبصیر کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔

بے چینیاں بامِ عروج کو چھو رہی تھیں۔ ذہنی، روحانی ارتکاز اس مقامِ منتہیٰ پر تھا جہاں ازل ابد کی بحث بے معنی ہو جاتی ہے۔ یوں...... گویا کسی تین دن کے فاقہ کش کو بعد تلاش بسیار روٹی ملے تو وہ بادشاہ کو سلام کرنا بھی پسند نہ کرے اور پیٹ کا جہنم ٹھنڈا کرنے میں لگا رہے۔

سالار نے لفافہ کھول کر ایک خوبصورت کڑک اور چکنا سفید تہہ شدہ کاغذ نکالا اور بھائیوں کے سامنے لہرا کر کھولنے لگا۔

''الستُ بربکم'' کی پہلی صدا سے پہلے کی ہولناک خاموشی طاری ہوگئی۔ تبصیر کی معصومیت نے اس ہولناکی کا کماحقہ ادراک کیا۔ دہشت زدہ ہو کر بلبلایا۔

''مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔''

اگرچہ یہ بھی صدائے فطرت تھی، مگر اس وقت سماعتیں بہری تھیں۔

''بابا نے ہم چاروں کے نام یہ وصیت یا خط لکھا ہے۔'' سالار خان نے تبصیر کے علاوہ بنظر غائر تینوں کا جائزہ لیا۔

''پڑھ کے ایک طرف کرو یار۔ کیا پھندا گلے میں ڈال کر لیور کا پلگ نکال کر بھول گئے ہو۔'' دلدار خان بُری طرح اُلٹ پڑا۔

''کوئی لمبا چوڑا خط نہیں ہے، بس یہ لکھا ہے کہ تبصیر تم چاروں بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہیے۔ سوئس اکاؤنٹ میں، ڈالرز، پونڈز، یورو، دینار پڑے ہیں اور وہ اس وقت تک پڑے رہیں گے جب تک تبصیر بالغ نہیں ہو جاتا۔ وہ میرے پانچ بیٹوں کی ملکیت ہیں۔ پانچوں کا برابر برابر حصہ ہے۔ اگر تبصیر کو خدانخواستہ کچھ ہوتا ہے تو یہ دولت ٹرسٹ میں جائے گی۔ باقی چاروں کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ زمینوں میں وہ میرے وارث ہوں گے۔

میرے غیر ملکی اکاؤنٹس کی تمام تفصیلات میرے قانونی مشیر بیرسٹر ذکا الرّب کے پاس محفوظ ہیں۔

وہی تبصیر کے قانونی گارڈین ہیں۔ مگر تم چاروں میرا خون ہو۔ تمہیں میرے پانچویں خون کی جان، مال، عزت کی حفاظت کرنا ہوگی۔

تبصیر کی ماں نے مرد کی انا کو زخم نہ لگایا ہوتا تو میں اس کے جوان ہونے سے پہلے اسے تم لوگوں کے سامنے لے آتا۔

میں مردوں کی طرح چار بیویاں بھی رکھتا تو یہ میرا حق تھا۔ اگر کسی بیٹے کو میری دوسری شادی پر اعتراض ہو تو وہ میری چھوڑی ہوئی وراثت میں حصہ چھوڑ دے اور اپنی روٹی کا بندوبست خود کرے۔ ہر معاملے میں بیرسٹر ذکا الرّب تم چاروں کو جواب دینے کے ذمہ دار ہیں مگر وہ پاکستان میں نہیں رہتے۔ تم میں سے جو اُن سے ملنا چاہے اسے ہوسٹن جانا ہوگا۔

ان کا پتا، سارے کونٹیکٹ نمبر اسی بریف کیس میں مل جائیں گے۔

اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

خان امیر خان۔''

سالار نے خط پڑھ کر دوبارہ تہہ کرنا شروع کر دیا۔ چاروں سر جھکائے غور و خوض کی کیفیت میں تھے۔ تبصیر کی سہمی سہمی نظروں میں اب بھی ماں کا عکس تھا۔

اتنے چھوٹے سے بچے کا باپ ایک بوڑھا مرد تھا۔ دادا کی عمر کا باپ، جو ہر ہفتے اس کے گھر ایک رات کے لیے آتا تھا۔ ایک رات کا بھی کوئی باپ ہوتا ہے۔ ماں کہتی تھی تو اس نے یقین کر لیا تھا کہ یہ ہفتے میں ایک بار شکل دکھانے والا اس کا باپ ہے۔

اسے تو ماں کے اکثر کہے گئے جملوں کی سمجھ ہی نہ آئی تھی۔ جو فون پر باتیں کرتے ہوئے بول جاتی تھی، اِس امر سے بے خبر کہ تبصیر بھی سُن رہا ہے۔ بے گناہ بھائی کی ضمانت اور باپ کے آپریشن کے لیے بہت پیسہ چاہیے تھا۔

وہ بھی پیسوں کی بات کرتی تھی۔ یہاں بھی پیسوں کی بات ہو رہی تھی۔ اسے اپنے اسکول بیگ میں رکھا ہوا سو کا نوٹ یاد آیا۔ جو اس کی پورے ایک ماہ کی بچت تھی۔

''میرے پاس Hundred Rupees ہیں۔ وہ میں آپ کو دے دوں گا۔'' اس نے خوف سے گھٹتی آواز کو متوازن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے کہا تھا۔ معصوم روح نے اپنے کسی ناکردہ گناہ کی مد میں فدیہ دے کر جان چھڑانے کی بات کی تھی۔ چاروں بھائی اپنے اپنے خیال سے باہر آ کر حیرت سے تبصیر کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ جبکہ ڈالر، پونڈز، یورو، دینار میں اُلجھے ہوئے تھے۔ 100 PKR کی پیشکش موصول ہوئی تھی۔

سالار احساسِ ذمہ داری سے بوجھل تھا۔ معصومانہ بات اسے لمحاتی طور پر ہلکا کر گئی وہ مسکرا کر بھائیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جو آٹھ سال کے جانکسل انتظار کی اذیت میں بری طرح زنجیر ہو چکے تھے۔ سوچ رہے تھے تبصیر دس سال کا ہے۔ N.I.C بننے میں پورے آٹھ سال باقی ہیں۔

سوئس اکاؤنٹ میں پڑی دولت آٹھ سال بعد کتنی ہو چکی ہوگی؟

مرحوم باپ نے انتہا پسند بیٹوں کا مزاج آشنا ہوتے ہوئے تبصیر کے گرد غیر ملکی کرنسی کا پہرہ بٹھا دیا تھا۔

''اب اس کا آسان اور سادہ حل تو یہی ہے کہ تبصیر تین تین مہینے ہم چاروں کے گھر رہے گا۔ جس کے گھر تین مہینے رہے گا وہی اس کا سارا خرچہ برداشت کرے گا۔'' سالار نے پہلے سے سوچا ہوا حل اب کھول کر سامنے رکھ دیا تبصیر تقسیم ہو رہا تھا...... باپ کے ترکے کی طرح۔

☆☆......☆☆

محبت! شام بخیر

یعنی تمہیں میرے ساتھ یوں گھومنا، پھرنا پسند نہیں ہے۔ تم میری خاطر خود پر جبر کرتی ہو۔'' ''بات تمہارے ساتھ کی نہیں ہے، مگر کچھ باتیں اچھی لگنے کے باوجود بھی ہوتی تو ناگوار ہیں نا، میں بھی آج کی لڑکی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ بہت......

محبت کی اسیری سے رہائی تک کا اِک تشنہ سفر، ناولٹ کی صورت

کوئی روٹھے اگر تم سے اُسے فوراً منالینا
انا کی جنگ میں اکثر جدائی جیت جاتی ہے

''اک تو ماہا آپی کو زمانے کی فکر ہے اور جو نہیں ہے تو ہماری، مگر ہم بھی کیا کریں ہم ان کے بغیر بہت بور ہوتے ہیں مگر مجال ہے انہیں اس بات کا ذرا سا احساس ہو۔ انہیں تو بس خدائی فوجدار بننے کا شوق ہے۔ اب یہ کوئی تک ہے کہ وہ پچھلے چار دنوں سے رابعہ خالہ کے گھر میں ڈیرے جمائے بیٹھی ہیں مانا کہ وہ امی کی بہن ہیں۔ مگر اماں آخر ان کی دو بہویں ہیں اور پھر دو پیاری پیاری بیٹیاں بھی ہیں۔ آپی نے کوئی ٹھیکہ تو لے نہیں رکھا کہ خاندان بھر میں ذرا کسی کو چھینک آتی ہے تو بلاوا آجاتا ہے کہ ماہا کو بھیج دو اور یہ ماہا آپی بھی بنا کوئی چوں چراں کیسے دوڑ پڑتی ہیں۔''

مدیحہ پر بُری طرح بوریت سوار تھی اور اب وہ مسلسل بول بول کر اپنی بوریت، کوفت، بے زاری، اُکتاہٹ، جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''کیا کریں اللہ تعالیٰ نے اس کا دل ہی محبت کی مٹی سے گوندھا ہے، زمانے بھر کا درد اسی کے دل میں آن سمایا ہے جبکہ آج کل ایسے لوگوں کا زمانہ نہیں ہے۔ مگر اُسے کون یہ بات سمجھائے۔ یہ سب تمہارے بابا کی ڈھیل ہے، ورنہ لڑکی ذات کا یوں لُور لُور پھرنا مجھے قطعی پسند نہیں۔'' رفیعہ بیگم بھی پچھلے چار دنوں سے اس کی کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہی تھیں۔ مدیحہ کی بات پر جلے دل سے بولیں۔

''اس پر مجھے علم ہے کہ ان چار دنوں میں محترمہ اپنے آپ سے یکسر غافل ہوں گی۔ نہ رات کی فکر نہ دن کی پروا۔ کھانا، پینا، سونا سبھی کچھ بھلائے تیمارداری میں مصروف ہوں گی۔ بہت سمجھاتی ہوں اُسے مگر وہ اپنی عادت اور فطرت سے مجبور ہے۔ فون نے بھی ابھی خراب ہونا تھا ورنہ اب اس کی دوری برداشت نہیں ہو رہی۔'' رفیعہ بیگم نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔

''اماں شمیر یا عاطف میں سے کسی کو بھیج دیں۔''

''اے نوج! وہ اتنے بڑے ہیں کیا؟ میں تو

انہیں قریبی مارکیٹ تک بھیجتے ہوئے ہولتی رہتی ہوں۔ کراچی کے موسم کی طرح کراچی کے حالات بھی اب بے اعتبار ہو گئے ہیں۔ پل میں خبر نہیں ہوتی اور ہنگامے پھوٹ پڑتے ہیں اور تم کہہ رہی ہو میں انہیں بھیج دوں۔''

''اماں اب گلشن اتنی دور بھی نہیں، سیدھی تو بس جاتی ہے۔'' مدیحہ پر بوریت بُری طرح غالب تھی۔ سو مسلسل بسورے جا رہی تھی۔

''بس کرو! تم بھی خوامخواہ ہی ایک ہی بات پر اٹک گئی ہو۔ اُسے کون سی ہماری فکر ہے۔'' وہ جل کر بولیں۔

''خیر اماں یہ تو نہ کہیں کہ آپی کو آپ کی فکر نہیں۔ سچ آپ میں تو اُن کی جان ہے۔ اب خالہ کے یہاں بھی تو آپ کی وجہ سے ٹکی ہوئی ہیں، دوسرا اللہ نے ہماری آپی کا دل موم سا بنایا ہے۔''

''اسی موم سے دل کا تو دھڑکا لگا رہتا ہے، خدا نہ کرے اس موم سے دل پر کوئی گرم موسم آئے، محبتوں بھرے دل پر چوٹ بھی بہت سخت لگتی ہے۔'' رفیعہ بیگم بہت آہستہ سے بولیں تھیں۔

''اللہ نہ کرے ہماری آپی کو کوئی چوٹ لگے۔ ویسے بھی اماں جو لوگ کسی کا بُرا نہیں چاہتے اللہ بھی تو ان کا بُرا نہیں چاہے گا کبھی۔ ہماری ماہا آپی تو بہت نیک، بہت معصوم، بہت نرم طبیعت رکھتی ہیں۔''

''کون نیک اور معصوم ہے یہاں۔'' شیث جو کہ ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا مدیحہ کا ادھورا جملہ سنتے ہوئے بولا۔

''ارے شیث بھائی! کب آئے آپ۔'' مدیحہ انہیں دیکھ کر خوشی سے چہکی۔

''پگلی! ابھی تمہارے سامنے تو اندر قدم رکھے ہیں، ویسے بائی داوے یہ کس کی شان میں قصیدہ گوئی ہو رہی تھی اور پھوپو جان آپ کیوں پریشان پریشان لگ رہی ہیں۔'' اُس نے لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے اپنا رُخ پھوپو کی طرف کیا۔

''شیث بھائی آپ کی بات کا جواب میں دوں کہ اماں۔'' مدیحہ کی کچھ دیر قبل کی بوریت، سستی اُڑن چھو ہو چکی تھی۔

''پہلے تم، پھر پھوپو!''

''میرے یہ نیک خیالات اس گھر کی اہم ہستی ماہا آپی کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے تھے اور اماں جو پریشان، پریشان لگ رہی ہیں تو ان کی پریشانی کی اہم وجہ بھی وہ اہم ہستی ہے۔'' مدیحہ شریر انداز میں بولی۔

''کیوں پھوپو کیا ہوا۔'' ماہا کے ذکر خیر پر وہ سیدھا ہو کر پھوپو کو تکنے لگا۔

''ارے بس بیٹا میں تو اس لڑکی کی نیکیوں سے عاجز آ چکی ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا ہے؟'' شیث کے انداز میں پریشانی سی گونجنے لگی تھی۔

''ہوا تو کچھ نہیں، پچھلے چار دنوں سے رابعہ کے یہاں رُکی ہوئی ہے۔ یہ بھلا کوئی تُک ہے۔ اس کی بہو، بیٹیاں ہیں، کیا وہ اُس کی تیمارداری نہیں کر سکتیں جو یہ پورے گھر کو ویران کیے، وہاں پڑی ہے۔ دیکھو اس کے بغیر گھر کتنا سُونا سُونا لگتا ہے۔ مدیحہ الگ اکیلی بولائے بولائے پھرتی ہے، تو میرا جی الگ ہولتا رہتا ہے۔ شہر کے حالات بھی آئے دن خراب رہتے ہیں۔ ایسے میں اس کا گھر سے باہر رہنا...... سچی بات ہے مجھے تو اب بہت برا لگتا ہے۔'' وہ کچھ محبت اور کچھ گھبراہٹ کا شکار دکھائی دیں۔

''پھوپو آپ نے ڈھیل بھی تو بہت دے رکھی ہے اُسے۔ اب وہ بچی تو نہیں رہی پھر اس طرح کئی کئی دن کسی کے گھر رہنا نری حماقت ہے۔''

''نہ تو میں کیا کروں، میں تو اُسے بہت سمجھاتی

ہوں مگر اس کی سمجھ میں آئے بھی تو اور رہی ڈھیل کی بات تو ڈھیل میں نے نہیں اس کے باوا نے دے رکھی ہے۔ وہ تو بس اُس کی نیکیوں سے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ مجال ہے کہ اُسے روکیں، ٹوکیں۔ جانتے بھی ہیں زمانہ خراب ہے مگر دونوں باپ بیٹی تو دنیا سے نرالے ہیں۔'' رفیعہ بیگم جل کر بولیں۔

''ارے دیکھو مدیحہ میں کن باتوں میں لگ گئی۔ جا شیث بچے کے لیے چائے تو بنالا اور ہاں ایک پھیکا چائے کا کپ میرے لیے بھی بنالانا۔ بول بول کر سر میں درد ہوگیا ہے۔'' انہوں نے اپنا رُخ مدیحہ کی طرف کیا۔

''رہنے دو مدحو میں چلتا ہوں۔'' وہ جو بڑی آس کے ساتھ پھوپو کے یہاں آیا تھا ماہا کی غیر موجودگی نے اُسے بیزار سا کر دیا تھا۔

''ارے واہ! ایسے کیسے جانے دوں گی میں آپ کو۔ ماہا آپی کو پتا چلا تو وہ ہماری کھنچائی کر دیں گی۔ اور ہمیں ان کی محبت کے ساتھ اُن کے غصے سے بھی ڈر لگتا ہے۔'' مدیحہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''بیٹا اگر تمہیں فرصت ہو تو اسے رابعہ کے گھر سے لے آنا بس بہت رہ لی۔ اب دل نہیں لگتا اس کے بغیر۔'' وہ دھیرے سے بولیں۔

''اماں جی آداب! کس کا کس کے بغیر دل نہیں لگتا۔'' ماہا نے اندر قدم رکھتے ہوئے ان کا آخری جملہ سنتے ہوئے کہا۔

''دل تو کسی کا بھی اب تمہارے بغیر نہیں لگتا مگر تم یہ بات جانے کب سمجھو گی اور پتا نہیں سمجھو گی بھی کہ نہیں۔'' شیث نے اُس کی آمد پر اپنے دل میں سکون سا اُترتے ہوئے محسوس کیا اور بہت ذومعنی انداز میں بہت آہستہ سے بولا تھا۔

''ارے کزن تم یہاں؟'' ماہا نے اُس کی ذومعنی بات پر پہلے بوکھلا کر اماں کو دیکھا مگر اماں شاید شیث کی بات سن نہیں پائی تھیں۔

''کیوں مجھے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' شیث نے اُس کی بات پر ابرو چڑھا کر اُسے دیکھا۔

''ارے نہیں تم جم جم آؤ! آخر تمہاری لاڈلی پھوپو کا گھر ہے۔'' وہ اپنی چادر اُتار کر تہہ کرتے ہوئے بہت شانت انداز میں بولی۔

''اور ویسے بھی میں تو اس لیے حیران تھی کہ تم اکثر دس پندرہ دن کے بعد دکھائی دیتے ہو۔ جبکہ آج تو صرف پانچ دن، چھ گھنٹے اور پینتیس منٹ ہوئے ہیں تمہاری گزشتہ آمد کو۔ اس لیے میرا حیران ہونا غیر معمولی نہیں۔ اور اماں آپ کیسی ہیں۔'' وہ شیث کو جواب دے کر اماں کی طرف مڑی۔

''میں کیسی بھی رہوں تمہیں کیا، تم دوسروں کی فکر کرو۔''

''اماں وہ دوسری کوئی غیر تو نہیں، آپ کی بہن ہیں اور پھر مجھے آپ کی فکر کیوں نہیں ہوگی۔ آپ کی فکر تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ ہے، بس خالہ کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ ثنا اور صائمہ کے پیپر چل رہے تھے اور رہیں بھابیاں تو اماں ان کا ذکرِ خیر بس رہنے دیں۔ مجھے احساس تھا آپ میری وجہ سے پریشان ہوں گی بھی تو خالہ جان کی ذرا سی طبیعت سنبھلی تو میں بھاگی چلی آئی۔'' وہ ان کے گھٹنے تھام کر محبت بھرے انداز میں بولی۔

''ہاں تم نے تو جیسے سارے زمانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔'' شیث نے شا کی انداز میں اُسے دیکھا۔

''کسی کے کام آنا بُری بات تو نہیں اور ویسے بھی اگر میری یہ ننھی سی جان کسی کے کام آجائے تو حرج ہی کیا ہے، پھر شیث وہ کوئی غیر تو نہیں، میری خالہ ہیں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''لیکن ماہا آخر تمہیں اپنا خیال بھی تو رکھنا

چاہیے۔ نا ذرا آئینہ دیکھو کیسی تھکی تھکی سی لگ رہی ہو۔''

''بھئی مجھے کچھ نہیں ہوا، آپ لوگ تو بس خوامخواہ میں میری فکر کر رہے ہیں۔ وہ میں نے ذرا اچھی طرح ریسٹ نہیں کیا، اب آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''ارے ماہا آپی آپ آ گئیں۔'' مدیحہ چائے کی ٹرالی گھسیٹ کر اندر لاتے ہوئے اُسے دیکھ کر چلائی۔

''ہاں میں تو آ گئی، تم سناؤ کیسی ہو۔''

''سچ آپی مت جایا کریں اتنے دنوں کے لیے۔ اس طرح تو ہم آپ کے بغیر سخت بیزار اور بور ہو جاتے ہیں۔'' وہ ٹرالی شیث کے آگے رکھتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔

''اچھا بھئی اب نہیں جاؤں گی۔ آج تو سب میری کلاس لینے پر تل گئے ہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکائی۔

''رہنے دیں آپ ہمیشہ ایسے نہ پورے ہونے والے وعدے کرتی ہیں، پھر وقت پر مکر جاتی ہیں۔'' مدیحہ ٹھنک کر شا کی انداز میں بولی۔

''بھئی واقعی اب پکا وعدہ میں نہیں جاؤں گی۔'' ماہا نے ہنس کر مدیحہ کے روٹھے روٹھے تیور دیکھے۔

''اچھا بھئی تم لوگ باتیں کرو میں ذرا مغرب کی نماز پڑھ لوں۔'' رفیعہ بیگم اُٹھتے ہوئے بولیں۔

''اور کزن تم سناؤ، ممانی جان کیسی ہیں۔'' وہ تھرماس سے اپنے لیے چائے کا مگ بھرتے ہوئے مکمل طور پر شیث کی طرف متوجہ ہوئی۔

''امی تو اچھی ہیں مگر میں آج تمہیں لینے آیا تھا۔''

''کیوں خیریت تو ہے۔'' وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے چونک کر شیث کو دیکھنے لگی۔

''ہاں خیریت ہی ہے دراصل امی کہہ رہی تھیں بہت دن ہو گئے ہیں اپنی ہونے والی بہو کا دیدار کیے ہوئے، سو میں نے کہا امی جان یہ تو کوئی مشکل کام نہیں۔ میں ابھی لے آتا ہوں۔ ماں بیٹا جی بھر کے دیدار کریں گے۔'' شیث شوخ نگاہوں سے اُسے تکتے ہوئے چہکا۔

''پلیز شیث ایسے مت کہا کرو۔'' وہ بُری طرح بلش ہوتے ہوئے بولی۔

''بھئی میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا۔ کیا تم میری پیاری، راج دُلاری سی منگیتر نہیں ہو۔'' وہ دل آنکھوں میں رکھتے ہوئے بولا۔

''منگیتر ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دو اور کوئی شرم حیا بھی تو ہوتی ہے۔'' وہ ذرا سا خائف ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''تم نے وہ محاورہ تو سُنا ہوگا جس نے کی شرم اُس کے پھوٹے کرم۔ اور مجھے اپنے کرم تھوڑی پھوڑنے ہیں۔'' شیث شریر انداز میں ہنسا۔

''ویسے تم مدحو سے پوچھ لو، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ مدحو بولو میں کوئی غلط کہہ رہا ہوں۔'' شیث نے ٹی وی کے چینل سرچ کرتی مدیحہ کو پکارا۔

''ہوں کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں۔ آخر آپی آپ ممانی کی ہونے والی بہو ہیں تو شیث بھائی غلط تو نہیں کہہ رہے۔''

''تم تو خیر شیث کی چمچی ہو۔ تم سے اور میں اُمید کیا رکھ سکتی ہوں۔ تم دونوں اپنی باتیں کرو میں تو آرام کرنے چلی۔'' وہ ان دونوں کی شریر ہنسی پر جل کر بولی اور چڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

☆......☆......☆

''اُف یہ شیث بھی کس قدر بے باک ہو جاتا ہے بعض اوقات۔ نہ کسی کا لحاظ نہ ادب، وہ کمرے

میں آ کر جھنجلائی۔

'محبت انسان کو بے باک بنا دیتی ہے ماہا بی بی۔'

دل نے مسکرا کر اُس کی جھنجلاہٹ سے لُطف لیا۔

'ہونہہ محبت! اگر یادوں میں اور دل میں چھپی رہے تو زیادہ خوبصورت ہوتی ہے۔'' وہ دل کے لُطف لینے پر سر جھٹک کر شاور لینے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔ باتھ روم کے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر وہ خود حیران کم پریشان زیادہ رہ گئی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نمایاں تھے تو رنگت میں سرسوں گھلی ہوئی تھی۔ چار راتوں کے جگ راتے نے حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اُف شیث ٹھیک ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا دھیان بھی رکھنا چاہیے۔

''تم جو ہو میرا دھیان رکھنے کے لیے، وہ اس وقت چند لمحوں کی جھنجلاہٹ بھلائے شیث کے فکر مند لہجے کو سوچ کر مسکرا دی۔

شاور کے نیچے کھڑے ہو کر اُسے واقعی بہت سکون ملا اور کتنی ہی دیر وہ اپنے چہرے پر پانی بہاتی گئی، نہا کر نکلی تو خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی۔ اپنے لمبے گھنے سیاہ بالوں کو تولیے سے خشک کرتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی کہ آئینے میں شیث کا عکس دیکھ کر وہ رُک گئی۔

''کیا خیال ہے پھر چل رہی ہو گھر۔'' شیث نے بے تکلفی سے اس کے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ شیث! میں ابھی تو گھر آئی ہوں اور ابھی پھر چل دوں۔ یہ مناسب نہیں ہے، پھر سہی۔'' وہ اپنے بالوں کو برش سے سلجھاتے ہوئے بولی۔

''ماہی تمہارے پاس سب کے لیے وقت ہے، میرے لیے نہیں۔'' شیث نے روٹھے ہوئے انداز میں اُسے دیکھا۔

''شیث ایسا تو مت کہو۔ میں نے کب غفلت برتی ہے تم سے۔''

''غفلت اور کیسے برتی جاتی ہے۔ میرا کتنا دل چاہتا ہے کہ جس طرح تم دوڑ دوڑ کر دوسروں کے گھر جاتی ہو اسی طرح ہمارے یہاں بھی آؤ۔ مگر تمہارا کبھی خود سے دل ہی نہیں چاہا۔ امی بھی تمہیں یاد کرتی رہتی ہیں، مگر تمہیں ہماری پروا ہی نہیں ہے۔ تمہیں تو بس خدمتِ خلق کا شوق چڑھا رہتا ہے۔'' وہ چڑ کر بولا۔ پھولے پھولے منہ کے ساتھ روٹھا ہوا شیث ماہا کو اک معصوم بچے جیسا لگا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تم مذاق اُڑا رہی ہو۔'' وہ اُس کے ہنسنے پر مزید تپ سا گیا۔

''ارے نہیں میں بھلا تمہارا مذاق کیسے اُڑا رہی ہوں۔ مجھے تو تمہارا پھولا پھولا منہ دیکھ کر تمہارا بچپن یاد آ رہا ہے۔ تم بچپن میں بھی تو ایسے ہی روٹھتے پھر منہ پھلا لیتے تھے۔'' وہ شیث کے انداز پر مزہ لیتے ہوئے بولی۔

''ویسے شیث بھئی مجھے جانا تو اسی گھر میں ہے، اس لیے ابھی سے دوڑ دوڑ کر جانا مناسب نہیں بلکہ معیوب سا لگتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے یہ لڑکی کتنی دیدہ ہوائی ہے کہ ابھی سے اُسے سسرال بھا گیا ہے۔'' ماہا شیث کے بگڑے تیور ٹھیک کرنے کو مسکرا کر بولی۔

''اوہو تمہیں لوگوں کی پروا کب سے ہونے لگی۔ اور یہ جو تم اتنے اتنے دن لوگوں کے گھر جا کر رہتی ہو کیا وہ معیوب نہیں۔ تمہیں وہ سب مناسب لگتا ہے۔ اور پھر سسرال سے پہلے وہ تمہارے ماموں کا گھر بھی تو ہے۔ تم آخر ہمیشہ یہ کیوں بھول جاتی ہو۔'' شیث پر آج عجیب سی ضد سوار تھی۔

''شیث پلیز! آج تو واقعی میں کسی صورت بھی نہیں جا سکتی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''اگر تم کہتے ہو تو میں کل آ جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے مت چلو تم۔'' شیث نے چڑ کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اس سے قبل کہ وہ باہر نکل کر اُسے روکتی وہ بائیک اسٹارٹ کر کے اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

وہ تھکے تھکے سے انداز میں اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔ شیث کی ناراضگی نے اُسے نڈھال سا کر دیا تھا۔

ابھی نہا کر چند لمحوں قبل وہ خود کو فریش سا محسوس کر رہی تھی، مگر اب ایسے لگتا تھا چار دن کی تھکاوٹ جسم و جان پر غالب آ چکی ہے۔

''آپی کیا شیث بھیا چلے گئے۔'' مدیحہ نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولی۔

''اُف آپ نے انہیں ناراض کر دیا نا۔'' مدیحہ نے بغور اُسے دیکھا۔

''مدیحہ وہ ضد کر رہا تھا کہ میں ابھی اُس کے ساتھ گھر چلوں۔ بولو میں کیسے مان لیتی اُس کی بات۔'' وہ آہستہ سے گہری سانس لے کر بولی۔

''آپی کیا تھا اگر آپ چلی جاتیں۔ وہ اتنے مان سے لینے آئے تھے آخر آپ کو۔''

''مدیحہ ابھی چار دن بعد تو لوٹی ہوں پھر ابھی سے کیسے چلی جاتی۔ اُسے سوچنا تو چاہیے تھا نا۔ مگر وہ تو خوامخواہ ضد کرنے لگتا ہے، بچہ بن جاتا ہے۔''

''محبتوں میں سوچا نہیں جاتا آپی۔'' مدیحہ نے دھیرے سے کہا۔

''اُف تم بھی ہمیشہ اُس کی ہمنوا بن جاتی ہو۔'' وہ جھنجلا سی گئی۔

''آپی آپ بھی تو ہمیشہ انہیں ہی مایوس کرتی ہیں جبکہ جانتی بھی ہیں کہ شیث بھائی کتنے حساس ہیں آپ کے لیے اور جو لوگ حساس ہوں وہ اپنا آپ نظر انداز کیا جانا پسند نہیں کرتے۔''

''مدیحہ تمہیں بہت بڑی بڑی باتیں کرنا نہیں آ گئی ہیں۔'' وہ جھنجلاہٹ بھرے انداز میں بولی۔

''میں اب بچی نہیں رہی۔'' مدیحہ اُس کے جھنجلانے پر چڑ سی گئی۔ تو وہ خاموش سی رہ گئی۔

''بس اکثر ہی ایسی کوئی نہ کوئی بات ہو جاتی ہے کہ نہ چاہنے کے باوجود مجھے اُسے مایوس کرنا پڑتا ہے۔ میں جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کرتی۔'' اُس نے تھکے تھکے انداز میں کہتے ہوئے کروٹ بدل کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور دو آنسو چپکے سے پلکوں کا بند توڑ کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

''آپی اب سومت جایئے گا۔ کھانا بس تیار ہے، میں روٹیاں ڈالنے جا رہی ہوں۔'' مدیحہ نے کمرے سے باہر نکلتے نکلتے اک تاسف بھری نگاہ اُس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' اُس نے کروٹ بدلے بغیر کہا۔

''آتی ہوں نہیں آ جائیں، ورنہ اماں ابھی آ کر آپ کی کلاس لے لیں گی۔''

''کہہ تو رہی ہوں، آتی ہوں۔'' وہ چڑ سی گئی۔

''مدیحہ شیث چلا گیا کیا۔'' رفیعہ بیگم نے دستر خوان بچھاتے ہوئے پوچھا۔

''جی اماں وہ کہہ رہے تھے انہیں کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہے اس لیے عجلت میں چلے گئے۔ ویسے بھی آپ نماز کے بعد وظیفہ پڑھ رہی تھیں، اُنہوں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' مدیحہ نے دستر خوان پر برتن رکھتے ہوئے آہستہ سے بتایا۔

''اچھا یہ ماہا اب کہاں رہ گئی۔ کیا کھانا نہیں کھانا اُس نے۔''

''امی آپی ابھی آ رہی ہیں۔ تھک گئی تھیں نہا کر ذرا سا لیٹ گئی ہیں۔''

''تھکے گی نہیں، دن رات اپنے اوپر فکریں سوار

کیسے رہتی ہے۔''

''اماں آپی بہت اچھی ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں بلکہ آج کل کے دور میں تو شاید ہی ہوتے ہوں۔''

''ہاں بس یہی ہے دنیا سے نرالی۔ ارے دیکھنا کہیں سو تو نہیں گئی۔''

''اماں اگر سو گئی ہیں تو پھر سو یار ہنے دیں۔''

''لو کھانا بھی نہیں کھایا اُس نے۔'' رفیعہ بیگم فکر مندی سے بولیں۔

''اماں کھالیں گی کھانا بھی۔'' مدیحہ ان کی فکر مندی پر زچ سی ہوگئی۔

''اور وہ واقعی چار دنوں کی سخت تھکی ہوئی تھی اس لیے شیث کی ناراضگی کا بوجھ لیے لیے بھی سوگئی اور کافی دیر تک سوتی رہی۔''

☆......☆......☆

''بھئی کیا بات ہے۔ آج ہماری بیٹی رات گئے تک سوتی رہے گی اپنے بابا سے بھی نہیں ملے گی۔'' اس محبت بھرے گھمبیر لہجے پر اُس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''او بابا! آپ کب آئے۔'' وہ یکدم اُٹھ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

''بھئی ہمیں آئے تو کافی دیر ہوگئی۔'' بابا نے محبت کے ساتھ اُس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی۔ سوئی سوئی آنکھوں میں نیند کا خمار ابھی تک تھا۔

''ماہا کیا تم روتی رہی ہو۔'' بابا نے پریشان ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''ارے نہیں بابا، کچی نیند سے اُٹھی ہوں نا...... اس لیے۔'' وہ بابا کے گہرے انداز پر گڑبڑا سی گئی۔

''یہی بات ہے نا بیٹا!''

''ہوں بابا آپ کو پتا ہے نہ میں جھوٹ نہیں بولا کرتی۔''

''کیسی تھیں تمہاری خالہ رابعہ۔'' بابا نے پتا نہیں اُس کی بات پر یقین کیا تھا کہ نہیں مگر بات بدل کر وہ اب سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔

''بابا اب تو کافی بہتر تھیں۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور شوگر لیول بھی بہت ہائی ہوگیا تھا۔ مگر اب وہ کافی بہتر فیل کر رہی تھیں، تبھی تو آج میں آگئی۔''

''ہاں بچی اتنے دن مت رہا کرو گھر سے دور تمہارے بغیر یہ گھر بہت سونا سونا لگتا ہے۔ تمہاری اماں کی باتیں بھی ہمیں سہنا پڑتی ہیں۔'' وہ محبت کے ساتھ اُسے دیکھتے ہوئے شریر انداز میں بولے تو اُن کی محبت کے شدید احساس پر اُس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

'بابا بابا اتنا مت چاہیں کہ آپ کی جدائی کٹھن ہوجائے میرے لیے۔' وہ دھیرے سے دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

''اچھا تم ہاتھ منہ دھوکر باہر آؤ میں کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔''

☆......☆......☆

شیث کو ناراض ہوئے کئی دن گزر گئے تھے وہ روزانہ لاشعوری طور پر اُس کی آمد کی منتظر رہتی تھی۔ مگر اِس مرتبہ شاید شیث سنجیدگی کے ساتھ ناراض ہوا تھا۔ پورے بارہ دن گزر گئے تھے۔ نہ فون، نہ آمد اور تو اور نہ کوئی میسج اور موبائل الگ بند کر رکھا تھا۔ وہ خود حیران تھی کیونکہ ایسا پہلے تو کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ چھوٹی موٹی ناراضگیاں تو ان کے درمیان چلتی رہتی تھیں بلکہ اُسے چھوٹی چھوٹی روٹھنے منانے کی عادتیں اچھی لگتی تھیں کہ محبتوں کا مزہ انہی میں تھا مگر اب اتنی گہری سنجیدگی سے ناراضگی کا یہ پیریڈ اُس سے سہا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''آپی آپ کو خود ہی جانا پڑے گا انہیں منانے

کو۔'' مدیحہ اُس دن بار بار فون پر اُسے شیث کا نمبر ڈائل کرتے دیکھ کر مسکرائی۔

''ہوں لگتا تو ایسا ہی ہے۔''

''لگتا نہیں ہے ایسا ہی ہے۔''

''مدیحہ تمہاری بات ہوئی شیث سے۔'' وہ اب کے غور سے مدیحہ کے شرارتی چہرے کو دیکھنے لگی۔

''میری تو روز ہی بات ہوتی ہے۔''

''اور تم انہیں بتا نہیں سکتیں تھیں کہ میں کتنی پریشان ہوں۔ اچھی بہن ہو۔'' وہ شاکی انداز میں بولی۔

''پریشان تو وہ بھی ہیں مگر اس بار موصوف اکڑے ہوئے ہیں کہ اس بار آپ مناؤ گی انہیں۔''

''میں......'' وہ بدحواس سی ہو کر مدیحہ کو دیکھنے لگی۔

''ہاں یہ کوئی اتنا مشکل بھی نہیں۔ مارکیٹ جائیں کسی بھی بک شاپ پر آئی مس یُو کا کارڈ اپنی مرضی کے الفاظ کے ساتھ منتخب کریں اور اب خوبصورت سرخ گلابوں کا 'بُوکے' خریدیں۔ سُنا ہے سرخ پھول محبت کی علامت ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کی یہ چھوٹی سی جسارت شیث بھیا کی خفگی کو ہوا کر دے گی۔''

''مدیحہ تم چلو گی میرے ساتھ۔'' وہ بہت آس بھرے لہجے میں مدیحہ کو دیکھنے لگی۔

''میں کہاں......؟'' مدیحہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔

''ماموں کے گھر۔''

''نہیں بھئی! آج کل میرے منتھلی ٹیسٹ شروع ہیں اور کل تو میرا سائیکولوجی کا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔ میں نے ابھی فرائیڈ کو رٹنا ہے۔ اس لیے میری پیاری سی آپی مجھے تو آپ معاف کر دیں۔''

''لیکن مدیحہ میں اکیلی جاتی کیا اچھی لگوں گی۔''

''ارے سچ! شیث بھیا کو تو بہت اچھی لگیں گی۔'' مدیحہ نے شرارت سے اُسے دیکھا۔

تو وہ کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے اماں سے اجازت لینے چل دی۔

ابھی وہ اماں سے پوچھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ انہوں نے خود ہی اُس کی مشکل حل کر دی۔

''ماہا بہت دن ہوئے تمہاری ممانی نہیں آئیں۔ ذرا پتا تو کر آؤ، خیر تو ہے نا۔ شیث بھی کافی دن سے نہیں آیا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی مگر کل سے میرے گھٹنوں میں درد ہے۔ جس کے باعث چلنا پھرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا کرو تم ہی ہو آؤ۔'' اماں اپنے خیال میں مگن بولے جا رہی تھیں۔

''اماں مدیحہ کا تو صبح ٹیسٹ ہے۔'' وہ اپنا بھرم رہ جانے پر دل ہی دل میں تو بہت خوش ہوئی مگر اب نظریں جھکا کر بولی۔

''اے لو تمہیں خبر ہے وہ اب بھلا کب جائے گی۔ نہ آج نہ کل اُس کے ٹیسٹ تو مانو سالانہ امتحان بن جاتے ہیں۔ تم خود ہی ہو آؤ۔ شام کو شیث کے ساتھ واپس آجانا۔ اُسے دیکھے بھی بہت دن گزر گئے ہیں۔ اتنے دن ہو گئے وہ نہیں آیا میرا تو دل ہول رہا ہے اللہ خیر کرے۔'' اماں پر فکر، تشویش یکدم غالب آچکی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے اماں میں جاتی ہوں۔'' وہ جلدی سے یہ کہہ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔

اُس نے اپنی الماری سے ٹی پنک کلر کا ایمبرائڈی والا سوٹ نکال کر زیب تن کیا اور ساتھ ہی لبوں پر لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک نے یکدم اُس کے چہرے کو جگمگا دیا تھا۔

وہ اپنی بڑی سی چادر اوڑھ کر چند لمحوں بعد باہر

نکل آئی۔

''اچھا اماں میں چلتی ہوں۔''

''ہاں جاؤ اور ہاں بھابی سے کہنا کبھی خود بھی چکر لگالیں۔ انہیں میرا سلام بھی کہنا۔ دیکھو رات مت کر دینا اور اکیلی مت آنا شیث کو لے کر آنا۔'' دروازے تک نکلتے نکلتے اماں کی نصیحتیں جاری تھیں۔

'' اوہو اماں! فکر مت کریں۔ میں جلدی آجاؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

ٹیکسی تو اُس کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی تھی، سو وہ صرف بیس منٹ بعد ماموں کے گھر تھی۔ چار بج رہے تھے، دن ڈھل رہا تھا، ہوا میں نمی سی تھی، جس نے گرمی کے باوجود ماحول کو ہلکی سی خوشگواریت بخشی ہوئی تھی۔

ماموں کے بڑے سے کالے گیٹ پر بوگن ویلا کی بیل حسبِ معمول جھوم جھوم کر آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی اور یہ ہمیشہ سے ہی اس کا خیال تھا اور اب بھی بیل کو جھوم جھوم کر ہلتے دیکھ کر یہی خیال اُسے چھو کر گزرا تھا جس نے بڑے سارے گیٹ کے چھوٹے حصے سے اندر قدم رکھتے ہوئے اُس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ لاؤنج کا دروازہ ذرا سا بند تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ رکھے تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ لاؤنج کی خاموشی بتا رہی تھی کہ گھر کے مکین قیلولہ کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ ابھی لاؤنج کے درمیان میں کھڑی کسی کمرے میں دستک دینے کا سوچ رہی تھی کہ ممانی کو کچن سے آتا دیکھ کر وہ تیزی کے ساتھ اُن کی طرف مڑی۔

''السلام وعلیکم ممانی!''

''ارے کون!'' وہ چونک کر پلٹیں۔

'' ماہا بچی تم۔'' انہوں نے فوراً ہی اپنی محبت کی بانہیں اُس کے لیے وا کر دیں اور وہ بھی دوڑ کر ان میں سما گئی۔

'' کیسی ہو۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے نثار ہوتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

'' ٹھیک ہوں ممانی۔ آپ کیسی ہیں؟'' وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے اپنی چادر اُتار کر تہہ کر کے صوفے پر رکھتے ہوئے مسکائی۔

''میں ٹھیک ہوں تم اندر کمرے میں چلو میں تب تک چائے لے کر آتی ہوں۔''

'' ارے نہیں میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں چلتی ہوں۔'' وہ اِن کے انداز پر شرمندہ سی ہوئی۔

''نہیں چندا کچن میں بہت گرمی ہے اور تم ابھی باہر سے آئی ہو۔ میں خود چائے کی طلب میں تو اُٹھ کر کچن میں گئی تھی کہ تمہاری آہٹ پر واپس لوٹی ہوں۔''

''نہیں ممانی! میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

کچن میں آ کر اُس نے ممانی کو کچن میں پڑی چیئر پر بٹھا کر خود ہی چائے کا پانی چڑھا کر اس میں چینی پتی ڈالی اور دودھ کی تلاش میں فریج کی طرف بڑھی۔ تو ممانی بہت محبت کے ساتھ اُسے تکنے لگیں۔

''بہت دنوں بعد چکر لگایا ہے تم نے۔ کیا ممانی کی اب تمہیں بالکل یاد نہیں آتی۔'' وہ محبت سے شکوہ کرتے ہوئے بولیں۔

'' ممانی ایسا نہیں ہے۔ بس مصروفیت بہت رہتی ہے۔'' وہ چائے پر اُبال آنے کے بعد اُسے کپوں میں نکالتے ہوئے ہلکے سے مسکرائی۔

'' مصروفیت کی بھی خوب کہی تم نے۔ خود ہی اپنے آپ کو جنجالوں میں گرفتار کر رکھا ہے تم نے۔ ابھی رابعہ باجی کی طبیعت خراب تھی تو سُنا ہے تم ان کی دیکھ بھال کے لیے اُن کے یہاں ہلکان ہوتی رہی ہو چار دن تک۔ کیا ضرورت تھی تمہیں بلاوجہ یہ سب کرنے کی رابعہ باجی کی دو دو بہوئیں ہیں۔''

ممانی نے بھی اب کے شاکی انداز میں گلہ کیا۔

''ممانی آپ کو معلوم تو ہے میں کسی کی بیماری کا سُن کر رہ نہیں سکتی اور رابعیہ خالہ تو ویسے بھی مجھے بہت عزیز ہیں۔'' وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

'مگر ماہا آج کل کے دور میں تم جیسی معصوم لڑکیوں کی قدر کہاں ہے۔ اس لیے بچے خود کو دنیا کے مطابق ڈھال کر جینا سیکھو۔''

''ممانی میں کیا بُرا کرتی ہوں۔''

''بچی تم بُرا نہیں کرتی مگر زمانہ اتنی اچھائیوں کا عادی نہیں رہا۔ خیر تم سناؤ گھر میں تو سب خیریت تھی نہ اور رفیعہ آپا کیسی تھیں۔ انہیں بھی لے آتیں۔''

''اماں کے گھٹنوں میں درد تھا۔ مدیحہ کے ٹیسٹ چل رہے تھے سو اماں نے مجھے آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے ہی تو بھیجا ہے۔'' وہ خالی کپ دھو کر ریک میں رکھتے ہوئے بولی۔

''آپ بھی تو ممانی بہت دنوں سے ہمارے یہاں نہیں آئیں۔'' وہ ان کے ساتھ لاؤنج میں آتے ہوئے بولی۔

''میں سوچ تو کافی دنوں سے رہی تھی مگر پہلے اریبہ کے پیپرز چل رہے تھے، اُس کے ختم ہوئے تو جبران کے شروع ہوگئے سو پیپرز تو بچوں کے تھے مگر گھن چکر میں بنی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے چاہنے کے باوجود میرا بھی نکلنا نہیں ہوسکا۔ تمہارے ماموں بھی آفس کے کام سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اور شیث خود آج کل جاب کی تلاش میں ہلکان ہورہا ہے۔ سو میں وقت نکالنے کی خواہش کے باوجود وقت نکال نہیں سکی۔'' ممانی بہت تفصیل سے بات کرنے کی عادی تھیں، سو اب بھی تفصیل کے ساتھ بولیں۔

''ممانی شیث کی جاب کا کچھ بنا۔'' وہ شیث کے بارے میں جاننے کو بے تاب سی ہورہی تھی۔ تبھی جھجک کے باوجود بھی زیادہ دیر چُپ نہ رہ سکی۔

''کہاں بچی نوکریاں ملنا اتنی آسان کب رہی ہیں۔ فرسٹ کلاس میں ایم بی اے کرنے کے بعد اُمید تو یہی تھی کہ فوراً ہی کہیں سے اچھی جاب آفر ہوجائے گی مگر گزشتہ تین مہینوں سے بچہ در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے اور اب تو بیزار ہونے لگا ہے۔ آج بھی کہیں انٹرویو کے لیے گیا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی لوٹا ہے تو منہ لپیٹے پڑا ہے۔ سچ جوان بچوں کو یوں دلبرداشتہ دیکھ کر تو دل ہولتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اِس ملک کا کیا بنے گا۔ جہاں زندگی مشکل سے مشکل تر ہی ہوتی چلی جارہی ہے۔ مہنگائی کا جو عالم ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ پہلے تو مہنگائی کا گراف کم از کم مہینوں میں بڑھتا تھا۔ مگر اب تو دنوں نے گھنٹوں کی رفتار پکڑ لی ہے۔ صبح ضروریاتِ زندگی کے ریٹ کچھ ہوتے ہیں شام کچھ۔ غضب خدا کا غریب تو اس ملک میں اب صرف مرنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے۔''

ممانی کو بات سے بات نکالنے کا مرقع تھا اور وہ ہمیشہ اچھی سامع ثابت ہوئی تھی، سو ممانی چلی تو شیث کی جاب سے تھیں ارا اب دلگرفتہ ہورہی تھیں ملک کی زبوں حالی پر جو کہ دن بہ دن بد سے بدتر ہوئی جارہی تھی۔

''ممانی یہ ملک ہمارا ہے، ہم عوام کا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اس ملک کی تقدیر صرف حکمران حضرات کے ہاتھوں لکھی جائے بلکہ اس کی تقدیر کو رقم کرنے میں ہم عوام کا ہاتھ بھی ہونا چاہیے۔ اور جب تک حکومت وقت اور عوام مل کر اس ملک کے مسائل کا حل تلاش نہیں کریں گے۔ یہ ملک یونہی مسائل میں گرفتار رہے گا۔ ہمیں اگر قائداعظم جیسے حکمرانوں کی ضرورت ہے تو اس وقت کی عوام کی بھی ضرورت ہے، جس نے اپنے قائد کے لیے کسی بھی قربانی سے

گریز نہیں کیا تھا۔ مگر آج ممانی ہم سب تن سکھ کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ اپنی کسی بھی آسائش سے دستبردار ہونا ہمیں منظور نہیں۔ اگر ایسا ہوتا کہ آج کی عوام کبھی قربانی جیسے جذبے سے روشناس ہوتی تو پھر ہم پر یہ بجلی کا جو بدترین بحران طاری ہے، ان دنوں ہم اس بحران کا شکار نہ ہوتے۔ یہ گھنٹوں گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ کا شکار بھی نہ ہوتے۔'' وہ بھی واقعی کافی مایوس تھی آج کل کے حالات پر کہ نہ روشنی کی کوئی کرن تھی نہ اُمید، نہ اُس پر بھی اِک آس کا دیا وہ روشن رکھتی تھی۔ مگر آج کل کے حالات نے اس جیسی خوش فہم لڑکی کو بھی مایوسیوں کے اندھیروں میں دھکیل رکھا تھا۔

شیث کی بے روزگاری اور اس کی حالیہ فیلنگز کو وہ بھی کئی دنوں سے محسوس کر رہی تھی۔

''ماہا تم ایسا کرو ذرا شیث کو کمرے سے باہر نکالو، میں ذرا شام کے لیے سالن چڑھا لوں۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خود ممانی کو بٹھا کر سالن بنانے کے لیے کچن میں گھس جاتی مگر ابھی تو وہ خصوصی طور پر شیث سے ملنے آئی تھی سو سر ہلاتے ہوئے شیث کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

حالانکہ ممانی کو کچن کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ اندر ہی اندر بُری طرح شرمندہ ہو رہی تھی۔

شیث کے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہوکر چند لمحوں کے لیے اُس نے خود کو کمپوز کیا اور چند لمحے تک تو یہی سوچتی رہی کہ وہ روٹھے بالم کو کیسے منائے گی۔ اُس نے بنا چاپ کے بہت آہستہ سے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ وہ بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا جانے کیا سوچ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ اُس نے بہت آہستہ سے اُس کے سرہانے کھڑے ہوکر اُس کی بند آنکھوں پر اپنی ٹھنڈی، نرم ہتھیلیاں رکھی تھیں۔

''کون ہے بھئی۔'' شیث بوکھلا کر بولا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی۔

''اوہ تو آپ ہیں! آنسہ ماہا صاحبہ۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ پرے کرتا ہوا یکدم اُٹھ کر بیٹھا۔

''تم نے کیسے پہچانا مجھے۔'' وہ حیرت سے اُسے تکتے ہوئے بولی۔

''تمہاری خوشبو سے، جو کہ ہر وقت میری سانسوں میں بسی رہتی ہے۔'' شیث نے ڈھیرے سے سانس لے کر اُسے دیکھا جو کہ شیفون کے ٹی پنک سوٹ میں بہت نکھری نکھری، اپنی طرف محویت سے تکتی ہوئی بڑی معصوم سی لگ رہی تھی۔

''ویسے یہ آج تم ہمارے غریب خانے پر تشریف کیسے لے آئیں۔ ہماری یاد کیونکر آ گئی تمہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ چند لمحوں کو تو اُسے دیکھتے ہی وہ ساری خفگی بھول گیا تھا مگر اب پھر اُسے یاد آ گیا تھا کہ وہ تو اس سے زبردست ناراض تھا۔

''شیث جی یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھلایا جائے اور جو لوگ ہر لمحہ، ہر پل خوبصورت خیال بن کر، خوبصورت سوچ بن کر ذہن و دل کے گنبد میں گونجتے رہیں انہیں یاد کرنے یا یاد دلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر تم یہ سب بھلا کب سمجھ سکتے ہو۔'' وہ شاکی انداز میں بولی۔

''یہ کوئی تک ہے، اتنے دن تک روٹھے رہنے کی۔''

''مت کیا کرو، ایسی باتیں جن میں کوئی صداقت نہ ہو۔'' وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولا۔

''شیث تم کیا سمجھ رہے ہو میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ تمہیں مجھ پر، میرے جذبوں پر، میری شدتوں پر یقین نہیں۔'' وہ دکھ سے اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

''ماہی تم پر تو خود سے بڑھ کر اعتبار ہے، یقین ہے مگر کبھی کبھار تمہارا رویہ میرے اِس اعتبار کو، اس

یقین کو توڑنے لگتا ہے۔ سچ جب تم مجھے مایوس کرتی ہو تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ اس دن میں بہت ڈسٹرب تھا اور اپنی ڈسٹربنس دور کرنے کے لیے میں تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا تھا مگر تم نے انکار کر دیا۔ تم نہیں جانتی میں کتنا چاہتا ہوں تمہیں۔ ماہا سچ کبھی کبھار تو مجھے لگتا ہے کہ میں تم بن ادھورا ہوں۔ بس مجھے جلدی سے کوئی اچھی جاب مل جائے تو پھر میں تمہیں اس گھر میں لے آؤں، تاکہ میری تکمیل ہو جائے۔ ماہا تم آخر میرے ساتھ ایسا کیوں کرتی ہو۔'' وہ بہت بکھرا ہوا اُلجھا ہوا سا تھا۔ ماہا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''ماہا مجھے مایوس مت کیا کرو۔'' وہ لو دیتی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''شیث تم تو بس ایسے ہی خفا ہو جاتے ہو۔ پلیز یوں بچوں جیسی حرکتیں مت کیا کرو۔ تمہاری خفگی تو میرا سکھ چھین لیتی ہے۔ تمہاری محبت، تمہارے خلوص نے تو مجھے محبت کا اعتماد بخشا ہے۔ یوں ناراض ہو کر مجھے پریشان مت کیا کرو۔ تم روٹھتے ہو تو لگتا ہے زندگی روٹھ گئی ہے۔'' وہ اُس کے چہرے کو محبت سے تکتے ہوئے بولی۔

''پھر تم مجھے مایوس مت کیا کرو۔'' وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''شیث تم تو بالکل پاگل ہو۔''

''یار پاگل بھی تو تم نے کیا ہے۔'' وہ شوخی سے چہکا۔ تو ماہا کا دل سے سارا بوجھ اُتر گیا۔ شیث کی آنکھوں کی شوخی ہی تو اس کے دل کا سکون تھی۔

''شیث بس تم اسی طرح ہنستے مسکراتے رہا کرو، کیونکہ سچی تم ہنستے مسکراتے، کھلکھلاتے ہی اچھے لگتے ہو۔ یہ پھولا منہ اور چڑھی ہوئی آنکھیں تو تم پر ذرا بھی سوٹ نہیں کرتیں۔''

''ماہا کیا تم بھی واقعی مجھے اتنا چاہتی ہو جتنا کہ میں۔'' شیث نے بہت چاہ کے ساتھ اُسے دیکھا۔

''شاید اس سے کہیں بڑھ کر۔''

''رئیلی!'' وہ شوخ نگاہوں میں زمانے بھر کی محبتیں سموئے اُسے تکتے ہوئے بولا۔

''جی جناب شیور!'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تو دونوں ہی اک دوجے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیے۔

''ماہا اب بس اماں کے پاس چلو۔'' شیث یکدم ہی اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ تو وہ اس کے یکدم کھڑے ہونے پر اُلجھ کر اُسے دیکھنے لگی۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔'' وہ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر پوچھنے لگا۔

''ویسے ہی۔'' وہ سر جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماہی دراصل اس وقت تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ڈرتا ہوں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔'' وہ شوخی سے معنی خیز لہجے میں بولتے ہوئے جلدی سے باہر نکل گیا۔

''اُف! شیث تم روز بہ روز بے ایمان ہوتے جا رہے ہو۔'' وہ سرخ پڑتے ہوئے سوچ کر رہ گئی۔

''اماں بھئی کوئی بہت اچھی چیز پکایئے گا۔ آج تو دنوں بعد آپ کی بہو آپ کے گھر آئی ہے۔'' وہ اب خوشی کے مارے بہت شوخ ہو رہا تھا۔

''پلیز شیث! کچھ تو شرم کرو۔'' وہ اُسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔

''بھئی کیوں تنگ کر رہے ہو میری بیٹی کو۔'' ممانی نے اُس کے شرم سے سرخ پڑتے چہرے کو بہت دلچسپی سے دیکھتے ہوئے خفگی سے شیث کو دیکھا۔

''اماں میں کوئی جھوٹ تو نہیں بول رہا۔''

''ممانی میں اب گھر چلتی ہوں۔'' وہ شیث کے

بے باک انداز پر بہت عجیب سا فیل کر رہی تھی۔ سو چادر اوڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''لو ابھی سے کیسے؟'' شیث نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

''نہیں شیث، اماں نے کہا تھا مغرب تک آجانا۔''

''میں خود پھوپو سے بات کرلوں گا۔'' وہ اُسے آنکھیں دکھانے لگا۔

''شیث پھر کبھی بہت دیر کے لیے آؤں گی۔ پلیز ممانی آپ ہی اِسے سمجھائیں۔'' وہ شیث کی آنکھوں میں پھر سے خفگی اُترتی دیکھ کر پریشان ہوا ٹھی۔

''ماہا رک جاؤ! یہ پہلے اریبہ اور جبران کو اکیڈمی سے لے آئے پھر تمہیں چھوڑ آئے گا۔'' ممانی نے شیث کی خاطر اُسے رُکنے کا کہا۔

''ماہا تم بھی آجاؤ۔'' شیث فوراً ہی باہر نکلا تھا۔

''ماہا نہیں، تم اکیلے جاؤ! مجھے خبر ہے تم پھر اُسے راستے بھر ستاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے اماں آپ بھی بن جائیں ظالم سماج۔'' وہ گیراج کی طرف بڑھتے ہوئے مصنوعی آہ بھر کر بولا۔

''توبہ ہے یہ لڑکا تو بالکل ہی دیوانہ ہے۔'' ممانی وہیں صوفے پر سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ ماہا جانتی تھی کہ شیث ممانی سے بہت فری ہے مگر آج تو اُس کی بے باکی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اریبہ اور جبران کو لے کر آیا تو ساتھ ہی پیزا بھی لیتا آیا۔

''ارے ماہا آپی آئی ہوئی ہیں۔'' اریبہ وہیں صوفے پر کتابیں پھینکتے ہوئے خوشی سے اس سے لپٹ گئی۔

''اللہ سچ آپی بہت دنوں سے بہت دل کر رہا تھا آپ سے ملنے کا، مگر اماں نے ایگزام کی وجہ سے پابندی لگائی ہوئی تھی اچھا ہوا آپ آگئیں۔'' اریبہ بھی کم دیوانی نہ تھی اُس کی۔ اب بار بار اپنی خوشی کا اظہار کیے جا رہی تھی۔

''اریبہ کپڑے تو بدل لو پھر چائے کا اِک دور چل جائے۔ ماہا کو گھر بھی جانا ہے۔'' شیث اب کچھ پٹری پر آگیا تھا۔ چائے کے بعد اُس نے واپسی کی اجازت لی۔

''اللہ آپی ابھی سے۔'' اریبہ خفا سی ہونے لگی تو وہ بے بسی سے ممانی کو دیکھنے لگی۔

''نہیں شیث تم جاؤ، ماہا کو چھوڑ آؤ۔ رات ہونے کو ہے۔ باجی پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' ممانی نے سنجیدگی سے شیث کو اشارہ کیا۔ تو اُس نے سکھ کا سانس لیا۔

''چلیں میرے ایگزیمز ختم ہوجائیں تو میں پھر ایک ہفتہ تک آپ کے یہاں آکر رہوں گی۔'' اریبہ نے مرجھائے ہوئے انداز میں اُسے گیٹ تک چھوڑتے ہوئے کہا۔

''بھئی تم کہو تو ہم انہیں مستقل ہی لے آتے ہیں۔'' شیث ہونٹ دانتوں تلے دبا کر شرارت سے بولا۔

''ہاں یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ سچ کتنا مزا آئے گا جب ماہا آپی دلہن بن کر اس گھر میں آئیں گی۔'' اریبہ شیث کے انداز پر خوشی سے چہکی۔

''شیث تم بھی نا...... '' وہ خفگی سے گیٹ سے باہر نکلی تو شیث جلدی سے بائیک نکال کر اُس کے قریب آگیا۔

''تم گاڑی نہیں نکال سکتے تھے۔'' وہ اُسے بائیک نکالتے دیکھ کر خائف سا ہو کر بولی۔

''گاڑی میں پیٹرول نہیں ہے اور یار یہ تو بہت رومانٹک سواری ہے۔''

''تم پر رومانس آج کل کچھ زیادہ سوار نہیں ہو رہا ہے۔'' وہ بہت سنبھل کر بائیک پر بیٹھتے ہوئے جل کر بولی۔

''ہوں کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ یہ دل اب بہلتا نہیں، سنبھلتا نہیں، میں کیا کروں۔''

''تم نا ہوش کے ناخن لو۔''

''ہوش! ہوش کہاں اب۔ ویسے یار تم مجھے پکڑ کر بیٹھو نہیں تو گر جاؤ گی۔'' شیث نے بائیک کو ہوا کے دوش پر اُڑاتے ہوئے کہا۔

''پلیز تم آہستہ چلاؤ۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' اس کی اتنی قربت پر وہ ویسے ہی اندر سے بہت نروس ہو رہی تھی۔ اس وقت اُس کی تمام تر بولڈنیس ہوا ہو گئی تھی۔ بلکہ مشرق کی وہ اک چھوئی موئی سی لڑکی تھی جو کہ محبت کی اس قربت پر شرم و حیا کے مارے جھکی جا رہی تھی۔

''ماہی میرا دل چاہ رہا ہے اس طرح ساتھ بیٹھے بیٹھے زندگی تمام ہو جائے۔'' شیث کے لہجے میں لو دیتا خمار تھا۔

''اُف شیث تم بھی نا۔'' وہ جہاں اُس کی بات پر بری طرح بلش ہوئی تھی وہیں دہل بھی گئی۔

''اچھا جناب تم کہتی ہو تو ہم چپ ہو جاتے ہیں۔'' وہ بائیک ہوا کے دوش پر اُڑاتے ہوئے دھیرے دھیرے گنگنانے لگا۔

یہ سفر تیرے میرے پیار کا
میری جاں کبھی نہ تمام ہو
تیرے ساتھ ہو میری ہر سحر
تیرے ساتھ ہی میری شام ہو
تجھے چاہوں میں دن رات
یونہی میری عمر تمام ہو
سکھوں سے ہو اپنی انتہا
سکھوں ہی سے عمر تمام ہو

شیث کے لبوں سے پھوٹتے اک اک لفظ پر اس کا دل آمین آمین کی گردان کرتا رہا۔

☆......☆......☆

شیث کی جاب بھی کسی اکڑی ہوئی محبوبہ کی مانند نخرے دکھا رہی تھی جو کہ مل کے نہیں دے رہی تھی۔ ویسے بھی ممانی کا خیال تھا کہ شیث کی جاب کے کم از کم دو سال بعد ہی شادی ہو تا کہ شیث اچھی طرح جاب میں قدم جما لے۔ چونکہ وہ ان دنوں بی ایس سی کے بعد فارغ تھی اس لیے اس نے محلے کی دو چار عورتوں کے ساتھ مل کر اپنے گھر کے اک کمرے میں اک فلاحی ادارہ کھول لیا تھا۔ جس میں وہ غریب بچوں کو مفت تعلیم دے رہی تھی تو وہیں سلائی، کڑھائی سکھانے کا کام بھی شروع تھا۔

آغاز میں تو کافی مشکلات رہیں مگر وہ جو کہتے ہیں نا کہ ہمتِ مرداں، مددِ خدا تو دھیرے دھیرے یہ چھوٹا سا ادارہ ترقی کرنے لگا تھا۔

اس کی مصروفیت کا عالم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اُس کی مقبولیت کا گراف بھی۔ ان تمام تر مصروفیات کے باوجود اس کا دل ہمہ وقت شیث کی کامیابی کے لیے دعاگو رہتا تھا۔

صبح کی ابتداء اسی کے نام سے ہوتی تھی تو رات کی انتہا بھی اس کے نام سے۔

اماں تو اس کی اتنی محنت کے سخت خلاف تھیں مگر اُسے بابا کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔

''بیگم اپنے لیے تو دنیا میں سبھی جیتے ہیں۔ زندگی کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ انسان اوروں کے کام آئے۔'' بابا نے بہت محبت کے ساتھ اُس کا مان بڑھایا تھا۔

''بس آپ کی ہی ڈھیل ہے، ورنہ لڑکی ذات ہے، اسے اگلے گھر جانا ہے۔ اتنی محنت کا فائدہ۔''

''بھئی ماں باپ کے گھر تو عیش کر لے۔'' بابا

مکمل اس کے حمایتی بنے ہوئے تھے۔
''یہ عیش ہے سارا دن لوگوں کے ساتھ سر کھپاتی رہتی ہے۔''
''لوگوں کی دعائیں بھی تو سمیٹ رہی ہے۔''
''بس آپ باپ بیٹی کی تو منطق دنیا سے نرالی ہے۔''
اماں تو ان دنوں سخت خفا خفا تھیں۔ مگر وہ اپنے کام میں مگن تھی اور اصل خوشی تو اُسے اس دن ہوئی تھی جب اس چھوٹے سے ادارے میں اس نے فاطمہ کی شادی کا مرحلہ طے کیا۔
فاطمہ اک غریب گھر کی کافی عمر رسیدہ لڑکی تھی۔ جہیز کی کمی نے اُس کے بالوں میں چاندی بکھیر دی تھی۔ مگر ماہا اور محلے کی صاحب حیثیت عورتوں کی کوششوں نے جہیز کا مرحلہ حل کیا تو فاطمہ کے مردہ خواب زندہ ہوگئے۔
اندھیروں میں اُجالے کا سنگم اُس نے فاطمہ کی آنکھوں سے پھوٹتا دیکھا تو اُسے لگا اُس نے زندگی کی معراج پالی ہے۔ فاطمہ کی ماں اُسے دعائیں دیتی نہ تھکتی تھی اور یہ لوگوں کی دعاؤں کا ہی اعجاز تھا کہ رب نے اُس کی دعا بھی قبول کرلی۔

☆......☆......☆

اُن ہی دنوں شیث کو اک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی۔ شیث تو خوشی سے بے حال تھا ہی مگر اس کی خوشی کی بھی کوئی حد نہ تھی۔ تبھی تو اُس نے فوراً ہی شکرانے کے کئی نفل پڑھ ڈالے۔
''آپی آپ کو بہت خوشی ہورہی ہے نہ شیث بھیا کی جاب کی۔'' مدیحہ اُسے شکرانے کے نفل سے فارغ ہونے کے بعد چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔
''ہوں بہت سے بھی بہت۔'' سرشاری خوشی اُس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔
''شیث بھیا آپ کو بہت اچھے لگتے ہیں۔''
''صرف اچھے......'' وہ اپنی عادت کے خلاف بہت شوخ ہورہی تھی۔ ''بہت بہت بہت اچھے۔'' اس لمحے اس کا انگ انگ خوشی کے انوکھے انداز سے سرشار تھا اور وہ بہت ترنگ میں جھوم کر بول رہی تھی۔
''لگتا ہے دنیا سے شرم وحیا تو ختم ہوگئی ہے۔'' شیث جو کہ ابھی ابھی آیا تھا اس کا اتنا کُھلا اظہار سن کر جہاں اندر تک سرشار ہوا تھا وہیں لب دبا کر مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ بولا۔
''ہیں تم ...... تم کب آئے۔'' اُس نے بند آنکھوں کی چلمن فوراً اٹھائی تھی اور سیدھی ہوکر اُسے تکنے لگی۔
''اُس وقت جب تم منہ پھاڑ کر میرے بہت بہت اچھے لگنے کا اقرار کررہی تھیں اے لڑکی تمہیں کچھ شرم بھی آتی ہے۔'' وہ بہت محبت بھری نگاہوں سے اُسے تکتے ہوئے چہکا۔
''کیا تم اچھے نہیں ہو۔''
''لگتا ہے میں کافی اچھا ہوں۔''
''تو پھر اچھے کو اچھا کہنے میں شرم کیسی۔'' وہ بڑے آرام سے اپنی خوشی کو بیان کرگئی۔
''بھئی مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔ اگر تم اچھے لگتے ہو تو لگتے ہو، اگر نہ لگتے تو میرے خیال میں کوئی مائی کا لعل مجھے تمہیں اچھا کہنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا کیونکہ مجھے جھوٹ کے لبادوں میں اپنے آپ کو چھپانا نہیں آتا۔ میں صاف اور کھری زندگی گزارنے کی عادی ہوں اور صاف اور کھرے جذبوں کی مالک بھی۔'' وہ بہت آرام سے بولی، تو شیث اس کے اس انداز پر روح تک سرشار ہوگیا۔
''شیث بہت بہت مبارک ہو۔''
''بھئی اس مبارک باد کی اصل حقدار تو تم ہو۔ تمہاری دعاؤں کی بدولت نوازا گیا ہوں میں۔''
''میری نہیں ممانی جان کی دعاؤں سے۔ سُنا

ہے ماں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے اور ماں تو سراپا دعا ہوتی ہے۔ ممانی بھی تو بہت پریشان تھیں۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، چاہے تھوڑی دیر ہو جائے۔''

وہ بہت پُرسکون انداز میں بولتی شیث کو ہمیشہ سے زیادہ اچھی لگی، تبھی وہ اک ٹک اُسے دیکھے گیا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔'' وہ شیث کے والہانہ انداز پر باوجود بولڈ ہونے کے نروس سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی اچھی، کتنی معصوم، کتنی نیک ہو۔ اور تمہارے اندر کی یہی خوبصورتی تمہارے چہرے کو کس قدر روشن بنا دیتی ہے۔ اتنا روشن کہ بندہ نظر اُٹھائے تو پھر جھکانے کے قابل نہیں رہتا۔ اور میں تو ویسے ہی بری طرح گھائل ہو چکا ہوں اس روشن چہرے کے آگے۔''

''تم بھی باتیں بہت بنانے لگے ہو۔ یہ نہیں کہ اس خوشی کے موقع پر کوئی ٹریٹ وغیرہ دینے کا پروگرام بناؤ۔ بس باتیں کر کے ٹالنا چاہتے ہو۔'' وہ اس کی باتوں کے سحر کو توڑنے کے لیے جلدی جلدی بولے گئی۔

''بندیٔ خدا! پہلی تنخواہ تو مل جانے دو۔''

''خیر تم اتنے بھی کنگلے نہیں ہو کہ ایک آئسکریم ٹریٹ بھی نہ دے سکو۔''

''یعنی تم نے جیب خالی کروانے کی ٹھان لی ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔

''بھئی خوشی کا موقع ہے اور خوشی کو فوری انجوائے کرنے کا مزہ تو الگ ہی ہوتا ہے، سو ٹریٹ تو تمہیں فوری ہی دینی ہوگی۔'' وہ بھی مسکراتے لبوں کے ساتھ خلافِ توقع بہت شوخ ہوئی جا رہی تھی۔

''تو پھر چلو۔''

''کہاں؟''

''لانگ ڈرائیو پر۔''

''ہیں بائیک پر لانگ ڈرائیو۔''

''یار بائیک پر ہی تو لانگ ڈرائیو کا اصل مزہ آتا ہے، من چاہی ہستی کے ساتھ اور پلیز اب انکار کر کے میری خوشی کو غارت مت کر دینا۔ ویسے بھی تمہیں سب کو خوش کرنا، آتا ہے سوائے میرے۔''

اس سے قبل کہ وہ بائیک پر جانے پر کچھ اعتراض کرتی، شیث نے فوراً ہی بول کر اُسے کچھ بولنے سے روک دیا۔

''کزن تم بھی نہ کبھی کبھار بہت تاک کر حملہ کرتے ہو۔''

''تم ہی سے سیکھی ہیں ہم نے یہ ادائیں۔'' وہ بائیک کی چابی اُس کی آنکھوں کے سامنے لہراتا ہوا شوخ ہوا تو وہ محض اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

''چلو اب نکلو بھئی، اس سے قبل کہ شام رات میں ڈھل جائے۔'' وہ فوری چادر کی بکل مار کر باہر نکلتے ہوئے بولی۔

''اگر یہ تم پانچ گز کا شامیانہ نہ اوڑھو تو......''

''یہ شامیانہ نہیں میرا محافظ ہے۔'' وہ نہایت سلیقے سے اپنا پورا وجود چادر کی بُکل میں چھپائے ہوئے سنبھل کر اُس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میرے ہوتے ہوئے بھی تمہیں کسی محافظ کی ضرورت ہے کیا؟''

''تمہارے ہوتے ہوئے تو اس محافظ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔'' وہ ذرا سا شریر ہوئی۔

''کیا مطلب ہے۔'' ہوا کے دوش پر بائیک کو اُڑاتے اُڑاتے اُس نے یکدم بریک لگائے تو وہ بُری طرح شیث سے آن ٹکرائی۔

''اُف شیث تم بھی نا۔''

''نہیں ابھی تم نے کیا کہا تھا، ذرا پھر سے کہنا۔'' شیث کا موڈ یکدم خراب تر ہوا تھا۔

''اُف کزن میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' اُس کی چڑھی ہوئی آنکھیں دیکھ کر وہ نرمی کے ساتھ بولی۔

''آج تو یہ مذاق کیا ہے، آئندہ میں ایسی بے اعتباری کی بات کبھی نہ سنوں۔''

''بات بے اعتباری کی نہیں شیث، مگر کچھ ہمارے مذہبی اور اخلاقی معاشرتی تقاضے بھی ہیں، جنہیں نبھانا مجھے پسند ہے۔ گو کہ میں بہت حد تک خود کو اِن تقاضوں کے مطابق ڈھال نہیں پاتی مگر تھوڑی سی آٹے میں نمک کے برابر کوشش کرتی ہوں، اپنی اصلاح کرنے کی۔'' وہ بہت آہستہ سے بولی۔

''یعنی تمہیں میرے ساتھ یوں گھومنا، پھرنا پسند نہیں ہے۔ تم میری خاطر خود پر جبر کرتی ہو۔''

''بات تمہارے ساتھ کی نہیں ہے، مگر کچھ باتیں اچھی لگنے کے باوجود بھی ہوتی تو ناگوار ہیں نا، میں بھی آج کی لڑکی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ بہت سا وقت گزارنا چاہتی ہوں اور مجھے یہ سب اچھا بھی لگتا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود شیث میرے اندر، یہ سب اچھا نہیں ہے، ہونے کی تکرار بھی جاری رہتی ہے۔ مگر تم میری یہ کیفیت نہیں سمجھو گے۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''میں بیوقوف ہوں، کم عقل ہوں تمہاری نظر میں۔'' شیث کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ وہ تاسف بھری نظروں سے شیث کو دیکھنے لگی۔

''تم بہت حساس ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہونے لگتے ہو۔ شیث اس طرح تو زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ بہت کٹھن، بہت تکلیف دہ۔''

''تو تمہیں کون کہہ رہا ہے کہ تم اپنی زندگی ایک مشکل شخص کے ساتھ گزارو۔ ابھی تو وقت کے بھنور تمہارے ہاتھوں میں ہیں اور فیصلے کا اختیار بھی۔'' وہ لب بھینچ کر بائیک کو اسٹارٹ کرتے ہوئے اتنے سرد انداز میں بولا کہ اس کے لہجے کی تمام تر ٹھنڈک اُسے اپنے اندر اُترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''شیث آئسکریم کھانی ہے میں نے۔'' وہ اپنے حلق میں گرتے آنسوؤں کا نمکین پانی اپنے اندر اُتارتے ہوئے اپنی انا کو قدموں تلے روندتے ہوئے بولی۔

''لیکن مجھے نہیں کھانی اب۔'' شیث نے لمحہ بھر میں واپس اُسے گھر کے گیٹ پر لا پٹخا تھا۔

''تم اندر تو آؤ!'' وہ حیران پریشان اُسے ہوا کے دوش پر واپسی کے لیے مڑتے دیکھ کر چلائی۔ مگر وہ خراب موڈ کے ساتھ واپسی کے لیے اُس کی آنکھوں سے لمحہ بھر میں اوجھل ہو چکا تھا۔

''شیث میں کیسے اور کیونکر سنبھال پاؤں گی تمہیں۔''

وہ نہایت تھکے تھکے انداز میں اُسے گلی کے آخری موڑ سے غائب ہوتا دیکھتی ہوئی اندر آ کر کافی دیر تک تو گم صم گیٹ کی روش پر یوں ہی بے مقصد سائیں سائیں کرتے ذہن کے ساتھ ٹہلتی رہی۔ خالی دل، خالی ذہن کے باوجود حلق میں نمکین سا پانی گرتا رہا۔

''کیا ہوا آپ گئیں بھی اور آ بھی گئیں۔'' مدیحہ نے اُسے تھکے تھکے انداز میں اندر قدم رکھتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''شیث کو کوئی کام یاد آ گیا تھا۔'' باوجود گہری سانس لینے کے اس کے لہجے میں درد آن ٹھہرا تھا۔

''کام یاد آ گیا تھا یا موڈ خراب ہو گیا تھا ان کا۔'' مدیحہ بھی تو شیث کی رگ رگ سے واقف تھی۔

''پتا نہیں۔'' مدیحہ کی بات پر وہ یہ کہتی ہوئی تیزی کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

''یہ شیث بھائی نہ تھوڑے سے سائیکی ہیں۔''

مدیحہ نے جل کر سر کو جھٹکا۔ کتنا خوش ہو رہی تھیں آپی چند لمحوں قبل اور اب تکیے میں منہ دے کر رات بھر روتی رہیں گی۔

"یا اللہ! میری آپی کی خوشیوں کو سلامت رکھنا۔"

☆......☆......☆

کئی دن سے شیث کی طرف سے مکمل خاموشی تھی اور اس بارانا کے ریشم نے اُس کے دل پر بھی جال سا بُن دیا اور وہ اس ریشم کو توڑنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

"جب میں غلط نہیں ہوں تو پھر میں کیوں جھکوں۔" دل کے مچلنے تڑپنے پر اُس نے سختی سے دل کو آنکھیں دکھائیں۔

"وہ محبوب ہے تمہارا، محبت ہے تمہاری۔ وہ محبت جو تمہاری رگ رگ میں لہو بن کر دوڑ رہی ہے۔" دل پاگل سودائی بنا اُسے سمجھا رہا تھا۔

"میں بھی تو محبت ہوں اُس کی۔ پھر وہ میرے احساسات کو کیوں نہیں سمجھتا۔ میرے جذبات کا پاس کیوں نہیں رکھتا۔" اُس نے نہایت سختی کے ساتھ دل پر پاؤں رکھے۔

اب لاکھ یہ آنکھ برسے، یہ دل ترسے مگر یہ طے ہے کہ شیث میں تمہیں خود سے نہیں پکاروں گی۔

☆......☆......☆

"آپ لوگوں کی خفگی زیادہ طویل نہیں ہوگئی۔ مدیحہ کو جہاں اُس کی خاموشی پریشان کر رہی تھی وہیں شیث کی مکمل خاموشی نے بھی پریشان کر رکھا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ ہم خاموش ہیں۔" وہ جوان دنوں عید کے بعد ہونے والی دو تین شادیوں کے جہیز کا سامان اکٹھا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔ ابھی بھی تھک کر ذرا سا ریلیکس ہونے کے لیے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ مدیحہ کی بات سُن کر عام سے انداز میں بولی۔

"مجھے کس نے کہنا ہے، کیا میں بے خبر ہوں۔" مدیحہ اُس کے انداز پر چڑ سی گئی۔

"مدیحہ کچھ باتوں کے لیے بے خبری اچھی ہوتی ہے۔"

"ہاں جیسے آپ تو بہت خوش ہیں نہ آج کل۔"

"ناخوش بھی نہیں ہوں۔"

"وہ تو آپ کو دیکھ کر اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔"

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے۔" اُس نے حیران ہو کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"چہرے پر رنگ نہیں لگا جو آپ ہاتھ پھیر کر اُتار لیں گی، بلکہ آپ کا چہرہ تو ایسا آئینہ ہے، جس پر ہر تاثر واضح طور پر لکھا دکھائی دے جاتا ہے۔ آپی ڈیئر! آپ کا چہرہ کھلی کتاب ہے۔ خوشی ہو تو جگمگانے لگتا ہے اور پریشانی ہو تو مرجھانے لگتا ہے۔"

"اُف مدیحہ تم بھی نا، یہ آج کل گرمی بھی تو بہت پڑ رہی ہے۔ ایسے میں چہرے کیا خاک جگمگائیں گے۔ یہ جو کملایا ہوا ہے نہ میرا چہرہ تو، گرمی ہی اتنی ہے اور اس پر میری یہ بھاگ دوڑ...... میں چاہتی ہوں کہ رمضان سے پہلے اپنے تمام کام مکمل کرلوں کیونکہ رمضان میں گھر سے باہر نکلنا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"یہ مہینہ تو مکمل یکسوئی مانگتا ہے، توجہ طلب ہے۔ سچی ہم جو پورے سال سرپٹ بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ لوگوں کے لیے یا اپنے کاموں کے لیے۔ مگر میرا ذاتی خیال ہے اس ایک مہینے میں اپنے بے لگام نفس کو قابو میں کر کے اس خُدا کے آگے جھکے رہیں جس نے ہمیں زندگی کی یہ نعمت بخشی ہے۔"

"آپی آپ بھی نا، بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔" مدیحہ نے گہری سانس لے کر اُسے دیکھا۔

''میں غلط تو نہیں کہہ رہی۔''

''نہ جی آپ غلط کہہ بھی کیسے سکتی ہیں۔ مگر پھر بھی اپنے دل سے ضرور پوچھ لیجیے گا کہ کملاہٹ گرمی کی وجہ سے ہے کہ......'' مدیحہ نے بات ادھوری چھوڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔

''تم فضول کی باتیں بہت نہیں کرنے لگیں۔'' وہ ذرا سا خفگی کے ساتھ مدیحہ کو دیکھ کر بولی۔

''آپی بعض اوقات ذرا سی ضد، عمر بھر کا روگ بن جایا کرتی ہے۔ آپ کو علم تو ہے کہ شیث بھائی ذرا جذباتی سے ہیں۔'' مدیحہ اُس کی خفگی نظر انداز کرتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

''تمہیں بہت ہمدردی ہے اپنے شیث بھائی سے۔'' وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

''ہمدردی نہیں مجھے آپ دونوں سے محبت ہے۔'' وہ روہانسی سی ہوگئی۔

''تو پھر دعا کیا کرو جو بھی ہو وہ ہم دونوں کے حق میں اچھا ہو، کیونکہ بعض اوقات ہمیں خود بھی پتا نہیں ہوتا کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔''

''دل تو ہمیشہ اپنا من چاہا چاہتا ہے اور مانگتا ہے۔''

''مگر ضروری تو نہیں ہے نا مدیحہ کہ ہمارا من چاہا ہمارے حق میں اچھا ہو۔ بس اُس سوہنے رب سے اپنے لیے فضل، کرم، رحم اور اچھے کی دعا کرنی چاہیے اور ساتھ میں ہمت و صبر کی بھی کہ اس سوہنے رب کا ہر فیصلہ برداشت کرنے کا حوصلہ بھی عطا کیا جائے۔'' وہ مدیحہ کے روہانسے انداز پر بہت نرمی کے ساتھ بولے گئی۔

''آپی آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔'' مدیحہ نے خوفزدہ ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ اِک عجیب سا سوز بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"آپی پلیز آپ ایسا ویسا کچھ بھی نہیں کریں گی۔" مدیحہ نے پریشان ہو کر اس کے ہاتھ پکڑے۔

"تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں نے کب کہا ہے کہ میں کچھ ایسا ویسا کرنے لگی ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مدیحہ شیث کا رویہ مجھے بہت تھکانے لگا ہے اور اگر ابھی سے اس کا یہ حال ہے تو آگے اس جیسے بندے کے ساتھ نہ جانے کیسی گزرے گی۔ لاحاصل میں ہی اُسے میری قدر نہیں تو حاصل میں تو ویسے ہی سارے چارم ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں اُس کے رویے مجھے تھکانے لگے ہیں۔ وہیں ڈرانے بھی لگے ہیں۔" وہ اندر ہی اندر خود اپنے آپ سے بھی جنگ لڑ رہی تھی۔ تبھی تو زمانے بھر کی تھکن اُس کے وجود میں اُتر کر لہجے میں گُونجنے لگی تھی۔

"آپی! آپی! آپ تو بہت باہمت ہیں پھر یہ بے بسی کیسی۔" مدیحہ نے دکھ تاسف کے ساتھ اُسے دیکھا۔

"باہمت لوگوں کے اندر بھی تو اِک کمزور سا دل ہوتا ہے۔ مضبوطی کا خول ٹوٹنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔"

اِک آہ سی دل سے پھوٹ کر لبوں سے نکلی تھی تو مدیحہ صرف اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اُسے اپنی غلطی کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر وہ تھا کہ اُسے سزا دینے پر تُلا ہوا تھا۔ زندگی کے رنگ وہی تھے، رمضان کی روٹین شروع ہوئی تو وہ دل کا دُکھ دبائے عبادت کی لذتوں میں ڈوب ڈوب گئی۔ ہر دن، ہر رات اُس نے رب سے اپنے لیے سکون صبر ہمت کی دعا مانگی اور ان ہی دعاؤں میں وہ بھی چھم سے آن اُترتا تھا۔ وہ نظر چُرانے کی کوشش میں بھی خدا سے اُس کی خیریت مانگتی تھی، بے لوث چاہت مانگتی تھی۔

☆......☆......☆

اُس دن بیسواں روزہ تھا۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھی۔ پتا نہیں آج دل کیوں بہت دکھی دکھی سا تھا۔ ہاتھ اٹھائے تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلِ رواں جاری ہو گیا۔

بعض اوقات انسان کو اپنی کیفیت بھی تو سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں۔ وہ بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت میں گرفتار تھی اِک دل کرتا تھا کہ آگے بڑھ کر اس ستم گر کو منا لے، مگر انا کہتی تھی کہ نہیں اور اس وقت بھی وہ دل اور انا میں اُلجھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی رب کے حضور کہ اس سے بڑھ کر مہربان کوئی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر رحمٰن رحیم کوئی نہ تھا اور اس وقت اُسے رب کی مہربانی اور رحم کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ آج کل شدت کے ساتھ اُسے اس رشتہ میں سب بہت اچھا، بہت من چاہا لگنے کے باوجود بھی کہیں کچھ اچھا نہ ہونے کا احساس بھی ستانے لگا تھا۔ جانے دعا کی شدت کی کس انتہا پر تھی وہ، اُس لمحے جب اُسے کمرے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اُس نے جاء نماز سے سر اُٹھا کر تیزی سے اپنے منہ پر دوپٹہ لے لیا۔

"آپی ممانی جان اور شیث بھائی آئے ہیں۔" مدیحہ کے لہجے میں دبی دبی خوشی گُوک رہی تھی۔

"شیث!" اُس نے چونک کر مدیحہ کی طرف دیکھا۔

"ہوں اچھا لگا نہ آپ کو اُن کا آنا۔" مدیحہ نے لمحہ بھر میں ہی اُس کی آنکھوں میں چمکتی خوشی دیکھ لی تھی۔

"پتا نہیں۔" وہ بہت ہلکے سے مسکرائی تھی۔ خوشی کے باوجود دل پر اُداسی بھی لپٹی ہوئی تھی۔ جانے کیوں۔

"مگر مجھے سب پتا ہے کہ آپ کو بہت اچھا لگا ہے، اس لیے پلیز آپ جلدی سے اچھے سے کپڑے پہن کر باہر آ جائیں۔" مدیحہ نے الماری سے اس کا

پنک سوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے باہر کی راہ لی۔

''اُف چھوٹی تم زیادہ بڑی نہیں ہوگئی ہو۔'' وہ مدیحہ کے انداز پر پہلے ٹھٹکی اور پھر مسکراتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

دل کی اُداسی کے باوجود اس کے اندر ہلکی سی سرشاری بھی ناچنے لگی تھی۔

'اُف یہ محبت بھی کتنا خوار کرتی ہے انسان کو' اس نے منہ پر بے تحاشا پانی بہاتے ہوئے اک گہری سانس لے کر سوچا۔ اور پھر سر جھٹک کر کپڑے پہن کر آئینے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ گلابی کپڑوں کا عکس اس کی شہابی رنگت کو دہکا رہا تھا، مگر آنکھوں میں اب بھی روشنی کی جوت بجھی بجھی سی تھی۔

''آپی جلدی آئیں نا۔'' مدیحہ نے کمرے میں ہلکا سا جھانک کر شور مچایا۔

''آ رہی ہوں بابا۔''

''آ رہی ہوں نہیں، اب آ جائیں بس۔'' مدیحہ نے بہت دنوں بعد اُسے تیار دیکھا تو خوشی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

''آپی آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ بس ہمیشہ ایسے ہی رہا کریں۔'' مدیحہ نے اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی راہ لی۔

☆......☆......☆

ممانی اور شیث لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ لاؤنج میں قدم رکھتے وہ لمحہ بھر کو پزل سی ہوئی۔ مگر اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر وہ فوراً ممانی کے گلے جا لگی۔

''اُف کتنے دنوں بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں کتنی کمزور ہوگئی ہو تم۔'' ممانی نے اُس کا ماتھا چومتے ہوئے ٹھٹک کر اُسے دیکھا۔

''نہیں ممانی آپ کا وہم ہے۔ میں تو ٹھیک ہوں۔''

خاک ٹھیک ہو۔ چہرہ دیکھا ہے تم نے اپنا، کتنا کمزور ہوگیا ہے۔ رنگت بھی کملائی کملائی سی لگ رہی ہے۔''

''ممانی گرمیوں کے روزے ہیں، آخر کچھ نہ کچھ تو اپنا اثر دکھائیں گے۔'' ان کی محبت پر اُس نے مسکرا کر اُن کو تسلی کروائی اور پل کی پل ٹی وی کو سرچ کرتے بے نیاز سے شیث کی جانب دیکھا۔

تنے تنے چہرے کے آثار بتا رہے تھے ممانی اُسے شاید زبردستی لے کر آئی ہیں۔ دل تو اُس کا بہت دکھا مگر چونکہ وہ اب باہر آ چکی تھی سو ممانی سے اریبہ اور جبران کے نہ آنے کا گلہ کر بیٹھی۔

''بس بچی مت پوچھو۔ آج کل بچوں کی اپنی اپنی مصروفیات ہوگئی ہیں۔ اب اس نالائق کو ہی دیکھو، کتنے دنوں سے پیچھے پڑی تھی کہ مجھے ماہا کے گھر لے چلو۔ روز روز کرتے آج بھی زبردستی گھسیٹ کر لائی ہوں کہ کم از کم تمہیں عید کی شاپنگ تو کروا لائے۔ اب روزے رہ ہی کتنے گئے ہیں۔'' ممانی اپنی دھن میں سادگی کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔ مگر اِس کا دل تو اس زبردستی والے نقطے پر آن ٹھہرا تھا۔

'تو میرا خیال ٹھیک نکلا شیث کہ میں ساری عمر تمہاری انا کے بت کو ریزہ ریزہ کرنے میں ہلکان ہوتی رہوں گی۔ چند لمحوں قبل جو ان کی آمد کا سن کر مایوس دل میں بہت ہلکا سا ہی سہی چراغاں ہوا تھا، اب وہاں بہت تیزی کے ساتھ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اتنا اندھیرا کہ اُس کی کڑواہٹ اس کے حلق میں اُترنے لگی تھی۔

''تم لوگ بیٹھو میں ذرا اندر کمر سیدھی کرلوں۔ ہاں باقی کل شاپنگ کا پروگرام بھی طے کرلو تم دونوں۔'' ممانی یہ کہتے ہوئے اندر اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''اماں بھی نا، زبردستی کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔''
شیث کا لہجہ بہت روڈ ہی نہیں توہین آمیز بھی لگا تھا اُسے، تبھی وہ پور پور سُلگ کر رہ گئی تھی۔

''دیکھو ماہا یہ شاپنگ تم اماں کے ساتھ ہی کر لو تو بہتر ہے۔ میں تو اماں کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں۔''
شیث نے بغیر اُس کی جانب دیکھے بیزار لہجے میں کہا۔ وہ جو اس کے ساتھ گھومنے کے موقع ڈھونڈا کرتا تھا اب کس آسانی کے ساتھ اُسے ممانی کے ساتھ جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

''شیث آخر تم کیا چاہتے ہو!'' وہ اُس کے انداز پر بُری طرح ہرٹ ہو رہی تھی، تبھی جلے ہوئے انداز میں بول اُٹھی۔

''میں نے کیا چاہنا ہے۔ کیا تمہیں علم نہیں۔'' وہ اب بھی اُس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''جو تم چاہتے ہو نا، وہ کم از کم میں پورا نہیں کر سکتی۔ بلکہ شیث کبھی کبھار مجھے لگتا ہے ہم دونوں شاید اک دوجے کے لیے اَن فٹ ہیں، اِک الگ الگ سوچ رکھنے والے۔''

''تمہیں کبھی کبھار لگتا ہے اور مجھے اکثر۔'' شیث نے بہت سرد انداز میں کہہ کر کڑے تیور کے ساتھ اُسے دیکھا۔ آج نہ تو اُس کا دل کش روپ اُسے بھا رہا تھا، نہ ہی اُس کی قربت اُس کے دل کو گدگدا رہی تھی۔ بلکہ اس وقت اُسے ماہا کی قربت سے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ بڑے سے پنک دوپٹے میں پوری طرح خود کو جکڑے وہ اُس وقت اُسے ملانی دکھائی دے رہی تھی، جبکہ وہ ہمیشہ اُسے ماڈرن لُک میں دیکھنے کا خواہش مند رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر تم ممانی کو خود ہی سمجھا لینا کہ یہ شاپنگ اگر وہ نہ کریں تو بہتر ہے۔'' اُس نے جل جل کر راکھ بننے سے جان چھڑانے کی ٹھان لی تھی۔ اسی لیے تو اپنے دل کے جذبوں پر پاؤں رکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماہا تم اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا، رہ نہیں پاؤں گا۔ یہ تمہاری بھول ہے۔''
شیث نے اُسے کھڑے ہوتے دیکھ کر تلخ انداز میں کہا۔

''نہیں ہے مجھے ایسی کوئی خوش فہمی اور محترم شیث صاحب یہ دور لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کا نہیں ہے جو اک دوجے کے لیے مر گئے تھے۔ یہ ہوس اور انا کے مارے لوگوں کا دور ہے۔ اس دور میں لوگ خود نہیں مرا کرتے بلکہ محبت کو مار دیا کرتے ہیں۔ اور جہاں محبت مر جائے وہاں آس، اُمید، خوش اُمیدی کے پھول نہیں کھلا کرتے۔ وہاں روشنائیاں نہیں پھوٹا کرتیں بلکہ اندھیرے ہی اندھیرے پھیلتے ہیں اور میں تمہاری مشکور ہوں، بہت مشکور کہ تم نے محبت کو مار کر مجھے اپنی سانس جینے کا پیغام دے دیا۔
تم یہ چاہتے تھے نہ کہ میں تمہارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گھومتی پھروں۔ تمہاری بے باکیوں پر خوش ہو کر تمہاری حوصلہ افزائی کر کے، اپنے اندر کی لڑکی کو سلا دوں۔ اپنے مذہب، اپنے سماج، اپنے معاشرے سے بغاوت کر کے تمہیں خوش کروں تا کہ تمہارے سوکالڈ جذبوں کی تسکین ہو سکے۔ تمہارے اندر کے مرد کی تسکین ہو سکے۔ تو معاف کرنا میں اس قسم کی لڑکی نہ تو تھی نہ ہوں اور نہ ہی تمہاری خاطر اس طرح کی بن سکتی ہوں۔ سو شیث آج سے میں تمہیں اپنی محبت سے آزاد کرتی ہوں۔ گو وہ محبت میرے خیال سے تھی ہی نہیں، شاید ایک بے حقیقت سا کوئی احساس تھا۔ تو تم سمجھو وہ احساس آج ختم ہوا کیونکہ میں نے آج، اس لمحے، اس خون چوستی محبت کو اپنے دل سے نوچ دیا ہے۔ دل کو بہلنے میں تھوڑا وقت تو لگے گا مگر مجھے معلوم ہے یہ ماہا کا دل ہے، بہلتے بہلتے اک دن بہل جائے گا۔ میری کل کی طرح آج بھی

تمام تر نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ کرے تمہیں تمہارے مزاج کی لڑکی جلد از جلد مل جائے۔''

اُس نے بہت آہستہ سے اپنی انگلی میں پڑی وہ نازک سی رِنگ جو اس کے اندر رنگ بھرا کرتی تھی، جو اس کے خوابوں کو سجائے رکھتی تھی، تنہائیوں کو آباد کرتی تھی۔ اس کی یادوں کو سجایا کرتی تھی۔ اُتار کر تیزی سے ہکا بکا کھڑے شیث کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی ہتھیلی پر رکھی اور تیزی کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اور وہ جو یہ سوچ کر آیا تھا کہ وہ تھوڑا روڈ پن کا مظاہرہ کرے گا تو ماہا ہمیشہ کی طرح اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے گی۔ نا چاہتے ہوئے بھی اُسے منالے گی اور وہ کچھ اکڑ دکھا کر، کچھ اُسے جلا سلگا کر مان جائے گا۔ مگر یہاں تو اُس نے بازی ہی پلٹ دی تھی۔

اور اس وقت وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ بہت خوفزدہ انداز میں ماہا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا کیونکہ ماہا جتنا اُسے جانتی تھی اتنا ہی وہ بھی اُس کو گہرائی سے جانتا تھا کہ اس کی ناں کبھی بھی ہاں میں نہیں بدلا کرتی۔ اور اب تک محبت کا بے تاج بادشاہ بنے بنے اُس نے کب سوچا تھا کہ کبھی کبھار بادشاہت کے تاج زمین بوس بھی ہوجایا کرتے ہیں اور آج اس کا تاج زمین بوس ہوکر اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

''شیث بھائی!'' مدیحہ نے بہت دکھ تاسف سے اُسے بت بنے کھڑے دیکھ کر پکارا۔

''بھائی میں ہمیشہ اسی لمحے سے، اسی پل سے خوفزدہ رہتی تھی۔ کیونکہ میری آپی نے بہت خلوص، بہت شدتوں سے چاہا ہے آپ کو۔ آپ نے کبھی ان کے اس خلوص کو، اس شدت کو، اس محبت کو سمجھا ہی

ثبات

آدمی بُلبُلہ ہے پانی کا
اور پانی کی بہتی سطح پر
ٹوٹتا بھی ہے، ڈوبتا بھی ہے
پھر ابھرتا ہے، پھر سے بہتا ہے
نہ سمندر نگل سکا اِس کو
نہ تواریخ توڑ پائی ہیں
وقت کی موج پر سدا بہتا
آدمی بُلبُلہ ہے پانی کا (گلزار)

نہیں، جانا ہی نہیں۔ ورنہ محبت کرنے والے تو بہت بڑے دل کے ہوتے ہیں بہت بڑے دل کے۔ مگر شاید آپ کا دل بہت چھوٹا تھا اور اس چھوٹے دل نے میری آپی کا دل توڑ کر کرچی کرچی کر دیا۔ اور جب دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوجائیں تو پھر وہ جڑا نہیں کرتے۔ مجھے بہت دکھ ہورہا ہے آپ پر نہیں، بالکل بھی نہیں۔ کیونکہ آپ کا جو اندازِ محبت تھا اس میں ایسا شاید بہت پہلے ہوجانا چاہیے تھا۔ مگر مجھے دکھ ہے کہ آپی کی محبت نے بہت غلط شخص کا انتخاب کیا تھا اور انتخاب جب غلط ہوجائیں تو ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔''

مدیحہ یہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی کہ چوٹ تو ماہا کے دل پر لگی تھی مگر اس کا درد اس کے پورے وجود میں پھیل رہا تھا۔ مگر اس درد، تڑپ، دکھ میں گرفتار دل میں کہیں یہ سکون بھی ہلکورے لے رہا تھا کہ اس کی موم جیسے دل کی مالک آپی کے اس فیصلے کے انعام کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے جلد یا بدیر کہیں بہت ساری خوشیاں بھی لکھ رکھی تھیں اور وہ بہت جلد ان کی زندگی میں شامل ہوں گی بہت جلد کہ اچھے لوگ کبھی بھی خسارے میں نہیں رہے۔

☆☆......☆☆

عید فسانہ

''اوہو آ گئیں دنیا جہان کی کریمیں خریدنے میں پیسے ضائع کر کے؟'' عروبہ کو دیکھتے ہی وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔ ''تم نہیں سدھر سکتے۔'' عاشی ہنستے ہوئے شام کی چائے بنانے کچن کی طرف چل دی، مگر اب وہ مطمئن تھی کہ......

عید کی مناسبت سے لکھا گیا، ایک خوبصورت گدگداتا افسانہ

''ارے یہ کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟'' سندس کے انتہائی تشویش سے دیکھنے پر، عروبہ پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''یار یہ تمہارا رنگ......اف ف۔'' رنگت کا حوالہ عروبہ کے لیے خاصا حساس تھا سو اس کی پریشانی میں چینی کے بھاؤ کی طرح تیزی سے اضافہ ہوا۔''

''کک کیا ہوا میری رنگت کو؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''دیکھو بینگن باسی ہو تو اس کی رنگت کالی پڑ جاتی ہے تازہ ہو تو......تمہاری رنگت باسی بینگن سے تازہ بینگن جیسی ہوگئی ہے۔'' سندس کے اس اندازِ تعریف پر عروبہ کا دل چاہا اس کا سر پیٹ ڈالے، مگر جیسے بھی، جن الفاظ میں بھی لیکن سندس کے ردِعمل سے اسے کم از کم یہ تو معلوم ہوا کہ آج کل جو ٹوٹکے وہ استعمال کر رہی تھی وہ کام کر رہے ہیں، سو سر پیٹنے کا ارادہ اس نے کم از کم آج کے لیے ملتوی کر دیا جو بھی تھا آخر وہ اتنی احسان فراموش بھی نہ تھی، کہ اپنی تعریف کرنے والے کو......

''مگر کب تک یہ ٹوٹکے کام آئیں گے، بیاہ کے لے جا کر میاں جی پچھتائیں گے'' سندس کے اگلے فقرے پر عروبہ کو اپنا پروگرام ملتوی کرنے پر از حد افسوس ہوا۔

''پتا ہے رانیہ بتا رہی تھی کہ انہوں نے ابھی سے میری عیدی بھیجنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔'' اپنی ہونے والی نند کا حوالہ دیتے ہوئے سندس نے عروبہ کی ایک اور دکھتی رگ کو چھیڑا، عروبہ کی زندگی کے دو ہی مسئلے تھے۔ اس کی سانولی رنگت اور اب تک نہ ہونے والی منگنی۔

''ظاہر ہے بیچارے ایک دم سے تو اتنی شاپنگ نہیں کر سکتے نا، اسی لیے رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی عیدی بھیجنے کی تیاری کرنا تو لازمی بات ہے۔'' سندس کی ہونے والی سسرال کے مالی طور پر تھوڑا کمزور ہونے پر چوٹ کرتے ہوئے عروبہ نے

بھی حساب برابر کیا،اور حسبِ توقع اس بات نے سندس کوآگ ہی تولگادی۔''چلو جی جیسے بھی کم ازکم منگنی توہوگئی نا،ورنہ سچ کہوں آج کے دور میں تو لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں ہی بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ایک تو پہلے ہی اللہ کا کرم اور دوسروں کی خوشیوں سے جل جل کراور چڑیلوں جیسی ہو جاتی ہیں۔''اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں تھی جانتی تھی کہ مقابل کے پاس بھی گولہ بارود کی کوئی کمی نہیں ۔سندس اس کے ماموں کی بیٹی تھی اورشو بازی میں اپنے ننھیال پر گئی تھی (یہ عروبہ کی ذاتی رائے تھی)کوئی نیا سوٹ لے لیتی یا کچھ بھی......ان لوگوں کے پاس آکرشو مارنا نہ بھولتی۔ اپنی گوری رنگت پہ نازاں اورسونے پہ سہاگہ تین ماہ پہلے اس کی منگنی اپنے ننھیال میں ہوگئی۔عروبہ بری طرح کلس رہی تھی تبھی دھاڑ سے دروازہ کھولتی ندا کمرے میں داخل ہوئی اورنیم تاریک کمرہ ایک دم روشنی سے بھرگیا۔

''اف ایک توگرمی اوپر سے نازیہ باجی کا بحث کا شوق،جان نکل گئی میری تو،ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلانا پلیز''ندا پسینا صاف کرتی اسٹینڈ پنکھا چلاکر اس کے سامنے جاکھڑی ہوئی۔

''بحث کرنے کا شوق نہیں عادت ہوتی ہے،اور کبھی کبھی مجبوری......بحث نہ کریں تولوگ باتوں ہی باتوں میں کھا نہ جائیں۔''سکنجبین کا گلاس ندا کے ہاتھ میں پکڑاتی عروبہ آہستگی سے بولی۔

''کیا ہوا؟اگر ہماری بھی منگنی ہوئی ہوتی توعیدی آتی نا؟''اس کے انتہائی حسرت سے کہنے پرندا نے بامشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

''سندس آئی تھی کیا؟''اس نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا کیونکہ سندس کی آمد کے بعد عروبہ کی یہ منگنی والی حسرت عروج پر پہنچ جایا کرتی تھی۔

''ہاں''عروبہ مختصر جواب دیتی آئینے میں ایک بار پھر اپنے چہرے کا جائزہ لیتی ٹھ ماسک لگانے لگیاور ندااس کی حالت پر افسوس کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی کہ نازیہ باجی نے شاپنگ کم کی تھی بحث زیادہ ،سبزی کی، ریڑھی والے سے لے کر رکشے والے تک،اور یہ سب جھک جھک سن کر اس کا دماغ پلپلا ہو رہا تھا۔

''پورا دن خوار کرانے کے بعد اتنا نہ ہوا کہ کہیں کوئی کولڈ ڈرنک ہی پلا دیتیں۔'' بڑبڑاتے ہوئے اپنے لیے کھانا لیتی وہ کمرے میں واپس آئی۔

''عاشی کہاں ہے؟''نوالہ توڑتے ہی اسے عاشی کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔عام طور پر اس ٹائم وہ یہیں ہوا کرتی تھی۔عروبہ چہرے پر ماسک لگا چکی تھی سو اس نے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا جس کا ایک دروازہ اس کمرے میں بھی نکلتا تھا۔

''کھانا کھالیا تم نے؟''

''نہیں یار موڈ نہیں ہو رہا'' ندا کھانے کی ٹرے لیے اس کے کمرے میں چلی آئی تو وہ جو پہلے لیٹی ہوئی تھی اس نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے ندا کے لیے جگہ بنائی۔''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں؟'' وہ ہاتھ میں لیے کاغذات کے پلندے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''ارے ہاں یار عید بھی تو آ رہی ہے،تم عید کے لیے کوئی ناول شاول لکھ رہی ہو نا؟''چٹنی کی پیالی سے ڈھیر ساری چٹنی نوالے پر لگاتے ہوئے ندا کو اچانک ڈائجسٹ کے عید نمبر کی یاد ستائی۔

''کتنی بار منع کیا ہے اتنی مرچیں مت کھایا کرو۔''اس پر کبھی کوئی اثر نہ ہونے کے باوجود عاشی نے ٹوک کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

''چھوڑو بھی یار،تم بتاؤ نا عید نمبر کے لیے اسٹوری کہاں تک پہنچی؟''''کہیں تک بھی نہیں۔''

''کیا مطلب؟''عاشی کے کمال اطمینان سے کہنے پر ندا کا منہ تک نوالا لے جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

''یار وہ مائرہ (ڈائجسٹ کی ایڈیٹر) نے کہا ہے کہ اس مرتبہ عید نمبر ہے،سو کوئی سیریس اسٹوری نہیں چلے گی،کوئی ہنستی مسکراتی رومینٹک سی اسٹوری لکھو۔''

''ہاں تو ٹھیک کہا ہے نا اور کیا عید نمبر میں کوئی مار دھاڑ اور دکھ وغم سے لبریز کہانی لکھی جائے گی۔''ندا نے اپنی زبان دانی کے جوہر دکھانے کی کوشش کی تو عاشی دھیرے سے مسکرا دی۔

''لیکن یار زندگی اتنی ہنستی مسکراتی اور رومینٹک کہاں ہوتی ہے۔؟''عاشی کے لہجے میں عجیب سی اداسی رچی ہوئی تھی۔

''او مائی گاڈ!مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ چھوت کا مرض ہے اور اتنی جلدی تمہیں لگ جائے گا۔''

''کیا مطلب،کیسا مرض،کس کو لگا ہے؟''عاشی نے حیرت سے ندا کی پریشان صورت دیکھی۔

''جہاں تک میری معصوم سی عقل کا تعلق ہے ،یعنی کہ جو کہ مجھے محسوس ہوتا ہے،یعنی جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں......''

''اب شرافت سے اصل بات بول دو ورنہ......''ندا کے خوامخواہ تجسس پھیلانے پر عاشی نے کشن ہاتھ میں لیتے ہوئے دھمکی دی۔

''یار مجھے لگتا ہے تم پر بھی عروبہ کا اثر ہو گیا ہے اور تم بھی منگنی نہ ہونے کے غم میں گرفتار ہو چکی ہو۔اب اللہ میاں مجھ پر رحم فرمائے آمین۔''اس نے باقاعدہ

پہلے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے اور پھر منہ پر پھیرتے ہوئے آمین کہا تو عاشی کو ہنسی آ گئی۔

''مجھ پر تو کوئی اثر نہیں ہوا البتہ مجھے ڈر ہے تمہارے ساتھ رہ رہ کر میں جوکر نہ بن جاؤں۔''

''یار پلیز عید نمبر کے لیے اسٹوری ضرور لکھو، تمہیں نہیں پتا ہم اپنے کالج میں کتنی شو مارتے ہیں کہ یہ اتنے بڑے ڈائجسٹ میں لکھنے والی لڑکی ہماری کزن ہے۔''

''سوری ڈیئر! مگر اس بار مشکل ہی ہے'' عاشی کی اپنی مجبوری تھی۔

''اگر عید نمبر کے لیے ناول نہیں لکھ رہی ہو تو پھر یہ دن رات جو کاغذ کالے کرنے میں لگی ہوئی ہو، یہ کیا ہے؟'' عاشی کے صاف جواب پر ندا خفا ہوتی ٹیبل پر رکھی فائل کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

''یہ...... یہ عید نمبر کے لیے نہیں ہے، یہ تو زندگی کی کہانی ہے، اور زندگی کی کہانی بہت تلخ ہوتی ہے اور تلخ کہانیوں کی عید نمبر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔'' عاشی کے وضاحت دینے پر ندا نے غور سے اس کی طرف دیکھا، بہت کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے کی تلخی پر پوری طرح قابو نہ پا سکی تھی۔

''کس کی زندگی کی کہانی ہے''؟ اس بار اس نے دانستہ لہجے میں لاپرواہی سموتے ہوئے پوچھا۔

''شاید میری۔''

''کس ڈائجسٹ میں دو گی۔؟''

''کسی میں بھی نہیں'' اس بار عاشی دھیرے سے مسکرا کر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''اچھا تمہارا کھانا ختم ہو گیا نا، چلو اب کچھ دیر سو جاتے ہیں، تم بھی نازیہ باجی کے ساتھ مارکیٹ میں خوب تھک کھپ کر آ رہی ہو گی اور میں بھی صبح سے لکھتے لکھتے تھک گئی ہوں، چلو شاباش یہ ٹرے جلدی سے کچن میں رکھ آؤ۔'' مزید کسی سوال سے بچنے کے لیے عاشی جلدی جلدی بولتی سونے کے لیے لیٹ بھی چکی تھی۔

''یہ شان بھی نا، بیوقوف ہے بالکل، پتا نہیں کب اس کو عقل آئے گی، یا پھر عاشی کو ہی عقل آ جائے، نا قدروں پر جذبے نہیں لٹانے چاہئیں، مگر کون سمجھائے اسے یوں تو بڑی عقل مند بنتی ہے یہاں آ کر نا جانے کیوں......اب نا جانے محترمہ کے دماغ شریف میں کون سا منصوبہ آیا ہوا ہے۔'' کچن کی طرف جاتی ندا جھنجھلا کر سوچ رہی تھی۔

''ارے شریف سے یاد آیا آج تو عمر شریف شو آنا ہے۔'' کچن میں جانے کس کام سے آتی عروبہ ندا کی بات سے چونکی اور پھر سے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

''ہاں دیکھ لو عمر شریف شو اگر لائٹ موجود ہو تو، سارے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے ہیں، اس گھر میں۔'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی کمرے کی طرف مڑ گئی۔

سب باتیں اپنی جگہ مگر سچ یہی تھا کہ ایک تو تھکن اور پھر کھانا کھاتے ہی اسے غضب کی نیند آنے لگی تھی۔

''ارے، سو بھی گئی!'' عاشی اسے آتے دیکھ کر سوتی بن گئی تھی۔ ندا بھی خاموشی سے ایک طرف لیٹ گئی۔

'تمہیں کیسے بتاؤں ندا کہ روتے ہوئے دل کے ساتھ ہنستی ہوئی کہانیاں لکھنا کس قدر مشکل کام ہے۔' عاشی نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔ ''سونے کا ایک فائدہ تو ہے اور کچھ نہیں تو دل بہلانے کو کوئی اچھا خواب ہی مل جاتا ہے۔'' اس نے تلخی سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

''ارے، یہ فائل یہاں کس نے رکھی؟'' شان

آفس سے گھر پہنچا تو اپنے بیڈ پر رکھی نیلی فائل کو دیکھ کر چونک گیا، یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اس کی فائل نہیں تھی۔ گلے میں پڑی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے فائل اٹھالی۔

''ڈیئر کزن ہ آپ کو معلوم ہے نا، میں ڈائجسٹ کے لیے کہانیاں لکھتی ہوں، مگر اس بار یہ کہانی جو میں نے لکھی ہے، وہ کسی ڈائجسٹ کے لیے نہیں، نا ہی لوگوں کے لیے، یہ کہانی اگر آپ پڑھیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور ہاں پڑھنے کے بعد بتایئے گا ضرور کہ آپ کو کیسی لگی۔''

عاشی

شان کو یہ خط دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی تھی۔ عاشی کی یہ حرکت اس کی سمجھ سے باہر تھی اور پھر یہ تو ویسے بھی بہت عجیب سی بات تھی۔

''بھلا مجھے کہانی پڑھوانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے''؟ وہ الجھا ہوا سا باقی فائل دیکھنے لگا، خط کے نیچے بہت سارے صفحات تھے جن پر یقینی طور پر کہانی لکھی گئی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے کہانی ہی تو پڑھنے کو کہا ہے پڑھ لوں گا'' تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا، فائل کو بک ریک میں رکھ کر وہ فریش ہونے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے اور وہ اپنی مصروفیات میں مگن ہو کر اس فائل کو بالکل بھلا بیٹھا تھا، جب ایک دن اچانک عاشی نے پوچھ لیا۔

''آپ نے وہ اسٹوری پڑھی۔؟''

''ہاں، مگر تھوڑی سی، مصروفیات کی وجہ سے زیادہ ٹائم نہیں دے سکا'' عاشی کے چہرے اور آنکھوں میں امید کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اسے تو وہ کہانی یاد بھی نہیں بلکہ اس نے عاشی کا دل رکھنے کو ایک چھوٹا سا جھوٹ بول دیا اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ جلد ہی وہ کہانی پڑھ لے گا لیکن عاشی اس کے اس جھوٹ کو اس کی آنکھوں سے جان چکی تھی مگر خاموشی سے مسکرا دی اور کچھ جتایا نہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کی نظر میں کسی کی اہمیت نہیں تھی بس اس کی آفس کی مصروفیات ہی اتنی تھیں اور آج کل تو اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھیں جس کی وجہ سے بہت سے کام رہ جایا کرتے جیسا کہ یہ اسٹوری رہ گئی تھی، خاص طور سے عاشی اس کے لیے غیر اہم ہرگز نہیں ہو سکتی تھی اس کے لیے شان کے دل میں ایک خاص گوشہ تھا جہاں صرف اور صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا اور وہ نام عاشی کے سوا کوئی نہیں تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس بات کو آج تک اس نے اپنے لاشعور سے شعور میں نہیں آنے دیا تھا۔ وہ بزدل تھا نہ ہی اسے کسی قسم کا کوئی کامپلیکس تھا، بس نہ جانے کیوں ایک عجیب سا خوف کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو؟؟؟ جس انسان نے اپنی زندگی میں ہمیشہ جیت دیکھی ہو اس کے لیے ہار زیادہ ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے بلکہ ناقابل برداشت بھی اور ایسے لوگوں کو خاص طور پر محبت میں ہار کسی قیمت پر برداشت نہیں ہوا کرتی، یہی شان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا لیکن وہ اب تک بڑی خوبصورتی سے اس سے نظر چراتا رہا تھا ہاں مگر عاشی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں جلتے چراغوں کو اس سے نا چھپا پایا تھا اور اس کی آنکھوں کے چراغوں نے جہاں عاشی کی اندھیری راتوں میں روشنیاں بھر دی تھیں وہیں اس کی آنکھوں کو ڈھیر سارے خواب دے کر بدلے میں نیندیں مانگ لی تھیں اور وہ نادان لڑکی خوشی خوشی یہ سودا کر بیٹھی۔

☆......☆......☆

''ہک ہا ایسا تو کوئی بھی نہیں۔'' بہت دیر سے سوچوں میں کھوئی عروبہ نے اچانک ہی مایوسی سے

سر ہلاتے ہوئے کہا''اب کیا ہوا؟''عاشی کو یقین تھا کہ اس نے ضرور پھر کوئی الٹی سیدھی بات ہی سوچی ہوگی۔

''یار تم لوگوں کی کہانیوں میں اور فلموں میں کتنی بار ہیرو ہیروئن کی ملاقات ایسی ہی ہوتی ہے نا کہ ان کا کہیں ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور......''

''اور کیوپڈ کا دیوتا ان کو دھیان سے نہ چلنے کی سزا کے طور پر محبت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے''عاشی نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''کیا کیا تم محبت کو عذاب سمجھتی ہو؟''عروبہ کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ تو عاشی سے خاص طور سے اس لیے کافی عقیدت رکھتی تھی کہ وہ محبتوں کی کہانیاں لکھا کرتی تھی''نہیں یار ایویں بول گئی۔ تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں''عاشی نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا ''یار میں سوچ رہی تھی کہ ہمارے اردگرد تو ایسا کوئی بھی نہیں جس سے میں کسی طرح ٹکرا جاؤں اور پھر......''وہ ایک بار پھر مایوسی سے گردن ہلا رہی تھی۔

''ویسے ایک طریقہ اور بھی ہے مگر......نہیں یار یہاں وہ بھی نہیں چل سکتا۔''

''تم بتاؤ تو سہی کیا طریقہ ہے میں عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی''عروبہ آئیڈیا سنے بنا ہی دل و جان سے تیار تھی۔ وہ کم از کم آنے والی یہ عید بنا سسرال کی عیدی کے نہیں گزارنا چاہتی تھی''نہیں ہو سکتا یار چھوڑو......''ندا نے اپنی عادت کے مطابق تجسس پھیلایا۔

''تم آخر بتا کیوں نہیں دیتی ہو''عروبہ نے مصلحت کے تحت غصہ چھپاتے ہوئے بظاہر لجاجت سے پوچھا۔

''دیکھو نا یار ہمارا باپ، چچا، ماموں کوئی ایسا نہیں جو کہ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہو کسی ڈان سے پنگا لے اور پھر غصے میں آ کر ڈان تمہیں اغوا کر لے اور ہیرو جا کر تمہیں چھڑا لائے اور سزا کے طور پر اسے تم سے شادی کرنا پڑے''بڑے ڈرامائی انداز میں کہتے کہتے اینڈ میں ندا کا لہجہ چڑانے والا ہو گیا عاشی نے بڑی مشکل سے اپنی قہقہہ کنٹرول کیا۔

''سزا کے طور پر......کیا مطلب؟''عروبہ تصور ہی تصور میں وہ سب دیکھ رہی تھی جو ندا بول رہی تھی اسی لیے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ پائی۔

''تمہاری جیسی ہیروئن ملنے کا مطلب......کبھی کبھی نیکی گلے بھی تو پڑ جایا کرتی ہے''ندا کی سنجیدگی میں ذرا جو کوئی فرق آیا ہو مگر اب عروبہ تصور کی دنیا سے نکل آئی تھی۔

''تمہیں شرم تو نہیں آتی خبیث''عروبہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اسے کیا کر دے۔

''سنو ایک آئیڈیا اور ہے؟''ندا آج آئیڈیاز کی پٹاری کھولے بیٹھی تھی۔

''مجھے نہیں سننا۔''

''ارے سن لو کیا خبر کوئی کام کا آئیڈیا ہو''عاشی کے کہنے پر عروبہ نے روٹھے روٹھے انداز میں ندا کی طرف دیکھا''دیکھو تم کالج سے پیدل آنا شروع کر دو۔''

''اور اللہ کو پیاری ہو جاؤ واہ کیا آئیڈیا دے رہی ہو بڑی بہن کو، جہاں گاڑی سے آنے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں وہاں پیدل آتے آتے میری کیا حالت ہو گی؟''غصے میں عروبہ اپنے بڑے ہونے کا اقرار کر گئی ورنہ وہ اس حقیقت پر ہمیشہ پردہ ڈالے رکھنا ہی پسند کرتی تھی، اسی مقصد کے تحت اس نے ندا کو آج تک اپنے نام کے ساتھ باجی، آپی وغیرہ جیسے الفاظ لگانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

''ارے سنو تو......جب تم پیدل آؤ گی تو کسی دن تھک کر یا گرمی سے تمہیں چکر آئے گا اور تم کسی کار

سے ٹکرا جاؤ گی اور"
"اور یا تو میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گی یا پھر ہسپتال اور اگر خدانخواستہ لنگڑی لولی ہو گئی تو میری شادی کا تو چانس ہی ختم ہو گیا نا؟"
"اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کار میں سے کوئی بوڑھا بابا نکل کر آئے اور پوچھے بیٹی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے چلو میں تم کو ہاسپٹل لے چلتا ہوں" عاشی کا کھینچا یہ نقشہ عروبہ کے لیے سب سے بھیانک تھا۔ وہ بے ساختہ جھرجھری لے کر رہ گئی اور عروبہ کو شرمندہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔
"مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میری بہن ہو کر ایسے آئیڈیاز دو گی، میں خود ہی کچھ سوچ لوں گی۔ "عروبہ نے سخت اموشنل ہو کر کہا اور وہاں سے اٹھ گئی، جبکہ پیچھے ندا کی ہنسی ہی کنٹرول نہ ہو رہی تھی اور عاشی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے ابھی ابھی عروبہ باہر گئی تھی عاشی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیکن آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☆......☆......☆

"ارے واہ بڑے اچھے موقع پر آئے ہو" دروازہ کھولنے پر اسد پر نظر پڑتے ہی عاشی خوشی سے بولی۔
"میرا خیال ہے مجھے واپس جانا چاہیے" یہ کہتے ہی وہ واپس مڑا "یار میں بہت تھکا ہوا ہوں اور مارکیٹ جانے کا میرا کوئی موڈ نہیں، اس لیے مجھے یہاں سے جانا چاہیے" وہ بنا مروت کہنے لگا تو عاشی کو ہنسی آ گئی۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تمہیں مارکیٹ نہیں بھیجوں گی اندر آؤ تم، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔
"جی فرمایئے؟" صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔
"پہلے یہ بتاؤ یہ مارکیٹ جانے کا کیا چکر ہے؟"
"یار صبح سے میرے ساتھ دو بار ایسا ہو چکا ہے۔ پہلے میں اپنے دوست عاقب کے گھر گیا جیسے ہی بیل دی اس کی امی گیٹ پر آئیں اور مجھے دیکھتے ہی بولیں واہ اسد بیٹا، بڑے اچھے موقع پر آئے ہو عاقب بھی گھر نہیں اور ابھی فون آیا ہے کہ صائمہ (عاقب کی بہن) کے سسرال والے آ رہے ہیں، گھر میں چکن تک ختم ہوا پڑا ہے۔ بیٹا ذرا دوڑ کر یہ کچھ سامان تو لا دو۔ انہوں نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہ مارکیٹ گلی کے نکڑ پر ہی تو ہو مگر کیا کر سکتا تھا سارا سامان لا کر دیا۔ اپنے گھر آیا تو مجھے دیکھتے ہی سندس بولی۔ "واہ بھائی بڑے اچھے موقع پر آئے ہو، میری دوست آئی ہوئی ہیں۔ پلیز جلدی سے مارکیٹ سے کچھ چیزیں تو لا دو، اس نے کھانے پینے کی ایک لمبی لسٹ میرے ہاتھ میں تھمائی اس سے پہلے کہ میں انکار کرتا سامنے سے آتے ابا جان کو دیکھ کر خاموشی سے مارکیٹ کا رخ کیا اور اب آپ نے بھی مجھے دیکھتے ہی وہ جملہ دہرایا تو میں ڈر ہی گیا۔" وہ ہنستے ہوئے اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا اور عاشی کا ہنس ہنس کر برا حال تھا "اب آپ بتایئے کیا کہنا چاہتی تھیں۔
"یہ بتاؤ یہاں کیوں آتے ہو؟" عاشی آج صاف صاف بات کر لینا چاہتی تھی۔
"آپ جیسی عظیم رائٹر کا دیدار کرنے، آپ کو نہیں معلوم عاشی جی میں آپکا کتنا بڑا فین ہوں۔"
"میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراتی ہوں کیوں اس گھر کے چکر کاٹا کرتے ہو؟" عاشی کی سنجیدگی ہنوز تھی۔
"ارے عجیب سوال کر رہی ہیں آپ میری پھوپھو کا گھر ہے اس لیے آتا ہوں" وہ سارے گھر پر

نظر ڈالتا بولا۔
''صرف یہی وجہ ہے؟''
''آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ کیا سب کہیں گئے ہوئے ہیں؟'' اس بار وہ عاشی کے سوال کو نظرانداز کرتا سوال کرنے لگا۔
''خالہ اپنے کمرے میں ہیں، شان ابھی آفس سے نہیں آیا انکل کسی سے ملنے گئے ہیں اور ندا اور عروبہ مارکیٹ گئی ہیں، بس آتی ہی ہوں گی۔ بس اب مجھے میرے سوال کا جواب ملے گا؟''
''میرے اس گھر کے گرد چکر لگانے کی وجہ میرے ماں باپ آکر آپ کو بلکہ سب کو بتا دیں گے۔'' وہ شرارت سے مسکراتا ہوا بولا تو عاشی کے ذہن میں آتے خیالات کی تصدیق ہوگئی۔
''منہ دھو رکھو، صاف انکار ہو جائے گا۔''
'ارے واہ! ایویں ہی انکار ہو جائے گا؟ مجھ سا ملے گا کہاں اس کالی کلوٹی کو؟ اور بھلا کون کرے گا انکار؟''
''وہ کالی کلوٹی خود انکار کرے گی۔''
''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟'' وہ شرارت بھول کر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔
''بالکل سچ'' اب وہ اسے ستانے لگی۔
''وجہ؟''
''لو میرج''
''کیا...... یعنی وہ کسی کو پسند کرتی ہے؟'' اسد کو اپنے سارے خواب ایک لمحے میں ٹوٹتے نظر آئے۔
''لو میرج کرنے کا بھوت سوار ہے محترمہ کے سر پر'' آخر عاشی نے بتا ہی دیا۔
''یہ کیا فضول بات ہے؟ اسے سوچنا چاہیے اگر میرے گھر والے رشتہ لے کر آئیں گے تو یونہی تو نہیں نا، میری مرضی شامل ہے تبھی آئیں گے۔'' وہ رسان سے بولا۔

ھانگ کانگ

یکم جولائی 1997ء کی رات 12 بجے ایک پروقار تقریب میں برطانیہ نے ہانگ کانگ کا اقتدار دوبارہ چین کے حوالے کر دیا۔ اس تقریب میں برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس، برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر اور چینی وزیراعظم ژیانگ زیمن نے بھی شرکت کی۔ برطانیہ نے اس خطے کو 1842ء میں اپنی نوآبادی کا درجہ دیا تھا اور 99 برس کے لیے لیز لیا تھا۔

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن کچھ باتیں عام سی ہوتے ہوئے بھی انسان کے لیے اہم ہو جاتی ہیں، شاید اس طرح وہ اپنے اس کمپلیکس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو کہ اپنی معمولی رنگت کی وجہ سے وہ کبھی کسی کو پسند نہیں آسکتی۔'' عروبہ کا رویہ بظاہر بچکانہ لگتا تھا لیکن عاشی نے اس کے دل میں چھپے خوف تک رسائی حاصل کر لی تھی، اس نے جو سوچا تھا اسد سے کہہ دیا۔
''تو اب میں کیا کروں؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔
''اب یہ بھی میں بتاؤں؟'' عاشی کے گھورنے پر وہ ہنس دیا۔
''دراصل اس سے اظہارِ محبت کرنا میرے لیے بڑا مشکل کام ہے، اس کو دیکھتے ہی مجھے اتنی شرارتیں سوجھتی ہیں کہ......'' ابھی اس کی بات مکمل بھی نا ہوئی تھی کہ ندا اور عروبہ گھر میں داخل ہوئیں۔
''اوہو آگئیں دنیا جہان کی کریمیں خریدنے میں پیسے ضائع کر کے؟'' عروبہ کو دیکھتے ہی وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔
''تم نہیں سدھر سکتے۔'' عاشی ہنستے ہوئے شام کی چائے بنانے کچن کی طرف چل دی، مگر اب وہ مطمئن تھی کہ اس نے اسد تک اپنی بات پہنچا دی تھی

اور اب یقیناً عروبہ کا پرابلم حل ہو جائے گا۔ چائے بناتے ہوئے وہ مسلسل عروبہ اور اسد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''عروبہ بھی کتنی بے وقوف ہے اسد کی شرارتوں میں چھپی محبت اس کو نظر ہی نا آئی، اور ایک میں ہوں۔ بس آنکھوں کو پڑھنے کا جرم ہوا تھا اک بار اور سزا جانے کب ختم ہوگی؟ شاید کبھی نہیں۔'' باہر سے اسد اور عروبہ کے جھگڑنے کی آوازوں کو سنتے ہوئے اس نے اداسی سے سوچا۔ ''شان نے ابھی تک میری کہانی نہیں پڑھی۔'' اپنے ذہن میں آتی اس سوچ کو جھٹکتے ہوئے وہ چائے لیے صحن کی طرف چل دی۔

☆......☆......☆

''ہائے کزن کیا ہو رہا ہے؟'' اسد کے اس قدر صلح جُو انداز پر عروبہ کا چونکنا لازمی تھا۔ ''تھوڑا ٹائم ہوگا تمہارے پاس؟؟'' وہ عروبہ کی حیرت بھری نظر کو نظر انداز کر گیا اور رمضان میں ٹی وی دیکھنے پر اس کی کلاس لینے کی بجائے وہ ایک بار پھر بڑے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

''بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟'' عروبہ کے مشکوک لہجے میں طنز کرنے پر اسد نے بامشکل خود کو کچھ الٹا سیدھا جواب دینے سے روکا۔

''دراصل تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔'' وہ عروبہ کی حیرت میں مزید اضافہ کرتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا۔

''مجھ سے؟''

''ہاں تم سے، چلو یہ سب سامان چھوڑو آؤ باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔''

''کیوں یہاں بات کرنے میں کیا خرابی ہے؟'' لیکن عروبہ کی بات کا جواب دیے بنا، وہ اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کر کے اس کا ہاتھ تھامے لان کی طرف چل پڑا۔

''اف ہاتھ تو چھوڑو یہ آج تمہیں ہوا کیا ہے آخر؟'' اس کی اتنی زیادہ اور مسلسل سنجیدگی اور رازدارانہ سے رویہ کی وجہ سے وہ تجسس کے ساتھ ساتھ جھنجلاہٹ کا بھی شکار ہو رہی تھی۔

''ارے اب بتا بھی چکو'' پچھلے دو منٹ سے خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد آخر عروبہ کو بولنا پڑا۔

''میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے، میرا مطلب تمہاری اور میری۔ میں اس بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ منتظر نظروں سے عروبہ کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا ''میری امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔''

''مگر یہ تو آنٹی انکل چاہتے ہیں نا؟ تم کیا چاہتے ہو؟''

''میرا کیا ہے یار ایک تو میں امی ابو کی مرضی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا اور دوسرے دیکھا جائے تو تم میں کوئی ایسی خاص برائی بھی نہیں ہے، بس رنگ تھوڑا کالا ہے، ناک تھوڑی چھوٹی ہے، خیر ہے چلے گا۔ بیوی زیادہ خوبصورت ہونی بھی نہیں چاہیے ورنہ ایویں خوامخواہ نخرے اٹھانا پڑتے ہیں۔ تھوڑی بے وقوف بھی ہو تو کیا ہوا بے وقوف بیوی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے۔ باقی کام شام کر لیتی ہو گھر کے یعنی کہ یہ سب ملا کر دیکھا جائے تو تم سے شادی کرنے میں کوئی ایسی خاص برائی نہیں ہے۔ اس لیے میری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں اب تم بولو۔'' وہ پکا سوچ کر آیا تھا کہ اسے تنگ نہیں کرے گا سنجیدگی سے بات کرے گا، اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر کے اس کے دل سے ہر خدشہ نکال دے گا لیکن عروبہ کا چہرہ دیکھتے ہی وہ پھر شرارت کر گیا تھا

لیکن یہ شرارت اسے کتنی مہنگی پڑنے والی تھی یہ اسے معلوم نہ تھا۔ عروبہ کچھ بھی کہے بنا وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی اور اس کے لاکھ بلانے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

لفظ اندھے کبھی نہیں ہوتے
بولنے والا سوچتا ہی نہیں

بچپن سے ہی اسے احساس تھا کہ ندا اور شان کے مقابلے میں اس میں کوئی کمی ہے، جہاں کہیں وہ تینوں اکٹھے ہوتے وہ ہمیشہ محسوس کرتی کہ لوگ اس کی نسبت اس کے بہن بھائیوں کو زیادہ توجہ زیادہ پیار دیتے ہیں، تھوڑی بڑی ہوئی تو لوگوں کے حیرت بھرے سوال اسے الجھانے لگے جب وہ کہیں بھی اسے دیکھ کر کہتے ارے یہ تو لگتی ہی نہیں کہ ندا اور شان کی بہن ہے تو وہ انجانے احساس جرم کا شکار ہونے لگتی، انہی باتوں کی وجہ سے وہ لوگوں سے کترانے لگی عین ممکن تھا وہ دنیا سے کٹ کر اپنے خول میں سمٹ جاتی لیکن پھر ایک دن اس کے بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ کچھ الجھی الجھی سی وہاں پہنچی تھی۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ بابا جان اسے اس طرح بلائیں۔

''آپ نے مجھے بلایا بابا جان؟'' وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔ اجازت ملتے ہی وہ ان کے سامنے جا بیٹھی۔ عروبہ ان کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ بڑے غور سے اس کے مرجھائے ہوئے معصوم چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

''ہم سے دوستی کرو گی بیٹا جی؟'' عروبہ کو ان سے ایسے کسی بھی سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ لمحہ بھر حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر ان کے بڑھے ہوئے مضبوط ہاتھ میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ تھما دیا۔

''تو آج سے میری بیٹی اپنے دل کی ہر بات اپنے بابا دوست کے ساتھ شیئر کرے گی، ٹھیک ہے نا؟'' اور اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور بس اس دن کے بعد سے اس میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہوتا چلا گیا اب وہ لوگوں کی نظروں سے گھبرانے والی محفلوں سے کترانے والی عروبہ نہیں تھی وہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا آپ منوانے کی صلاحیت رکھتی تھی لیکن شاید کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ لوگوں کی جن نظروں اور کمنٹس کو وہ مسکراتے ہوئے نظر انداز کرتی رہی تھی، اس کے اندر کہیں جا بیٹھے تھے، دل میں ابھرتے ڈھیروں خدشات ایسے تھے جنہیں وہ باپ کے ساتھ شیئر نہیں کر پائی تھی، انہی میں ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ اس سے کبھی کوئی پیار نہیں کر سکتا، جو کوئی بھی اس سے شادی کرے گا اس کی وجہ یا تو اس کے باپ کی دولت ہوگی یا پھر کوئی اور مقصد، اور یہی خوف تھا جس کی بنا پر وہ ہمیشہ لو میرج کے حق میں بولتی رہی تھی۔

'ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا۔ اسد نے پہلی بار تو میرا نداق نہیں اڑایا پھر آج میں کیوں اس کو اتنا سیریس لے رہی ہوں؟' اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے اچانک ہی خیال آیا تھا۔

''آج سے پہلے اس نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔'' اسے اپنے دل سے ہی اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ کچھ اور ٹھٹک گئی۔ اسد کی عادت تھی ہر وقت نداق کرنے کی وہ بھی آج تک دوبدو جواب دیتی آئی تھی۔

'آج اسد کی اتنی باتوں کے جواب میں، میں نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ کیوں؟ میں وہاں سے اتنی خاموشی سے کیوں اٹھ آئی؟؟'' وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑی مدت بعد خود سے یوں سوال

جواب کر رہی تھی اور اکثر ایسے اوقات میں ہونے والے انکشافات بہت جان لیوا ہوا کرتے ہیں جیسے اس پر آج یہ انکشاف ہوا تھا کہ اسد کی محبت نا جانے کب اس کے دل میں آ بیٹھی تھی، جسے آج تک وہ اپنے غصے اور جھگڑے کی آڑ میں اسی ڈر سے چھپائے ہوئے تھی کہ وہ اس کے جذبات کا مذاق اڑائے گا، انکار کر دے گا کیونکہ وہ اس جیسے ہینڈسم بندے کی آئیڈیل کبھی نہیں ہو سکتی تھی اور اسے آج ہی خبر ہوئی تھی کہ آج تک خود کو خوبصورت بنانے کے لیے جو ٹوٹکے اور کریمیں وہ استعمال کرتی آئی تھی وہ بھی لاشعوری طور پر اسد کی پسند کی لڑکی بننے کی ایک کوشش کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

''میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔'' عروبہ کا ذہن ایک بار پھر اسد کی باتیں دہرانے میں مصروف ہو چکا تھا۔ اس نے یونہی نظر اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا، سیاہ رات کے اندھیرے کو چیر کر آنے والا اجالا آنے والی صبح کی خبر دے رہا تھا، یعنی اس کے پاس آنسو بہانے اور دل کو بہلانے کے لیے بہت تھوڑا ٹائم تھا۔ اپنی عزت نفس کا سودا تو وہ کسی طور نہ کر سکتی تھی، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اسے اپنے آنسوؤں کے نشان تک مٹا دینے تھے۔

☆......☆......☆

''میں نے تم سے اُس روز ایک سوال کیا تھا لیکن تم جواب دیے بنا ہی غائب ہو گئیں۔'' بہت دن تک وہ اسد کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی تھی لیکن آخر کب تک......؟ آج وہ پھر سامنے کھڑا اپنے سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔

''کونسا سوال؟'' لمحہ بھر کو اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے وہ انجان بنی پوچھ رہی تھی۔

''تمہاری اور میری شادی کا سوال۔''

''ارے تم نے وہ سوال سنجیدگی سے کیا تھا؟ میں تو سمجھی مذاق کر رہے ہو۔''

عروبہ کی بے نیازی عروج پر تھی۔ ''تمہیں لگتا ہے میں ایسے سنجیدہ معاملے میں تم سے مذاق کروں گا؟'' وہ اس بار جیسے زچ ہوا۔

''یہ بات مذاق کے سوا بھلا ہو بھی کیا سکتی ہے؟ کہاں تم کہاں میں، بہت فرق ہے ہمارے مزاج میں، ہمارے سوچنے کے انداز میں۔ میں تو ایسے کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔'' آخر میں وہ ہنس دی اور سر جھٹکتی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تبھی وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بس ہو گیا؟؟ لے لیا اپنا بدلہ؟ مل گئی تسکین؟ اب میری بات دھیان سے سنو! مجھے کبھی تمہارے دل کی بات جاننے کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی اور میں سمجھتا تھا اتنے لمبے ساتھ میں تم بھی میری آنکھوں کی زبان سمجھنے لگی ہو گی مگر تم...... خیر جس بات کا اعتبار تمہیں میری آنکھوں سے نہیں ملا میرے الفاظ شاید تمہیں اس کا یقین دلا دیں۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے خوابوں میں ہم سفر کے روپ میں تمہیں ہی دیکھا ہے، اب کہو کیا تمہیں میرا ساتھ قبول ہے؟''

''لیکن تم نے تو کہا تھا تم انکل آنٹی کی خوشی کے لیے اس رشتے کے لیے ہاں کر رہے ہو۔'' اس نے جیسے شکایت لگائی۔

''بات یہ ہے مائی ڈیئر کزن! ویسے تو میں اچھا خاصا ذہین فطین قسم کا بندہ ہوں you know مگر ہر ذہین آدمی کے دماغ میں بھی کبھی نہ کبھی خلل آ جاتا ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔'' وہ پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر فوراً

بات بدل دی۔ ''جو میں اب کہہ رہا ہوں خدارا اس پر دھیان دو لڑکی۔''

''اور تمہیں تو بہت خوبصورت بیوی چاہیے میں تو خوبصورت بھی نہیں۔'' عروبہ نے اسد کے عاجزانہ لہجے کا ذرا بھی نوٹس نہ لیا تھا۔

''عروبہ......'' اس پکار میں جانے کیا کچھ تھا وہ بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔ ''میں نے کہا ہے عروبہ کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ محبت چہروں سے نہیں ہوا کرتی، محبت دل سے کی جاتی ہے۔ محبت رویوں اور کردار سے کی جاتی ہے، محبت تن سے نہیں من سے کی جاتی ہے مائی ڈیئر۔ میں ہمیشہ تمہیں ستایا کرتا تھا۔ رنگ گورا کرنے والی کریموں کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر تم پر ہنستا تھا تو اس کا مقصد تمہارا مذاق اڑانا نہیں تھا بلکہ میں چاہتا تھا تم میری باتوں سے تنگ آ کر ہی سہی مگر وہ سب چھوڑ دو اور یقین کر لو کہ تم جو ہو، جیسی ہو بہت اچھی ہو، بہت خوبصورت ہو اور میری نظر سے دیکھو عروبہ تو جان لو گی کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔'' وہ اس کے دل میں چھپے کانٹوں کو نکالتا ساتھ ساتھ پیار کا مرہم بھی رکھ رہا تھا۔ عروبہ نے پہلی بار اپنے کندھوں اور دل سے کوئی بھاری بوجھ سرکتا محسوس کیا، وہ خود کو بہت پُرسکون، بہت آزاد محسوس کر رہی تھی۔

''سنو تمہارے لیے تو عیدی بھی خرید لی گئی ہے جو امی ابو بہت جلد تمہارے گھر لانے والے ہیں لیکن بس ایک چیز کی کمی رہ گئی۔''

''وہ کیا؟'' وہ جو بڑے دھیان سے مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی چونک کر پوچھنے لگی۔

''یار وہ میں نے سب چیزیں خریدیں مگر کوئی رنگ گورا کرنے والی کریم خریدنا بھول گیا۔'' وہ ایک بار پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اب عروبہ پر حقیقت آشکارا ہو چکی تھی۔

''اب اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''رئیلی؟'' وہ پھر چھیڑنے لگا۔

''یقین نہیں؟؟''

''تمہارا ہی تو یقین ہے۔'' اسد کے اعتماد سے کہنے پر بہت دن بعد عروبہ کھل کے مسکرائی تھی۔

☆......☆......☆

آج پندرھواں روزہ تھا اور اسد کی فیملی بھی آج افطاری پر مدعو تھی، سو روز کی نسبت آج افطاری اور ڈنر کا اہتمام بھی کچھ خاص تھا۔ افطار کے بعد کھانا بھی بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا اس کے بعد بڑے صحن میں اور بچے ٹی وی لاؤنج میں محفل جما کر بیٹھ گئے۔ اذان ہوئی تو مردوں نے تراویح کے لیے محلے کی مسجد کا رخ کیا اور لڑکیاں جلدی جلدی کچن سمیٹنے لگیں، جانتی تھیں کہ نماز کے بعد چائے کا ایک اور دور چلنے والا ہے۔ آج وہ لوگ خاص مقصد سے آئے تھے یعنی اسد کے لیے عروبہ کا ہاتھ مانگنے اور صرف اتنا ہی نہیں ساتھ میں اس کی عیدی بھی لائے تھے۔

''مجھے یقین تھا کہ میری بہن میرا مان رکھ لے گی بس اسی لیے اپنی بیٹی کی عیدی بھی ساتھ ہی لے آیا۔ انشاء اللہ اگلی عید تو یہ اپنے گھر جا کر ہی کرے گی۔'' صحن سے آتی ماموں جی کی آواز سن کر عروبہ کے چہرے پر کتنے ہی دھنک رنگ بکھر گئے تھے۔ عاشی نے کن انکھیوں سے یہ خوبصورت منظر دیکھا اور مسکرا دی۔

☆......☆......☆

آج شان فرصت سے بیٹھا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ آج عائشہ کی اسٹوری پوری پڑھ کر ہی اٹھے گا۔ وہ کہانی اور اس کے کردار اس کے لیے اجنبی نہیں تھے دراصل وہ اس کی اور عائشہ کی خاموش محبت کی کہانی تھی۔ شان کے رویے سے مایوس عاشی نے بہت ہی

دکھی اینڈ کیا تھا اس کہانی کا۔ ''تمہیں اللہ پوچھے، عاشی میڈم! اس قدر دل دکھانے والا اینڈ...... تم کبھی اچھی رائٹر نہیں بن سکتیں، ایک دم فلاپ ہو'' the end لکھا دیکھ کر شان تصور ہی تصور میں عاشی سے باتیں کرنے لگا۔

''لگتا ہے تمہیں کہانی لکھنا سکھانا ہی پڑے گا۔'' وہ کچھ فیصلہ کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

''آداب!'' شان کی آواز پر عاشی تیزی سے پلٹی۔ وہ آج صبح ہی تو گاؤں پہنچی تھی اگر چہ آنٹی چاہتی تھیں کہ اس بار وہ عید ان کے ساتھ کرے لیکن وہ اپنے گھر آنے کو بے تاب تھی اور ویسے بھی اب وہاں اس کا دل نہ لگ رہا تھا۔

''آپ یہاں؟ اس وقت؟'' اس کا حیران ہونا بجا تھا کیونکہ کل عید متوقع تھی اور ایسے وقت میں شان کی گاؤں میں موجودگی چہ معنی ''میں نے تمہاری کہانی پڑھ لی تھی اور اس کے بارے میں اپنی رائے دینا چاہتا تھا لیکن میں دو دن کے لیے شہر سے باہر گیا اور تم یہاں آگئیں، تو میں نے سوچا کہ نیک کام میں دیر کیسی سو میں یہاں چلا آیا۔'' مسلسل بولتا شان کہیں سے بھی وہ سنجیدہ، لیا دیا رہنے والا شان نہیں لگ رہا تھا بلکہ آج وہ ندا اور عروبہ کا سگا بھائی لگ رہا تھا۔

''لیکن......''

''لیکن ویکن چھوڑو اور سنو! تمہاری کہانی ویسے تو بہت اچھی ہے، خاص طور سے شاعری کا انتخاب بہت خوب تھا لیکن اسٹوری میں کچھ گڑبڑ ہے۔ ایک تو تم نے اپنی کہانی کے ہیرو بیچارے کو کچھ زیادہ ہی انا پرست اور بے وقوف دکھا دیا۔''

''بے وقوف کیسے میں نے تو......''

''ارے بابا اپنی محبت، اپنی زندگی کو اس طرح انا کی نظر کر دینے والا بے وقوف نہیں تو اور کیا ہے؟ اور دوسری بات اسٹوری کا اینڈ مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ اتنا رونے دھونے والا اینڈ پڑھ کر بے چاری لڑکیوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کہانی میں تھوڑی سی خوشگوار تبدیلیاں کرو اور ڈائجسٹ میں عید نمبر کے لیے بھیج دو۔

''ارے تم نے رونا کیوں شروع کر دیا۔'' ڈائجسٹ کا نام آتے ہی عاشی کو منہ بسورتے دیکھ کر وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

''اب ڈائجسٹ میں بھیجنے کا وقت کہاں رہا۔''

''حد ہے یار! میں تمہاری زندگی کی کہانی سنوارنے آیا ہوں اور تم خوش ہونے کی بجائے اپنی یہ جھوٹی کہانی ڈائجسٹ میں نہ چھپنے پر آنسو بہا رہی ہو۔'' وہ ملامتی لہجے میں بولا۔

''یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے۔'' وہ ذرا غصے سے بولی، اپنی ہی ساری زندگی، اپنے جذبات تو لکھ ڈالے تھے عاشی نے اس کہانی میں، تو وہ اس کہانی کو جھوٹی کہانی کیسے مان لیتی بھلا۔

''جھوٹی ہے، اس میں تم نے میری کتنی برائیاں کی ہیں۔ تمام عمر کا مجھ پر آیا غصہ سب اس میں لکھ ڈالا نا تو یہ سب جھوٹ ہے اور سنو!'' یکدم اس نے عاشی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور چند لمحے یونہی خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

''چھوڑو عاشی ان کہانیوں کو آؤ ہم اپنی کہانی لکھتے ہیں۔ اپنے جذبوں اور بے قراریوں سے سجی ایک خوبصورت کہانی، جس میں بس پیار ہوگا، صرف ہنسی اور خوشی ہوگی کوئی دکھ نہیں، کوئی آنسو نہیں، کیا خیال ہے؟'' آخر میں وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کے گالوں پر ڈھلکتے موتیوں کو سمیٹنے لگا تو عاشی کی نظریں حیا سے جھک گئیں۔

''ارے ہاں مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا تھا۔'' وہ

اپنی پاکٹ ٹٹولتے ہوئے بولا تو عاشی خاموشی سے اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اپنے دل کی بات کاغذ سے پڑھ کر سنائیں گے۔'' آنکھوں کے ساتھ لہجے سے بھی شکایت جھلکی تو وہ ہنس دیا۔

''سوری یار بہت ٹرائی کیا مگر اتنی ایمرجنسی میں یاد ہی نہ ہو کر دی اور تم تو جانتی ہو نا مجھے شاعری ویسے بھی یاد نہیں رہتی مگر تم ان لفظوں کو دل سے سننا کیونکہ یہ میرے دل کی آواز ہیں۔'' وہ ان خفا خفا سی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا التجا کرنے لگا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنی پاکٹ سے انگوٹھی نکال کر اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنانے لگا، تو عاشی ایک بار پھر آنکھوں کے جھروکوں پر پلکوں کی چلمن گرا گئی۔

محبت زندگی کا استعارہ ہے
تبھی تو یوں ہے
زیست میری ہے
حق تمہارا ہے

''یہ سب آپ نے پہلے کیوں نہیں کہا؟'' لفظوں کی خوبصورتی اور اس کے لہجے کی گھمبیرتا میں کھوئی عاشی دھیرے سے بولی۔

''پہلے کہہ دیتا تو تمہارا اتنا خوبصورت اظہار محبت کیسے ملتا۔'' اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

''کیا مطلب میں نے کب اظہار کیا؟''

''وہ جو کہانی میں مریم......''

''وہ صرف میری کہانی کی ہیروئن کے جذبات تھے اور کہانی کی ڈیمانڈ۔ آپ کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔'' وہ خوامخواہ نظریں چرانے لگی۔ ''ویسے یوں کہانی کے ذریعے اظہار کرنے کا طریقہ بڑا مختلف تھا آخر کو رائٹر ہونا'' وہ پھر شریر ہوا۔

''دیکھو میں نے کہا نا وہ صرف کہانی......''

او کے او کے چلو ٹھیک ہے۔ مان لیا مگر میں نے جو کہا ہے وہ بالکل سچ ہے'' اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی سچائی اور شدتوں کا گواہ بن کر عاشی کے دل کو چھونے لگا۔

''ایک مہینہ اٹھارہ دن۔'' عاشی بے ساختہ بول اٹھی۔

''اب یہ کیا ہے؟'' وہ الجھا۔

''آپ کو کہانی دیے اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے اور آپ کو اب یہ سب کہنے کا خیال آیا ہے۔ جانتے ہیں یہ سارا ٹائم میں نے کیسے گزارا ایک ایک لمحہ......'' وہ کہتے کہتے لب بھینچ گئی اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اظہار کے پھول شان کے ہاتھوں میں تھمانے چلی تھی جبکہ ابھی وہ اسے کچھ اور ستانا چاہتی تھی۔ حق تھا بھئی اتنا انتظار جو کیا تھا اس نے۔

''وہ دراصل تمہاری کہانی تو میں نے بہت پہلے پڑھ لی تھی مگر......وہ کیا ہے کہ میں نے اسکول کے زمانے میں خواتین کے کچھ ڈائجسٹ پڑھے تھے اور ان میں ہیرو اظہار کے لیے ہمیشہ چاند رات کا انتخاب کرتا ہے سو میں بھی......'' وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتا بڑی معصومیت سے وجہ بتا رہا تھا اور اس کی اس توجیہہ پر عاشی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''آپ پاگل ہیں ذیشان'' اس کے لہجے میں سرشاری ہی نہیں ڈھیر سارا پیار بھی شامل تھا۔

''ہاں پاگل ہوں......تمہارا پاگل۔'' دوسری طرف جواب دینے میں لمحہ بھر بھی دیر نہ ہوئی تھی۔ ان کے آنگن میں اترتی اٹھلاتی گنگناتی چاند رات ایک خوش رنگ سویرے کا اعلان کرنے لگی تو وہ دونوں بھی آسمان کے سینے پر سکون سے سر رکھے عید سعید کا پیغام دیتے چاند کو دیکھتے مسکرا دیے۔

☆☆......☆☆

LAST MESSAGE

گزرتی عمر کی سیڑھیاں جوں جوں رفعت چڑھتی جارہی تھی۔ اُس کے مزاج میں چڑچڑاپن شامل ہوتا جارہا تھا۔ وہ کچھ کچھ ذہنی مریضہ سی بنتی جارہی تھی۔ اُس کی عمر کی سہیلیاں اور کزنیں تین تین چار چار بچوں کی ماں تھیں۔ اُس کے پھیلے وجود اور......

محبت کی روانی لیے، ایک خوب صورت افسانہ

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاندراتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اُڑ کر تمہارے قدموں میں آگرے تو
یہ جان لینا، وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے......
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اُس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے

اُس نے آہستگی سے گلابی لفافے میں وہ کاغذ تہہ کر کے رکھ دیا۔

شدتِ غم سے دل بوجھل ہو رہا تھا۔ کیا یہ سب یوں ہی ہونا تھا۔ کیا تدبیریں تقدیر کے فیصلوں کے آگے ہار جاتی ہیں؟

وہ بے بسی سے اپنا نچلا ہونٹ کچلنے لگی پھر کچھ سوچ کر ہاتھ میں پکڑا گلابی لفافہ اپنی ڈائری کے اندر رکھ دیا۔ پھر اپنا میرون سوٹ کیس کھولا جو نئے نویلے کپڑوں کے انبار سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے کپڑوں کے اِسی ڈھیر کے نیچے ڈائری دفن کر دی اور واپس اپنا سوٹ کیس بند کر کے وہیں رکھ دیا جہاں سے اُٹھایا تھا۔ کچھ دنوں بعد یہ سامان اُس کے باقی جہیز کے سامان کے ساتھ چلے جانا تھا۔

زندگی کے بعض لمحے کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہی تقدیر کے فیصلے کے آگے ہار جاتے ہیں۔ وہ محبتوں سے گندھی حساس لڑکی تھی۔ اپنی خوشیاں دوسروں پر نچھاور کر دینے والی...... اُس کی اِس ایک زندگی کی قربانی سے کئی زندگیاں سنور جانے والی تھیں۔

اُس کا دِل...... اُس کا جسم و جاں بہ ظاہر مضبوط دیوار کی مانند کھڑا تھا۔ لیکن اندر سے خالی ڈبہ تھا۔ جسے پانے کی خواہش سے وہ اب تک بے خبر رہی آج اُسے کھونے جارہی تھی۔ اپنے ہی ہاتھوں سے اُس نے اپنی تقدیر پر اپنا فیصلہ ثبت کیا تھا۔ لیکن وہ

اِن یادوں کا کیا کرتی جو کسی آکٹوپس کی طرح اُسے جکڑے ہوئے تھیں۔

اُسے اپنی ماضی کی شرارتیں یاد آ رہی تھیں۔ جو وہ دونوں مل کر کیا کرتے۔ پڑوسیوں کے جامن کے درخت پر چڑھ کر جامن توڑ کر کھانا، پھر گھر والوں سے ڈھیروں بہانے بنانا۔ وہ سارے پل اب اُس کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ وہ ان ہی خوبصورت پلوں کو سوچ کر مسکرا دی۔ دماغ پر چھایا غبار اور دل کا بوجھل پن دور ہونے لگا۔ وہ خود کو کچھ دیر کے لیے ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔

یادیں زندگی پر پتھر کی لکیریں بن جاتی ہیں۔ ایسی لکیریں جنہیں چاہ کر بھی کھرچا نہیں جاسکتا۔ وقت اور حالات کے تقاضے انسان کو اِن یادوں سے کچھ دیر کے لیے چھٹکارا تو دلا دیتے ہیں لیکن زندگی کے بعض لمحے اِن ہی یادوں کو روبرو لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ اِن سے منہ موڑنا چاہو بھی تو یہ ممکن نہیں۔

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں کہ اچانک اُس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اُس کی چھوٹی بہن کرن کمرے میں داخل ہوئی۔

''آپی! تائی اماں آئی ہیں۔ آپ سے ملنے کا کہہ رہی ہیں۔'' اُس کا دل دھڑک اُٹھا، وہ بغیر کسی پس وپیش کے کرن کے ساتھ لاؤنج میں آ گئی۔ تائی اماں اُس کے جہیز کا پھیلا ڈھیروں سامان ذوق و شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ سلمیٰ آپی اور دانش کے ساتھ آئی تھیں۔

''السلام وعلیکم!'' وہ تائی اماں کے سامنے اپنا سر خم کرتے ہوئے بولی۔ جواب میں اُسے انہوں نے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں اور اپنے پاس

بٹھالیا۔

اُس نے دیکھا لاؤنج میں اُس کے داخل ہوتے ہی دانش نے اُس کی طرف دیکھے بغیر پہلو بدل لیا تھا۔ وہ اُس کی نظروں میں آئی بے گانگی محسوس کررہی تھی۔ لیکن اپنے چہرے سے دل پر لگی اِس ٹھیس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ دیوار کی طرح مضبوط بنی سب کے درمیان اطمینان سے باتیں کرنے لگی۔

''سلمیٰ آپی کیسی ہیں آپ اور کب آئیں؟ رفعت باجی کو بھی لے آتیں نا۔''

''گھر میں بہت کام ہیں چندا۔ تمہیں علم تو ہے اب تو رفعت چند ماہ کی مہمان ہے۔ تمہاری شادی کے دو ماہ بعد اُس کی شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے۔ اور ہمارے شہزادے کو دیکھو جب سے اِن کی شادی کا سلسلہ چلا ہے یہ تو مسٹر سنجیدہ ہوگئے ہیں اور ہمارے شوخ و شریر سے دانش لاپتا ہوگئے ہیں۔ تم اِس کی بچپن کی ساتھی ہو۔ اب تم ہی سمجھاؤ، ہماری تو سُنتا نہیں۔ گھر سے آفس اور آفس سے گھر کا ہوگیا ہے۔ کہیں آنے جانے کے نام سے ہی بھاگتا ہے۔ آج صبح ہی امی کے ہاں آئی ہوں۔ سوچا تم سب سے مل لوں، کوئی کام ہے تو پوچھ لوں۔ کل واپس سسرال چلی جاؤں گی۔ اگلے ہفتے تم مایوں بیٹھ جاؤ گی پھر مل کر بیٹھنے کی فرصت کسے ملے گی اور اِن صاحب کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔''

اُس کے اندر تاریک سائے لہرانے لگے۔ دل میں عجیب سی چبھن کا احساس ہونے لگا۔ اِس وقت خود کو سنبھالنا کتنا دشوار تھا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر پھیل گئی۔ دانش اُٹھ کر جا چکا تھا۔

''بیٹا ہم تمہارے مشکور ہیں۔ تمہارا احسان تو چکانا بھی چاہوں تو بھی نہیں چکا سکتی۔ مجھ بیوہ کا تم پر بڑا قرض ہے۔'' تائی اماں کی آنکھیں برسیں۔

''ایسے مت کہیے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اپنوں میں احسان نہیں ہوتا۔ آئندہ ایسا سوچیے گا بھی مت۔'' اُس نے مزید کچھ کہنے سے تائی اماں کو روک دیا۔ تائی اماں کی اِس قدر عاجزی اُسے شرمندہ کررہی تھی۔

''ہم سفید پوش لوگ رفعت کی شادی کے لیے اِس قدر پریشان تھے۔ سلمیٰ کی شادی تو انٹر کرتے ہی اپنوں میں ہوگئی۔ اب اِس کے رشتے کا بھی سبب اللہ نے بنا دیا۔ رفعت کے سسرال والے اِس رشتے کے لیے اِسی شرط پر آمادہ تھے کہ وہ وٹہ سٹہ کرنا چاہتے ہیں۔ بس دانش ہی مان کر نہیں دے رہا تھا۔ یہ تم ہی ہو جس نے اُس کو آمادہ کیا ورنہ ہم تو بیٹا مایوس ہی ہو چلے تھے۔'' وہ کہے جارہی تھی اور تائی اماں کو امی جان تسلیاں دے رہی تھیں اور اُس کی نظریں وہیں جمی ہوئی تھیں۔ جہاں کچھ دیر پہلے کوئی موجود تھا۔

اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پر ہاتھ رکھنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا

اُسے لگا جیسے اُس کے کانوں میں کوئی سرگوشی کررہا ہے۔ وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں سب ہی لوگ موجود تھے اور اپنی باتوں میں مگن تھے۔ صرف وہ ہی نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے منہ بنا کر چلا گیا تھا۔ اُسے کمرہ یکدم سنسان لگنے لگا۔ اپنے سنسان ہوتے وجود کی طرح......

☆......☆......☆

دانش اُس کا تایازاد کزن تھا۔ دونوں ہم عمر اور ہم مزاج تھے۔ دانش سے بڑی دو بہنیں سلمیٰ اور رفعت تھیں۔ بشریٰ اُس کی چچازاد کزن تھی۔ اُس کا شروع سے چچا کے گھر آنا جانا تھا۔ گھر زیادہ فاصلے پر نہ تھے۔ بشریٰ سے چھوٹی بہن اُس سے پانچ برس

چھوٹی تھی۔ دانش اور بشریٰ اسکول کالج کے بعد یونیورسٹی بھی ساتھ ہی پڑھتے رہے۔ دانش بشریٰ کے مقابلے میں پڑھائی میں کمزور تھا۔ اپنے سارے اسائنمنٹ اُسی سے تیار کرواتا۔ بشریٰ شروع میں جھنجلاتی پھر اُس کے ہر کام خود کرنے کی عادی ہوتی چلی گئی۔ وہ اُس کے مزاج سے بھی اِس قدر آشنا ہو چکی تھی کہ اُس کے کہہ دینے سے قبل ہی اکثر باتیں سمجھ جایا کرتی۔ دونوں کی دوستی اور ذہنی ہم آہنگی اِس قدر تھی کہ اِن دونوں کا کوئی دوسرا رازداں نہ تھا۔

کب دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوگئے خبر نہ ہوئی۔ خبر تب ہوئی جب رشتہ کروانے والی رشیدہ خالہ رفعت کا رشتہ لائیں۔ پہلے دن رفعت کو دیکھ کر ایک نظر دانش پر ڈال کر جانچتی نظروں نے کہلوا بھیجا کہ وہ وٹہ سٹہ کرنا چاہتے ہیں۔ سالوں بعد آیا رشتہ ٹھکرانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ رفعت کا رنگ سلمٰی کے نسبت کم تھا۔ وہ دیکھنے میں بھی جاذبِ نظر شخصیت کی مالک نہ تھی۔

گزرتی عمر کی سیڑھیاں جوں جوں رفعت چڑھتی جارہی تھی۔ اُس کے مزاج میں چڑچڑاپن شامل ہوتا جارہا تھا۔ وہ کچھ کچھ ذہنی مریضہ سی بنتی جارہی تھی۔ اُس کی عمر کی سہیلیاں اور کزنیں تین تین چار چار بچوں کی ماں تھیں۔ اُس کے پھیلے وجود اور قبول صورت کو، آنے والا ہر رشتہ انکار کی نوید سنا دیتا۔ اب جو رشتہ آیا بھی تو وٹہ سٹہ، دانش نے سُنا تو ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ وہ کسی طور راضی نہ تھا۔

''کیسی ہو؟'' وہ لان میں کرسی پر بیٹھی شام کے ڈھلتے سائے دیکھ رہی تھی کہ دانش اُس کے مقابل بیٹھتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟'' ایک طویل خاموشی کے بعد وہ بولی۔ آج دونوں کے لہجے گرمجوشی سے خالی تھے۔

''تم نے فون کرکے بلایا تھا...... خیریت؟'' وہ اپنے گھونگریالے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر کنپٹیاں دبا رہا تھا۔

''ہاں! وہ...... میرا ایک پروپوزل آیا ہے۔'' وہ جھجکی تھی۔

''اچھا پھر۔'' وہ ضبط کے ساحل پر کھڑا تھا۔

''پھر یہ کہ تائی اماں جہاں کہہ رہی ہیں وہاں تم ہاں کردو۔'' وہ اپنے اُس مطلب پر آکر بولی جس کے لیے کل شام تائی اماں نے فون پر درخواست کی تھی۔ عجیب اذیت ناک لمحے تھے، جن سے وہ گزر رہی تھی۔ ایک ایسے شخص سے، جس سے کبھی اُس نے کوئی عہدو پیماں نہیں کیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ زور سے دہاڑا۔

''دانش! میری بات ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اپنے گھر کا واحد سہارا ہو۔ تم اپنے گھر کے حالات کو نہیں سمجھو گے تو اور کون سمجھے گا؟ رفعت باجی عمر کے اِس حصے میں ہیں جہاں اُمیدیں دم توڑ رہی ہوتی ہیں۔ تائی اماں کہہ رہی تھیں۔ رشتہ بہت اچھا ہے۔ تمہاری وہاں شادی ہوگئی تو رفعت باجی کے قدم بھی اپنے سسرال میں مضبوط رہیں گے۔ پھر وہ لڑکی بھی پڑھی لکھی اور اچھی ہے۔ تم یقیناً خوش رہو گے۔''

''اور تم؟'' اُس نے سوالیہ نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جو کہتے کہتے بھر گئی تھیں۔ وہ پہلی مرتبہ اپنی آنکھوں سے اپنی محبتوں کی شدتوں کی ترجمانی کررہا تھا۔ دونوں ہی اپنی اپنی دلوں میں چھپی محبتوں سے ایک دوسرے کے لیے چاہت بھرے جذبات رکھتے ہوئے بھی بے خبر رہے۔ دونوں نے کبھی عہد و پیماں نہیں کیے۔ اِس کے باوجود محبت کا ایک احساس خوشبو کی طرح اُن کے دل میں بسا تھا۔ جس کو کبھی انہوں نے زباں تو نہ دی لیکن دل سے دونوں ہی کو اقرار تھا۔

ہاں! محبت ہے۔
وہ دانش کی طرف پھر نظر اُٹھا کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں اُس کی محبت اُس کے مضبوط بت کی دیوار کو پاش پاش نہ کردے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اپنے لفظوں کو سمیٹ لیا۔ پھر وہ رکی نہیں آہستگی سے کہہ کر تیزی سے نکل گئی۔
''دانش! محبت دریا ہے اور دریا کا کام سیراب کرنا ہے چاہے پیاسا کوئی بھی ہو۔''

☆......☆......☆

بشریٰ کے آئے ہوئے پروپوزل پر اُس نے ہاں کردی۔ لڑکا شپ پر ہوتا تھا وہ لوگ شادی جلد کرنا چاہتے تھے۔ اِدھر بشریٰ کے گھر والوں کو اس بات سے نہ اعتراض تھا۔ بشریٰ ماسٹرز کر کے فارغ ہو چکی تھی اور اب اُس کے فرض سے والدین سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ بشریٰ کی ہاں کے بعد تیاریاں زور وشور کے ساتھ ہونے لگیں۔ اُدھر دانش نے اپنی خاموش رضامندی کا پروانہ دے دیا۔ دونوں گھرانوں میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ میں لیے موبائل کی ٹون پر چونکی۔
اُس نے دیکھا اُس کے موبائل پر ایک میسج (Message) آیا ہوا تھا۔ تائی اماں اب بھی باتوں میں مصروف تھیں وہ انہیں ایکسکیوز کہہ کر اپنے کمرے میں موبائل اُٹھا کر آ گئی۔
میسج دانش کا تھا۔ جس کا عنوان تھا۔ ''Last Message''

اگر ستاروں میں، اوس قطروں میں، خوشبوؤں میں، نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمہیں ملوں گا
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا
کہ ہر پتنگے کے ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے اِن پتنگوں کی خاک دریا میں ڈال دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی نہ دیکھے ہوئے جزیرے پہ رُک کے تم کو صدائیں دوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اُس جزیرے پہ بھی اُترنا۔

☆......☆......☆

Last Message پڑھ کر اُس نے بے ساختہ اپنی بہتی آنکھوں سے نکلتے دھاروں کو محسوس کیا۔ اور پھر اُس نے آنکھوں کو بہنے دیا۔ محبت دریا ہے اور وہ اِس نارسائی کو آج دریا میں بہا دینا چاہتی تھی۔ محبت کے جزیرے پر، محبت کا مدفن بنا دینا چاہتی تھی تا کہ پھر کبھی اس سرزمین پر نہ اُتر سکے۔

☆☆......☆☆

درخواست

ٹین ڈبے اور ردی اخبار خریدنے والے نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور صاحب خانہ کے باہر آنے پر بولا۔
''میں آپ کا ہارمونیم خریدنے آیا ہوں' میں ردی چیزوں کے بھی اچھے پیسے دیتا ہوں۔''
''لیکن میں نے تو تمہیں نہیں بلایا؟ میرا تو ہارمونیم بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں؟'' صاحب خانہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔''اور تم سے کس کم بخت نے کہا کہ میرا ہارمونیم ردی ہے؟ میں تو اسے صبح سے شام تک بجاتا ہوں؟''
''مجھے کیا معلوم صاحب' مجھے تو آپ کے پڑوسیوں نے چندہ جمع کر کے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں ہر قیمت پر آپ سے ہارمونیم خرید لوں۔'' ٹھیلے والا سر کھجا کر بولا۔

افسانہ

روشانے عبدالقیوم

سفید کُرتا

یہ واحد اور قیمتی صندوق صرف عید کے موقع پر ہی کھولا جاتا تھا۔ زندگی کی واحد جمع پونجی جو اُس نے بیٹیوں کے جہیز کے لیے جمع کر رکھی تھی۔ اہم موقعوں پر اپنوں اور غیروں نے جو کپڑے وغیرہ دیے وہ سب کچھ اسی صندوق......

حال کا آئینہ، ایک لہو رنگ افسانہ

''امی مجھے اس عید پر نیا سفید کُرتا چاہیے۔ ہر بار آپ کہتی ہیں اگلی عید پر بنادوں گی اور پھر بناتی نہیں ہیں۔ ریحان کی امی کہہ رہی تھیں کہ تم سفید کُرتے میں بالکل شہزادے جیسے لگو گے۔ بس امی اب کی بار مجھے سفید نیا کُرتا چاہیے۔'' ثریا کو رات کے آدھے پہر علی کی ضد یاد آئی، تو بے چینی سے اُٹھ بیٹھی۔

''کیسے سمجھاؤں اپنے جگر گوشے کو......؟ یہاں کھانے کے لالے پڑے ہیں اور وہ اس مہنگائی کے طوفان میں مجھ سے نئے کپڑے بنوانے کی خواہش کررہا ہے۔ باپ بیچارا اک دن کی مزدوری کرلے تو آٹھ سو کما لیتا ہے۔ گھر میں اوپر تلے تین جوان لڑکیاں شادی کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ میرے اختیار میں ہوتا تو ایک چھوڑ دس کُرتے اپنے بچے پر وار دیتی، ایک ہی تو میرا بیٹا ہے۔ ابھی ایک کُرتے کے لیے اِس قدر مچل رہا ہے معصوم۔ کل کو جانے اُسے کس کس شے کی قربانی دینی پڑے گی۔ اپنی خواہشات کو پسِ پشت ڈال کر بہنوں اور بوڑھے والدین کا سہارا بنے گا۔ آج تو جیسے تیسے کر کے ایک کُرتا بنا بھی دوں تو کل اُس نے اپنی ذات کی نفی کر کے بہنوں کی بے ضرر خواہشات پوری کرنی ہیں۔ ایک کڑیل جوان مرد بننا ہے۔ وہ مرد جو تین جوان بہنوں کا اکلوتا بھائی اور بوڑھے والدین کا واحد سہارا۔ میرا بیٹا علی ہوگا۔'' ثریا کو طرح طرح کی سوچوں نے گھیر رکھا تھا۔

اُس نے شوہر کو دیکھا جو چارپائی پر بے سُدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر سیدھی لیٹ گئی۔ کھلے آسمان کے نیچے لیٹے اُس نے اوپر دیکھا، آسمان جابجا ستاروں سے بھرا تھا۔ نیند تو آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔ بھلا جس ماں کا اکلوتا بیٹا، دل میں ارمان لیے پھر رہا ہو۔ اُس ماں کو نیند کیسے آئے گی۔

☆......☆......☆

ثریا تخت پر بیٹھی، سبزی کاٹ رہی تھی۔

اُس کی نظر تیرہ سالہ علی پر پڑی۔ اُس کی معصوم آنکھوں میں اُمید، دکھ، بے یقینی، التجا، آس، کیا کچھ نہ تھا۔ ثریا نے نظریں جھکالیں، علی خاموشی سے باہر چلا گیا۔ ممتا کی خالی مہربان آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

کتنا ہوشیار ہے میرا بیٹا...... ماں کا دکھ سمجھ کر بغیر کچھ کہے چلا گیا۔ صرف میری خالی آنکھوں کا مفہوم سمجھ کر۔ کتنی خوش نصیب ہوں میں، اللہ نے اتنا فرمانبردار اور صابر بیٹا دیا ہے مجھے۔'' بیٹے کی خاموش ادا پر اس کا دل علی پر نثار ہونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ قریب ہوتا تو اس کا منہ چوم لیتی۔

سبزی کاٹ کر اُس نے کچن میں رکھ دی اور ہاتھ دھو کر کمرے میں چلی آئی۔ سال خوردہ لوہے کا صندوق اُٹھا کر زمین پر رکھا اور اُس کا تالا کھولا۔

''نازیہ سے کہا بھی تھا کہ دو دن ہیں عید میں سارے کپڑے اور چیزوں کو نکال کر دھوپ میں رکھ لینا۔ مگر اِس لڑکی پر ذرا اثر نہیں ہوتا۔'' وہ کپڑے نکالتی جارہی تھی اور ساتھ ساتھ بولتی جارہی تھی۔

یہ واحد اور قیمتی صندوق صرف عید کے موقع پر ہی کھولا جاتا تھا۔ زندگی کی واحد جمع پونجی جو اُس نے بیٹیوں کے جہیز کے لیے جمع کر رکھی تھی۔ اہم موقعوں پر اپنوں اور غیروں نے جو کپڑے وغیرہ دیے وہ سب کچھ اسی صندوق میں سنبھال کر رکھے جاتے، وہ سارے کپڑے نکالتی جارہی تھی۔ مگر اُس کے ہاتھ میں کاٹن کا سفید براق کپڑا آیا، اُس نے بے یقینی سے نکال کر بغور دیکھا۔ یہ اُس کا خواب یا خیال نہیں حقیقت تھا، خوشی سے آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''اللہ! تیرا شکر، کتنا مہربان ہے تُو!'' وہ سفید کپڑے کو کبھی آنکھوں سے لگاتی کبھی چومنے لگتی۔ جانے کب سے سنبھال کر رکھا گیا یہ کپڑا اُسے آبدیدہ کر رہا تھا، اُسے یاد ہی نہ تھا ورنہ علی کیوں اتنی سی خواہش کے لیے افسردہ ہوتا۔ یاد کرنے پر اچانک یاد آیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے زکوٰۃ میں علی کے ابو کو یہ سفید سوٹ ملا تھا۔ انہوں نے یہ کہہ کر ثریا کو دیا تھا کہ صندوق میں رکھ لو کفن دفن کے کام آجائے گا، سارا دن محنت مزدوری کرتا ہوں، اتنا اچھا سوٹ پہن کر بھلا کیا محنت مزدوری کروں گا۔ ہم دونوں میں سے پہلے جو بھی مرگیا اُس کا کفن ہوجائے گا۔''

علی کے ابو کی بات کیا یاد آئی دل پر برچھی چل گئی تھی، غریبوں کے کفن بھی کبھی کبھار اُن کے بچوں کے تن پر مجبوری میں سج جاتے ہیں۔ اب تو موت خواہشوں سے زیادہ سستی ہوگئی ہے۔ کفن بھی مل ہی جائے گا۔'' دُکھ سے آنکھوں کا پانی بہہ نکلا۔

''ہمارے کفن سے زیادہ قیمتی ہمارے اکلوتے لختِ جگر کی خواہش ہے، پورا سوٹ سلوا کر اپنے بیٹے کو دکھاؤں گی، کتنا خوش ہوگا، جلد سے جلد بناؤں گی تاکہ اپنے معصوم بیٹے کی خواہش پوری ہونے کی خوشی اور چمک سے ہمکنار چہرہ دیکھ پاؤں۔'' وہ بہت خوش تھی۔ غریبوں کی خوشیاں اتنی ہی بے ضرر اور معصوم ہوا کرتی ہیں۔

☆......☆......☆

''امی کڑھائی صحیح ہے؟'' ثریا کی بڑی بیٹی شگفتہ ماں کو سفید کُرتے کے گلے پر بننے والی کڑھائی دکھارہی تھی۔

''ماشاءاللہ میری بچی، تمہارے ہاتھ میں تو جادو ہے، یہ سادہ سی کڑھائی بھی کُرتے پر کتنی جچ رہی

ہے۔'' ثریا نے شلوار پر سلائی کرتے ہوئے اک نظر شگفتہ کے ہاتھ میں موجود کُرتے پر ڈالی، بلاشبہ کُرتے کے گلے پر سیاہ رنگ کی نازک سی کڑھائی کسی ماہر کاری گر کے ہاتھ کا کمال لگ رہی تھی۔ اُس نے وفورِ محبت سے مغلوب ہوکر بیٹی کا ماتھا چوما۔ شگفتہ اتنی سی تعریف اور پذیرائی پر سرخ پڑگئی۔

''تھوڑی سی سلائی رہ گئی ہے، شلوار سِل جائے تو سوٹ مکمل ہوجائے گا، استری کرکے ہینگر میں لٹکا لینا، چاندرات کو اُسے دکھاؤں گی۔ سلا ہوا نیا سوٹ دیکھ کر کتنا خوش ہوگا میرا معصوم بچہ۔ اللہ واقعی مسبب الاسباب ہے، کیسے خواہش پوری کردی میرے علی کی۔''

ثریا نے سلائی مکمل کرکے شلوار کو ہر زاویے سے جانچا کہ کہیں سلائی نامکمل تو نہیں رہ گئی، اطمینان کرکے شگفتہ کو پکڑادی۔

''جاؤ بیٹا استری کرلو، علی آتا ہی ہوگا۔'' وہ کمر پکڑتی وہیں لیٹ گئی اور شگفتہ 'جی امی' کہہ کر اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

اُس نے الماری سے علی کا ہینگ کیا سفید کُرتا شلوار نکالا اور سامنے ہی کمرے کی کھونٹی سے لٹکا دیا۔

جتنی بار وہ اِس سوٹ کو دیکھتی، ہر بار اُس کا دل خوشی سے تیز دھڑکنے لگتا اور مچلتا کہ کب علی اسے دیکھے اور وہ اُس کا خوشی سے چمکتا معصوم چہرہ دیکھے۔ ماں تھی ناں، قرار تب آتا جب اپنے معصوم بچے کی ناتمام خواہش کو پورا ہوتا دیکھ کر اُس کی خوشی دیکھتی۔ وہ بے چینی سے بیٹے کا انتظار کررہی تھی۔

یہ پہلی عید تھی، جس میں علی نیا سوٹ پہنے گا، عجیب بات یہ تھی کہ پہلے کبھی بھی اُس نے ایسا مطالبہ نہیں کیا تھا، اب اُس نے پہلی بار ضد اور خواہش کی تھی تو ماں بے قرار ہوگئی تھی۔

''الٰہی خیر! یہ آواز کیسی تھی؟'' ثریا بدحواس سی کمرے سے نکلی۔ تینوں لڑکیاں بھی خوفزدہ سی اپنی ماں سے لپٹ گئیں۔ اُس نے سیاہ آسمان کی سمت دیکھا، رات کی تاریکی میں پرندوں کی ایک فوج وہاں سے شور مچاتی گزری تھیں۔

''میرا دل کیوں اتنا دہل رہا ہے؟ اللہ میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔''

نازیہ ماں کی حالت دیکھ کر، بھاگی اور پانی کا گلاس لے آئی۔

''اماں پانی۔'' اُس نے ماں کو سہارا دے کر گلاس اُن کے منہ سے لگالیا۔

☆......☆......☆

آج چاندرات تھی۔ محلے کے سب بچے بازار تک سیر کرنے گئے تھے، کھیل کود کر دیر سے آنے کا کہا تھا گھر والوں سے، جن میں علی بھی شامل تھا۔ واپسی میں وہ لوگ بے خبر باتیں اور ہنسی مذاق کرتے آرہے تھے کہ ایک اسکوٹر اُن کے پاس سے گزرا اور زوردار دھماکے نے ہر منظر دھندلا دیا تھا۔

ایک قیامت تھی، جو ہر سُو چھا گئی تھی۔ بھاگ دوڑ چیخیں، خون...... لاشیں، کہیں کسی کا بازو...... کہیں سر کٹا پڑا تھا۔ جابجا انسانی اعضا بکھرے پڑے تھے جیسے زمین میدانِ جنگ بن گئی ہو، علی کُرتے کی حسرت لیے اس دنیا سے رخصت ہوچکا تھا، وہ کُرتا جو ماں نے سوجتن کرکے...... سِیا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ کُرتا دیکھنے کے بعد علی کا خوشی سے دمکتا معصوم چہرہ دیکھے۔

صرف اُس کی خوشی محسوس کرنے کے لیے۔

ہر گھر میں...... ہر آنکھ اشکبار تھی۔ قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا۔ بے قصور لوگ مر رہے تھے۔

ثریا کا دُکھ دوہرا تھا، ایک تو بڑھاپے کا واحد سہارا چھن گیا دوسرا دُکھ...... کہ وہ بغیر اپنا سفید کُرتا دیکھے اِس دنیا سے جاچکا تھا۔

☆☆......☆☆

رحمٰن، رحیم، سدا سائیں

ملک مصطفیٰ علی خاموش تھے، گہری چپ اُن پر مسلط تھی۔ بلال حمید اُن کے چہرے سے اُن کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ اس وقت ملک مصطفیٰ علی سوچ رہے تھے جب اس معصوم لڑکی کو اس سازش کا علم ہوگا کہ اس کا شوہر کس قدر گھناؤنا منصوبہ......

زندگی کے ساتھ سفر کرتے کرداروں کی فسوں گری، ایمان افروز ناول کا چھٹا حصہ

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

بیک وقت حال و ماضی کے دریچوں سے جھانکنے والی یہ کہانی دیا سے شروع ہوتی ہے۔ جسے مرتد ہونے کا پچھتاوا، ملال، رنج، دکھ اور کرب کا احساس دل و دماغ کو شل کرتا محسوس ہوتا ہے۔ جو رب کو ناراض کر کے وحشتوں میں مبتلا ہے۔ گندگی اور پلیدگی کا احساس اتنا شدید ہے کہ وہ رب کے حضور سجدہ ریز ہونے میں مانع رکھتا ہے۔ مایوسی اس کی اتنی گہری ہے کہ رب جو رحمٰن و رحیم ہے، جس کا پہلا تعارف ہی یہی ہے۔ اسے یہی بنیادی بات بھلائے ہوئے ہے۔ دیا جو درحقیقت علیزے ہے اور اسلام آباد چاچا کے ہاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مکین ہے۔ یوسف کرسچن نوجوان جو اپنی خوبروئی کی بدولت بہت سی لڑکیوں کو استعمال کر چکا ہے۔ علیزے پر بھی جال پھینکتا ہے۔ علیزے جو دیا بن کر اس سے ملتی ہے اور پہلی ملاقات سے ہی یوسف سے متاثر ہو چکی ہے۔

یہ ملاقاتیں چونکہ غلط انداز میں ہو رہی ہیں۔ جبھی غلط نتائج مرتب کرتی ہیں۔ یوسف ہر ملاقات میں ہر حد پار کرتا ہے علیزے اسے روک نہیں پاتی مگر یہ انکشاف اس پر بجلی بن کر گرتا ہے کہ یوسف مسلمان نہیں ہے۔ دنیا میں آنے والے اپنے ناجائز بچے کو باپ کا نام اور شناخت دینے کو علیزے یوسف کے مجبور کرنے پر اپنا مذہب نا چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرتی ہے مگر ضمیر کی بے چینی اسے زیادہ دیر اس پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ وہ عیسائیت اور یوسف دونوں کو چھوڑ کر رب کی ناراضگی کے احساس سمیت نیم دیوانی ہوتی سرگرداں ہے۔ سالہا سال گزرنے پر اس کا پھر سے بریرہ سے ٹکراؤ ہوتا ہے جو خیالات کی چکی میں پس کر خود بھی سراپا تغیر کی زد میں ہے۔ علیزے کی واپسی کی خواہاں ہے اور علیزے کی مایوسی اور اس کی بے اعتباری کو اُمید میں بدلنا چاہتی ہے۔ مگر یہ اتنا آسان نہیں۔

علیزے اور بریرہ جن کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ بریرہ علیزے کی بڑی بہن مذہب کے معاملے میں بہت شدت پسندانہ رویہ رکھتی تھی۔ اتنا شدت پسندانہ کہ اس کے اس رویے سے اکثر اس سے وابستہ رشتوں کو تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ خاص کر علیزے...... جس پر علیزے کی بڑی بہن ہونے کے ناتے پوری اجارہ داری ہے۔ عبدالغنی ان کا بڑا بھائی ہے۔ بریرہ سے بالکل متضاد صرف پرہیزگار نہیں عاجزی و انکساری جس کے ہر انداز سے جھلکتی ہے اور اسیر کرتی ہے۔ در پردہ بریرہ اپنے بھائی سے بھی خائف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں پرہیزگاری و نیکی میں خود سے آگے کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ہارون اسرار شوبز کی دنیا میں بے حد حسین اور معروف شخصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گھر کی دینی محفل میں وہ بریرہ کی پہلے آواز اور پھر حسن کا اسیر ہو کر
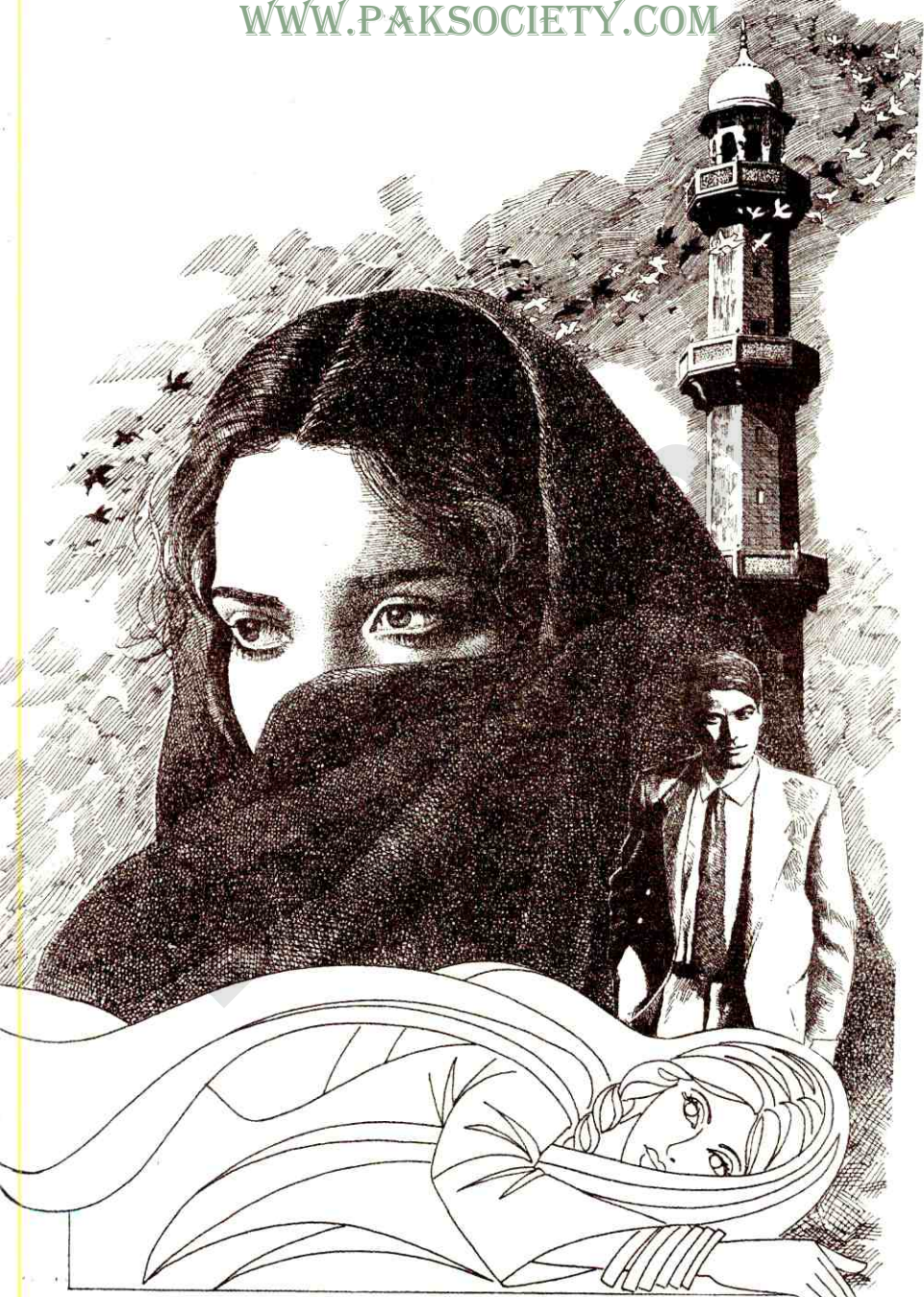
اس سے شادی کا خواہاں ہے۔ مگر بریرہ ایک گمراہ انسان سے شادی پر ہرگز آمادہ نہیں۔ ہارون اس کے انکار پر اس سے بات کرنے خود ان کے ہاں آتا ہے اور شوبز تک چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہیں اس موقع پر اس کی پہلی ملاقات عبدالغنی سے ہوتی ہے۔ ہارون اسرار کسی بھی صورت عبدالغنی کو اس رشتہ پر رضامندی پر التجا کرتا ہے۔ عبدالغنی سے تعاون کا یقین پا کر وہ مطمئن ہے۔ اسے عبدالغنی کی باوقار اور شاندار شخصیت بہت بھاتی ہے۔ محلے کا اوباش لڑکا علیزے میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ جس کا علم بریرہ کو ہونے پر بریرہ علیزے کی کردار کشی کرتی ہے۔ علیزے اس الزام پر سوائے دل برداشتہ ہونے کے اور کوئی صفائی پیش کرنے سے لاچار ہے۔

اسامہ ہارون اسرار کا چھوٹا بھائی حادثے میں اپنی ٹانگیں گنوا چکا ہے۔ ہارون کی ممی اپنی یتیم بھتیجی سارہ سے زبردستی اس کا نکاح کراتی ہیں۔ جس کے لیے اسامہ ہرگز راضی نہیں اور نہ ہی سارہ کو اس کے حقوق دینے پر آمادہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے سارہ کی اچھائی کی وجہ سے وہ اس کا اسیر ہونے لگتا ہے اور بالآخر اس کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ لاریب ہارون کی چھوٹی بہن جو بہت لاابالی نظر آتی ہے۔ ہارون کے ہمراہ کالج واپسی پر پہلی بار عبدالغنی کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے سحر میں خود کو جکڑا محسوس کرنے لگتی ہے۔ لاریب کی دلچسپی عبدالغنی کی ذات میں بڑھتی ہے۔ جسے بریرہ اپنی منگنی کی تقریب میں خصوصاً محسوس کر جاتی ہے۔ لاریب محبت کی راہوں کی تنہا مسافر ہے۔ عبدالغنی انجان بھی ہے اور لاتعلق بھی۔ لاریب کے لیے یہ بات بہت تکلیف کا باعث ہے کہ وہ کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گا۔ علیزے لاریب کی ہم عمر ہے۔ دونوں میں دوستی بھی بہت ہو چکی ہے۔ وہ لاریب کی اپنے بھائی میں دلچسپی کی بھی گواہ ہے مگر وہ لاریب کی طرح ہرگز مایوس نہیں ہے۔

شادی کے موقع پر بریرہ کا رویہ ہارون کے ساتھ بھی بہت لیا دیا اور سرد مہر ہی نہیں حاکمیت آمیز بھی ہے۔

اسے ہارون کے ہر اقدام پر اعتراض ہے۔ وہ اس پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھتی ہے اور اس کی ساتھی اداکارہ سوہا کی ہارون سے بے تکلفی اسے سخت گراں گزرتی ہے۔ ممی کو اپنی بیٹی کا عبدالغنی جیسے نوجوان میں دلچسپی لینا ایک آنکھ نہیں بھاتا جبھی ایک معمولی بات پر وہ لاریب کے سامنے عبدالغنی کی بے حد تحقیر کرتی ہیں۔ اس سے پہلے وہ لاریب کو بھی جتلا چکی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دے۔ لاریب کو عبدالغنی سے سے روا رکھا جانے والا ممی کا رویہ بغاوت پر ابھارتا ہے۔ وہ تمام لحاظ بھلائے جواب تک اس کے قدموں کو اس راہ پر آگے بڑھنے سے روکے تھے اپنا گھر چھوڑ کر عبدالغنی کے پاس آکر عبدالغنی سے خود کو اپنانے کی گزارش کرتی ہے۔ عبدالغنی اس کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اسے بہلا، سمجھا کر واپس بھیجتا ہے۔ مگر لاریب اس مصالحانہ عمل کو سمجھے بغیر اسے اپنی ریجیکشن اور تذلیل سمجھتے ہوئے شدید ہیجان میں مبتلا ایکسیڈنٹ کروا بیٹھتی ہے۔ ممی اس کی حالت پر حراساں جبکہ لاریب اسی ہسٹریائی کیفیت میں مبتلا عبدالغنی کے حوالے سے اپنی ہر شدت اور شدت پسندانہ بے بسی ان کے سامنے عیاں کر جاتی ہے۔ ممی جو بریرہ کے حاکمانہ رویے اور ناشکرانہ انداز کی بدولت سخت دل برداشتہ ہیں اور اپنی بیٹی کو اس کے بھائی کے حوالے کرنے میں شامل ہیں۔ لاریب کی خوشی کی خاطر اس شادی پر بالآخر آمادہ ہونے پر ایک بار پھر مجبور ہو جاتی ہیں۔ لاریب کی دائمی مسکراہٹ کی چاہ انہیں عبدالغنی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی ہے۔

بریرہ لاریب کو ناپسند کرتی ہے۔ جبھی اسے یہ اقدام ہرگز پسند نہیں آتا مگر وہ شادی کو روکنے سے قاصر ہے۔ لاریب عبدالغنی جیسے منکسر المزاج بندے کی قربتوں میں جتنا سنورتی ہے۔ ہارون بریرہ کے حوالے سے اسی قدر اذیتوں کا شکار ہے۔ لیکن اس وقت تنہا ہوتی ہے۔ جب وہ علیزے کے حوالے سے اس پر الزام عائد کرتی ہے۔ صرف ہارون نہیں...... اس سطحی حرکت کے بعد علیزے بھی بریرہ سے نفرت پہ مجبور ہو جاتی ہے۔ وقت کچھ اور آگے سرکتا ہے۔ بریرہ کے دل شکن رویے کے باوجود ہارون اس کی توجہ کا منتظر بار بار اس کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔ اس خواہش کے ساتھ کہ وہ بھی لاریب کی طرح سدھار کا متمنی ہے۔ مگر بریرہ جو علیزے کی بے راہ روی کا باعث خود کو گردانتی ہے اور احساس جرم میں مبتلا رب کو منانے ہر صورت علیزے کی واپسی کی ملتمس ہے۔ ہارون کے ہر احساس سے گویا بے نیاز ہو چکی ہے۔ ہارون اس بے نیازی کو لاتعلقی اور بے گانگی سے تعبیر کرتے ہوئے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا نا صرف شوبز کی دنیا میں دوبارہ داخل ہوتا ہے بلکہ ضد میں آکر بریرہ کو جھنجوڑنے کی خاطر سوہا سے شادی بھی کر لیتا ہے۔ علیزے کے حوالے سے بالآخر بریرہ کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ لیکن تب تک ہارون کے حوالے سے گہرا نقصان اس کی جھولی میں آن گرا ہوتا ہے۔

علیزے کی واپسی کے بعد عبدالغنی سمیت اس کے والدین بھی علیزے کے رشتے کے لیے پریشان ہیں۔ علیزے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود بھی یہ علم بانٹ رہی ہے۔ عبدالہادی اپنے روحانی استاد کے زیر تربیت ایک کامل مومن کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔ وہ اسے نور کی روشنی پھیلانے کو ہجرت کا حکم دیتے ہیں۔

عبیر ایک بدفطرت عورت کے بطن سے جنم لینے والی باکردار اور باحیا لڑکی ہے۔ جسے اپنی ماں بہن کا طرزِ زندگی بالکل پسند نہیں۔ وہ اپنی ناموس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ مگر حالات کے تارِ عنکبوت نے اسے اپنے منحوس پنجوں میں جکڑ لیا ہے۔ کامیاب علاج کے بعد اسامہ پھر سے اپنے پیروں پر چلنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔ اسامہ چونکہ فطرتاً کاملیت پسند ہے۔ کسی بھی چیز کا ادھورا پن اسے ہرگز گوارا نہیں مگر اس کے بیٹے میں بتدریج پیدا ہونے والی معذوری کا انکشاف اسے سارہ کے لیے ایک سخت گیر شوہر، متکبر انسان کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ وہ ہرگز اس کمی کے ساتھ بچے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

''عبدالہادی کا کہنا ہے اس نے بارضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ اس نے اس سے قبل بہت کٹھن وقت گزارا ہے اور علیزے...... اس کے سفر کی صعوبتیں اس کے چہرے پر ثبت ہوگئی ہیں۔ اس کی سچائی کا عکس بن کر بھی نظروں سے نفرت کی عینک اُتار کر پڑھنے کی کوشش کرنا۔ جو درد اس نے کبھی سہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی، بردباری اور الم کی صورت ٹھہر چکا ہے۔ کہتے ہیں آنکھیں آئینہ ہوتی ہیں۔ انسان کے اندر کا عکس بن جاتی ہیں۔ اس کی سچائی اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہے۔ وہ گواہی دے رہی ہیں کہ یہ آنکھیں کسی سچے کی آنکھیں ہیں۔''
علیزے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''آپ کچھ بھی نہیں جانتی ہیں بجو! جو رنگ میں نے دیکھے ہیں اس کے، وہ بہت بڑا اداکار ہے۔''
بریرہ نے اس کے سر پر ڈھارس کے انداز میں ہاتھ رکھ دیا۔

''چلو ایسا ہی سہی، مگر وہ ظاہراً ہی سہی مگر اسلام قبول کر چکا۔ اب تم اس کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے اس کی مطیع ہو۔ اس کا فرمانبردار رہنا اللہ نے لازم کردیا تم پر۔ کیا اللہ کو خفا کرو گی؟''

اس سوال پر علیزے کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا۔ چہرے پر مردنی چھا گئی۔ اذیت کا عالم ہی انوکھا ہوگیا۔ یہی تو تکلیف دہ بات تھی کہ اب وہ اس کی مطیع تھی۔ اس کی آہ و بکا میں اضافہ ہونے لگا۔ بریرہ نے پھر سمجھانا شروع کیا تھا۔

''ہم کسی کو مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ مگر اسے روشنی کا راستہ تو دکھا سکتے ہیں۔ آگے اس کی مرضی چلے نہ چلے۔ اور ہاں ایک بات اور...... گڑیا جب ہم کسی کو برا کہہ رہے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے ہم خود کو اچھا سمجھ رہے ہیں اُس سے، مگر یہ درست نہیں۔ احساسِ برتری کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ ہمیں خبر تک نہیں ہوتی اور ہماری بھول چوک ہماری نیکیاں برباد کرچکی ہوتی ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ مالک کی نظر میں ہماری کیا وقعت ہے۔ اگر نیکوں، بدوں کا فیصلہ اس دنیا میں ہوجاتا تو روزِ سزا و جزا کا دن مقرر کرنے کی رب کو کیا ضرورت تھی۔ ضروری نہیں کہ برا اچھا نہ بن سکے۔ نہ اچھائی کی کوئی حد ہے نہ برائی کی۔ سب سے زیادہ برا تو وہ ہے جس کے قلب میں سختی ہے۔ اس پر کسی بھلائی کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ محبت نا آشنا دل ہوتا ہے۔ محروم و بدنصیب، اصل میں انسان کو پتا نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ بھلائی ہو رہی ہے کہ برائی۔ یہ اُس کی حکمت کے راز ہیں بس۔ وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی بات میں اپنی بھلائی سوچتا ہے مگر اس میں بھلائی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات کوئی بات اپنے خلاف محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ سے اچھی اُمید رکھنا چاہیے۔ خود اللہ فرماتا ہے کہ میں تمہارے متعلق ویسا ہی ہوں جیسا تم میرے متعلق گمان رکھتے ہو۔ یاد رکھو علیزے! جو اللہ کی تقسیم پر خوش اور راضی ہوجائے۔ وہ سب سے زیادہ خوشحال اور پُرسکون ہوتا ہے۔ وہ

دوسروں سے موازنہ نہیں کرتا۔ دوسروں کے پاس موجود نعمتوں پر حریص نہیں ہوتا۔ کسی سے حسد نہیں کرتا تو بہت امن و سلامتی میں رہتا ہے۔ وہ بہت مہربان ہے۔ سب کچھ دیتا ہے مگر اس کا وقت مقرر آنے پر۔ بس انسان کو صبر اور حوصلے سے مشکل وقت گزار لینا چاہیے۔ وہ مشکل وقت بھی خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ بندہ اُس کی رضا پر راضی ہو جائے تو دکھ سکھ اس کی طبیعت پر گراں نہیں گزرتے۔ تب اُس سے دوستی پکی ہوتی ہے۔ تم اللہ سے پکی دوستی کی خواہاں ہوناں۔''

بات کے اختتام پر وہ تھم کر مسکرا کر اس کی تائید چاہنے لگی۔ علیزے کا دل بوجھل تھا۔ آنکھیں سوجن کا شکار۔ اس نے آنسو سے بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اور سر ہلایا تھا۔

''گڈ گرل! اٹھو اب تیار ہو جاؤ۔ بلکہ میں خود تیار کرتی ہوں۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ وہ پھر ہراساں نظر آئی مگر خاموش رہی تھی۔ یہ خاموشی بریرہ کو غنیمت محسوس ہوئی۔

☆......☆......☆

عبدالہادی الوداعی مصافحہ کر کے پلٹا تو اُم جان چادر میں لپٹی علیزے کو لے آئی تھیں۔ اس کا دل اسے روبرو پا کے بہت زور سے دھڑکا۔ بیگانہ سے تیور لیے۔ وہ سحر طراز لڑکی جس کی ساحرانہ آنکھوں کے فسوں کو ضبط گریہ نے کچھ اور بڑھا ڈالا تھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب اضطرار کا ایسا تاثر تھا جو چھپائے نہ چھپتا تھا۔ عجیب بے بسی کا سا احساس کہ خود عبدالہادی کو بھی اس پر رحم آنے لگا۔ وہ جانتا تھا۔ وہ اس کا سامنا سخت ناپسند کرتی ہے۔ سائے سے بھی بدکتی ہے۔ وہ اسے باری باری سب سے گلے مل کر سسکتے دیکھتا رہا اس کے چہرے کے حساس حصوں پر ٹھہری سرخی بتاتی تھی خوب روئی ہے۔ عبدالغنی نے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا تھا۔ اور باہر کھڑی گاڑی تک لایا۔

''عبدالہادی! ہماری گڑیا کا دل بہت نازک ہے۔ ابھی اسے ہم سے دور رہنے کی عادت بھی نہیں۔ یہ جب ذرا بھی اُداس ہو۔ آپ اسے ملانے کو ضرور لے آیئے گا۔'' عبدالہادی نے سرخم کر دیا اور بہت دل جمعی سے مسکرایا۔

''آپ پریشان نہ ہوں بھائی! انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' وہ کن انکھیوں سے علیزے کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر اس بات کے جواب میں درشتی پھیلی تھی۔

''فی امان اللہ علیزے بیٹے! بے فکر رہنا، میں ملنے آتا رہوں گا۔'' وہ اس کا سر تھپک رہا تھا۔ علیزے کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔ ہونٹ بھینچے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ عبدالہادی نے عبدالغنی سے مصافحہ کیا تھا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ سارے رستے وہ گاہے بگاہے علیزے کے چہرے پر پھیلے سرد تاثرات کو دیکھتا بات کرنے کو حوصلہ مجتمع کرتا رہا تھا۔ وہ ایسے بیٹھی تھی کہ رُخ اس کی جانب سے تقریباً پھیرا ہوا تھا۔ بلکہ ایک دو بار تو عبدالہادی کو یہ خوف بھی محسوس ہوا کہ وہ دروازہ کھول کر کود جائے گی۔ اسی خوف سے اس نے گاڑی کی رفتار بھی سلو کی تھی۔ مگر خیریت گزری تھی اور سفر تمام ہوا۔

گاڑی رُکتے ہی وہ دروازہ کھول کر تیزی سے اُتری تھی۔ مگر اندر تب تک نہیں جا سکی جب تک عبدالہادی نے دروازے کا تالا نہیں کھولا۔ اس کے انداز سے وہ خود خائف ہو رہا تھا۔ جبھی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ کر بیڈ روم کا بھی تالا کھول دیا۔ وہ تیزی سے لپک کر اندر جا گھسی اور پیچھے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ کچھ بھی سمجھ نہیں آئی

کیا کرے۔ پھر کچھ سوچا اور پلٹ کر کچن میں آ گیا۔ چائے بناتے وہ اس سے بات کرنے کو الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔ چائے چھان کر مگوں میں نکالی اور ٹرے اٹھا کر کمرے میں خاصے محتاط انداز میں داخل ہوا تھا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ ابھی وہ حیران ہی ہو رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر گردن موڑی بغیر دوپٹے کے وہ یقیناً چہرے سے میک اپ صاف کر کے نکلی تھی۔ اسے دیکھ کر چہرے پر وہی نفرت اُمڈ آئی۔ پیشانی پر ناگواری کی شکنوں کا جال تن گیا۔

''وہیں رُک جاؤ مسٹر یوسف! میری اس شکست سے تمہیں ہرگز یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ تم جیت گئے۔ میں ہرگز کمزور نہیں ہوں۔ اگر اُم جان میری مجبوری نہ ہوتیں تو میں اس دھوکے اور فریب کی زندگی میں کبھی خود کو مبتلا کرتی نہ ہی تمہاری کریہہ قربت قبول کرتی۔''

وہ سخت غصے میں تھی۔ مگر ناراضگی کے گہرے تاثر نے بھی اس کی خوبصورتی پر اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ اس روپ میں بھی راحتِ جاں تھی عبدالہادی کے لیے۔ عبدالہادی نے گہرا سانس بھرا اور سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''مجھے خود بھی آپ سے یہی کہنا تھا۔ آپ کو مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے دیا! میں......''

''ڈونٹ کال می دیا! میرا نام دیا نہیں ہے۔'' وہ ضبط کھو کر ہذیانی انداز میں چلائی۔ چہرہ صدمے کے باعث پتھرا سا رہا تھا۔ عبدالہادی گڑبڑا سا گیا۔

''اوہ...... اوکے، آئی ایم سوری، نہیں کہوں گا۔'' وہ بے حد خائف ہوا۔

''میں کہنا چاہتا تھا کہ آپ کو میری وجہ سے پریشانی نہیں ہوگی۔ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔ جب تک آپ مجھ پر بھروسہ نہیں کریں ہم...... میں آپ کو پورا ٹائم دوں گا۔'' وہ سر جھکا کر کہہ رہا تھا۔

علیزے کے چہرے پر تمسخر پھیل کر رہ گیا۔ آنکھوں میں حقارت در آئی۔

''یہ سب تمہاری سازشوں اور ڈرامے بازی کا نتیجہ ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔ تمہاری جیت، تمہاری فتح کا سلسلہ یہیں تک تھا۔ اگر تم نے غلطی سے بھی کبھی اس حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو اس بار میں خود کو ختم کر لوں گی۔ اتنا تو جانتے ہو گے تم مجھے۔ پھر مناتے رہنا اپنی فتح کے جشن۔'' وہ غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عبدالہادی کچھ نہیں بولا اور ہاتھ میں پکڑی ٹرے سے مگ اُٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

''چائے لے لیں۔ اس کے بعد آرام کر لیجیے گا۔'' اس کا لہجہ ہنوز نرمی و حلاوت لیے تھا۔ علیزے کے خدوخال میں تناؤ سا آ گیا۔ کسی تلخ بار کا تاثر بہت کاٹتا ہوا تھا۔

''ہٹا لو اسے، اپنے ابلیسی ارادوں میں اب تم انشاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔ ہٹا لو، ایسا نہ ہو میں یہ کھولتی چائے تمہارے منہ پر پھینک کر تمہارے خدوخال بگاڑ دوں۔'' وہ غرائی تھی۔ عبدالہادی کا چہرہ متغیر ہو کر رہ گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹا تھا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ علیزے نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔

''دیا...... اونہہ!'' اس کی رگِ جاں میں کسی تلخ یاد کا نشتر اترا۔ پور پور زہریلی ہونے لگی۔

''میرے گھر والوں نے مجھے بوجھ سمجھ کر سر سے اتار پھینکا۔ وہ بھی کیا کرتے، کتنے سالوں سے تو ان پر مسلط تھی میں۔ مجھ جیسی لڑکی کی شادی ہونا آسان کہاں تھا۔'' وہ اوندھے منہ بستر پر گری۔ اس کی سوچیں سسک رہی تھیں۔ ہچکیاں بھر رہی تھیں۔

''میں نے بچاؤ کا ہر حربہ آزما لیا۔ اگر اس ملعون سے نجات نہیں تو میں مقابلہ کروں گی۔ میں جب تک کمزور تھی، تھی، اب نہیں رہوں گی۔ یہ مجھے

ہاتھ تو لگا کر دکھائے۔ ہاتھ نہ کاٹ دیا تو...... اگر یہ میری جنگ ہے تو خود لڑوں گی۔ اگر یہ بھگتان ہے تو بھگت لوں گی۔"

سلگتے آنسو بے دردی سے رگڑتے وہ ساری دنیا سے خفا ہو چکی تھی اور غلطی کر رہی تھی۔ غلط سمجھتے ہوئے۔ بریرہ کی ساری نصیحتیں، عبدالغنی کا سمجھانا اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ اس پر کسی کا اثر نہیں تھا۔ ایک آزمائش پڑی تھی اور اس کا عقیدہ پھر ڈگمگا گیا تھا۔ اللہ پر یقین ڈول گیا تھا۔ اسے احساس ہی نہ تھا۔ وہ کسی گھاٹے کا سودا کر رہی تھی۔ کس نقصان کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"محترمہ عبیر صاحبہ! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

اپنے دھیان میں حسب عادت وہ سر جھکائے چل رہی تھی۔ جب راستے میں آ کر صبا نے اس کی راہ روکی۔ عبیر خائف ہو کر رہ گئی۔ یہ لڑکی اپنے جیسی لڑکیوں کے ہمراہ اس کا جینا حرام کر چکی تھی۔ عبیر کو خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ جس طرح وہ اس کے پیچھے پڑی ہے۔ لازمی اسے یہاں اس ٹھکانے کو بھی کھونا پڑے گا۔ یہ خیال بہت پریشان کن تھا۔ یہاں سے نکل کر آخر جاتی کہاں وہ۔ اس کی خراب شہرت اس کے لیے زمین تنگ کر چکی تھی۔ چارہ سوائے ضبط وصبر کے کچھ نہیں تھا۔ وہ کترا کر نکلنا چاہتی تھی کہ صبا نے اس کی کلائی جکڑ کر جھٹکا دیتے اپنے مقابل کھینچ لیا۔ عبیر حراساں ہوئی تھی۔ اور اپنا آپ چھڑانا چاہتی تھی مگر مقابل کے تیور خطرناک تھے۔ اسے یونہی کھینچتی وہ ہال کمرے میں لائی تھی اور آئینے کے مقابل لا کر چھوڑ دیا۔

"یہاں دیکھو، اپنا اصل چہرہ! یہ بہروپ بھرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تمہیں؟ بتاؤ؟" اس کا کاٹ دار لہجہ بے حد طنزیہ تھا۔ عبیر کی نگاہ آئینے میں اٹھی تھی۔ اور جیسے صدمے کی شدت سے اس کا چہرہ پتھرا گیا تھا۔ پالش کی گہری تہہ پسینے کی دھاروں سے اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کے چہرے پر دھبے نمایاں تھے۔ کہیں کہیں سے اس کی شفاف رنگت بھی جھلک مارتی تھی۔ اسے لگا تھا زمین اس کے قدموں تلے سے سرک رہی ہو۔ فق رنگت کے ساتھ وہ ٹکر ٹکر آئینے میں اپنی شبیہہ دیکھتی رہی۔

"تم خود بتاؤ گی کسے دھوکہ دے رہی تھیں تم یا میں تمہاری اصلیت بتادوں کہ تم کس بدنام خاندان سے تعلق رکھتی ہو؟ یہ غلط خیال ہے کہ تم پارسا ہو۔ یہاں سب تمہاری حقیقت سے آگاہ ہیں اور اب تمہیں یہاں برداشت کرنے کو کوئی بھی آمادہ نہیں۔"

وہ صور اسرافیل جیسی آواز میں بولی تھی۔ عبیر کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔ اسے پلٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہاسٹل کی مالکہ اور رہائشی تمام لڑکیاں خود اس کے سامنے آ گئیں۔ عبیر کی حیثیت یہاں کسی مجرم کی سی تھی۔ اس کے سامنے عدالت سجی تھی۔ اور اس کا جرم واضح کرنے کے بعد سزا سنائی جا رہی تھی۔ وہ ایک کردار باختہ لڑکی تھی۔ جس کا مہذب علاقے میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

"تمہارا ہر انداز مشکوک تھا۔ تمہیں ضرورت کیا تھی خود کو اس طرح سے چھپانے کی۔ میں تم پر نرمی کا رویہ اختیار کر رہی ہوں۔ ورنہ اس دھوکہ دہی کے نتیجے میں تمہیں پولیس کے حوالے بھی کر سکتی تھی۔"

عبیر کا سر کچھ اور جھک گیا۔ آنسو اس کے قدموں کے درمیان گرتے رہے۔ کتنے بے مایا تھے یہ نمکین قطرے، کسی کے بھی نزدیک اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ عجیب قسمت تھی اس کی۔ وہ بچپن سے خود ہی روتی اور چپ ہوتی رہی تھی۔ کسی نے کبھی اس سے محبت کی تھی نا اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"اپنا سامان لو، اور فی الفور یہ جگہ چھوڑ دو۔" ہوسٹل کی اونر سخت گیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ عبیر

لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹ گئی۔

''کیا عزت کی حفاظت کے لیے اپنا ٹھکانہ چھوڑنا غلط ہے؟ میڈم میں نے اپنی عزت کو بچانا چاہا تھا۔ مجھ سے یہ پناہ نہ چھینیں۔ پلیز۔''

وہ کبھی گڑگڑاتی نہیں تھی۔ مگر گڑگڑا رہی تھی۔ باہر دنیا بہت خوفناک تھی۔ یہ اس سے بڑھ کر کون جانتا تھا۔

''تم نے یہ بہروپ کیوں بھرا؟ پالش لگا کر رنگت سیاہ کرنے کا مقصد؟'' میڈم کا انداز گھن کھایا ہوا تھا۔ عبیر نے بے حد لاچار انداز میں انہیں دیکھا۔

''میں جب گھر سے نکلی اس وقت اپنی پہچان بدلنے کو یہ کام کیا تھا۔ یہاں آپ نے پہلی بار مجھے اس طرح دیکھا تھا۔ پھر یہ سیاہ رنگت میری ڈھال بن گئی تھی، بہت سی بری نظروں سے۔ میں باہر نکلتی تھی کام کے لیے۔ آپ جانتی ہیں۔''

''پھر بھی، میں معذرت خواہ ہوں۔ تمہارا تعلق جن لوگوں سے ہے۔ یہ حوالہ بہت کافی ہے۔ پھر وہ لوگ آرام سے کہاں بیٹھے ہوں گے۔ تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔ یہاں پہنچ گئے تو...... نہ بھئی...... میں ایسے کیس میں نہیں پڑسکتی۔ شہرت الگ خراب ہوگی۔ ہمدردی اور نیکی گلے پڑسکتی ہے۔'' انہوں نے بے لحاظی، بے مروتی کی حد کردی۔ عبیر کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس سے زیادہ اصرار اس کی رواداری طبیعت کو گوارا نہیں تھا۔ اگر اللہ پہ بھروسا کیا تھا۔ تو اللہ ہی مسبب الاسباب تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کمرے کی چابی میز پر رکھ دی تھی۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم! صبح بخیر۔'' اسامہ اپنے دھیان میں ڈائننگ ہال میں آیا تھا۔ فریش، تروتازہ سی سارہ نے ٹیبل سجاتے ہوئے خیر سگالی مسکان کے ساتھ اسے دیکھا۔

''وعلیکم السلام! آج کیسے آپ مادام!'' اس نے ابرو اچکا کر سوال کیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''کیا مطلب آج کیسے؟'' وہ مسکرائی اور اس کے پاس آکر بہت پیار سے اک کلی گلدان سے کھینچ کر اس کے کوٹ کے کالر میں سجا دی۔ اسامہ نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اور کوئی خاص تاثر دیے بغیر ناشتے میں مصروف ہوگیا تھا۔

''اس سے پہلے آپ کو اپنے سپر (بیٹے) سے فرصت نہیں ہوتی تھی۔'' اس کا لہجہ طنزیہ ہوا۔ سارہ کو عجیب سے دکھ نے آن لیا۔

''وہ آپ کا بھی بیٹا ہے۔'' اس نے خفگی سے جتلایا۔ اسامہ نے کاندھے جھٹک دیے۔

''میں نے کب انکار کیا؟'' لمحہ بھر کو اس پر نگاہ ڈال کر وہ نخوت سے بولا تھا۔ سارہ دکھ سے شل ہوکر رہ گئی۔

''کبھی اقرار بھی نہیں کیا۔'' اس شکوے پر اسامہ نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا۔ یہ نگاہ سرد تھی۔ تنبیہہ تھی، اس کی حد اور اوقات اس پر واضح کرتی ہوئی۔ سارہ کو یکدم اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہونے لگی۔

''تم غالباً کچھ کہنا چاہتی تھیں۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کررہا تھا۔ اسے دیکھے بغیر بولا۔ سارہ کچھ بول نہیں سکی۔ اس کی بھیگتی آنکھوں میں اسامہ کا وجیہہ سراپا دھندلاتا جارہا تھا۔ اسامہ نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔ گویا جواب میں تاخیر گراں گزری تھی۔

''ممی چاہتی ہیں مجھے کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہیے۔ ہمارے ارسل احمد کو بہن یا بھائی کی ضرورت ہے اور......'' اسامہ نے چائے کا کپ ساسر میں ایک طرف پٹخ دیا۔ اٹھا اور ٹیبل پر پڑا اپنا آئی فون اٹھا کر کوٹ کی جیب میں رکھنے کے بعد اسے دیکھنے لگا تھا۔

''تمہیں ارسل کے بہن یا بھائی کا اتنا ہی ارمان ہے تو میں پھر دوسری شادی کر لیتا ہوں۔ یہ طے ہے سارہ صاحبہ کہ تم سے میری مزید اولاد نہیں ہوگی۔''

اس کا لہجہ سرد اور سفاک تھا۔ وہ کتنے دعوے سے ایک ایسی بات کر رہا تھا۔ جس پر اس کا قطعی کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس قسم کی شرکیہ گفتگو زبان زد عام ہے۔ جو خدا کو سخت ناپسند ہے۔ مگر کہنے والے کو احساس تک نہیں ہو پاتا۔ معافی اور توبہ کا خیال کیسے آ سکتا ہے۔ سارہ بھی لرز گئی تھی۔ مگر اسے ٹوکنا اور آگاہ کرنا بہت مشکل، بہت دشوار تھا اس کے لیے۔ اس میں بریرہ جیسی جرأت نہیں تھی، جو حق بات کہنے سے نہیں چوکتی تھی۔ یہ تو بس دل میں برا محسوس کر سکتی تھی۔ یعنی وہ ایمان کے کمزور ترین درجے پر تھی۔

''بلکہ میں کر بھی چکا ہوتا اگر جو ہارون بھائی یہ کارنامہ انجام نہ دے چکے ہوتے۔ ممی تو مجھے شوٹ کر دیں گی، جتنا وہ ٹینس ہیں اس وجہ سے۔'' اب کے اس کا لہجہ قدرے شگفتہ تھا۔ سارہ البتہ اتنی حوصلہ مند نہیں تھی کہ مسکراہٹ میں اس کا ساتھ دیتی۔ وہ اسے سرسبز کھیتی سے صحرا میں ڈھالنا چاہتا تھا۔ یہ مقامِ افسوس تھا، رنج تھا، ملال تھا۔ آج کا سارا دن وہ اتنا نڈھال رہی تھی کہ بستر سے نہیں اٹھ سکی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے بال سلجھا کر چوٹی باندھی اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر چادر اچھی طرح اوڑھ لی۔ بیگ اُٹھا کر پلٹی تو دروازے کی چوکھٹ پر عبدالہادی کو حیران پریشان پا کر ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ ان کی شادی کا یہ چوتھا دن تھا۔ تین دن اس نے اسی کمرے میں بند رہ کر گزارے تھے۔ جب بھوک لگی تو پہلے اس کی غیر موجودگی کا یقین حاصل کرتی پھر باہر نکلتی تھی۔ کچن میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ وہ کچھ بھی ایسا پکاتی تھی۔ جو فٹافٹ تیار ہو سکتا اور واپس کمرے میں۔ دوسرے دن ہی سے عبدالہادی کی روٹین کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ وہ نماز کے اوقات میں گھر سے باہر جاتا تھا۔ علیزے نے اب یہ کام شروع کیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد دروازے کو اندر سے لاک کر دیتی۔ اطمینان سے اپنا کام کرتی اور اندر جانے سے قبل دروازہ کھول دیتی۔ یعنی وہ اس کی آمد پر دروازہ کھولنے کا تکلف بھی برتنا نہیں چاہتی تھی۔ عبدالہادی خاموشی سے اس کا ہر عمل دیکھ رہا تھا اور فی الحال حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا تھا۔ اب بھی دروازہ کھلا دیکھ کر وہ اس سے بات کرنے کے ارادے سے اس جانب آیا تھا مگر چوکھٹ سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ دراصل وہ اس کی خفگی کے خیال سے خائف رہا کرتا تھا۔ علیزے کو اس کی اتنی سی مداخلت بھی یقیناً پسند نہیں آ سکی تھی۔

''آئی ایم سوری! لیکن مجھے آپ سے بات کرنی تھی تو......'' علیزے کے چہرے کی درشتی کو محسوس کرتا وہ وضاحت دیتا ہوا بھی اٹکا۔ علیزے نے دانت بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ خاموشی بھی گویا اجازت تھی۔ جبھی عبدالہادی نے گلا کھنکارا تھا۔

''آپ کہیں جا رہی ہیں؟''

''تم وہ بات کرو۔ جو تم کرنے آئے ہو سمجھے؟'' وہ غراتی ہوئی آواز میں اسے گھورتے ہوئے بولی۔ عبدالہادی خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

''آپ کمرے سے نہیں نکلتیں۔ اگر میری وجہ سے تو...... پلیز ٹرسٹ می، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' علیزے کچھ کہے بغیر اسے گھورتی رہی۔ عبدالہادی نے متاسفانہ سرد آہ بھری۔

''یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ یہاں کی ہر شے پر آپ کا حق ہے۔ مجھے فکر ہے آپ ٹھیک سے کھاتی بھی نہیں ہیں۔ پلیز خیال رکھا کریں اپنا۔ اور یہ......'' وہ رُکا۔ اور اپنے لباس کی اندرونی جیب میں

ہاتھ ڈال کر باہر نکالا۔ ''یہ رکھ لیں۔ پلیز انکار نہیں کیجیے گا۔'' علیزے نے نگاہ کا زاویہ بدل کر اس کے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ کو دیکھا تھا پھر اسے، انداز بڑا تیکھا اور طنزیہ تھا۔

''کیا ہے یہ؟ خیر جو بھی ہو۔ مسٹر یوسف مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ اور میری فکر میں دبلے ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا خیال ہر لحاظ سے خود رکھ سکتی ہوں۔''

اس کا لہجہ روکھا اور بے حد سخت تھا۔ عبدالہادی نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ بے بسی کے تاثرات کے ساتھ کچھ دیر دیکھا تھا پھر تھکا ہوا سانس بھرا۔

''یہ رونمائی کا معمولی سا تحفہ تھا۔ آپ قبول کرلیتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔ بہرحال یہ کچھ پیسے رکھ لیں۔ اس رشتے کے کچھ تقاضے ہیں۔ انہیں نبھانا میرا فرض ہے۔ آپ کو بھلے ضرورت نہ ہو۔ مگر میں اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کچھ سبز نوٹ اسی پیکٹ کے ساتھ آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیے۔ علیزے دانت بھیچے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا وہ خود پر بہت ضبط کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں طنز اور کاٹ کا بہت گہرا تاثر تھا۔

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ میرے حقوق تمہارے ذمے آپڑے ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ مجھے تمہاری خیرات نہیں چاہیے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز بھراہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ عبدالہادی کے وجیہہ چہرے پر لمحہ بھر کو تاریکی سی چھا گئی تھی۔ اسے خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لگا تھا۔

''آپ غالباً اپنی والدہ کے ہاں جانا چاہ رہی ہیں۔ میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ آپ وہاں چکر لگا لیں۔ آیئے میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔'' وہ بولا تو اس کا لہجہ پھر نرم، متوازن اور محبت کے احساس سے لو دیتا ہوا تھا۔ علیزے جھنجلانے لگی۔

''میں وہاں نہیں جارہی اور اس خوش فہمی میں مت رہو کہ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ حلق کے بل چیخی اور بیگ جھپٹ کر تیز قدموں سے باہر آ گئی۔ اسی شدید موڈ کے ساتھ بیرونی دروازہ پار کر کے سیڑھیاں اتری تھی کہ شاہ صاحب کو گاڑی سے اترتے پا کر ایک لمحے کو ٹھٹکی۔

''السلام وعلیکم!'' وہ بالکل نزدیک آ چکے تھے۔ اتنی بدلحاظ اور بداخلاق نہیں تھی، نہ مروت ہی اتنی عنقا ہوئی تھی کہ نظرانداز کر کے گزر جاتی۔

''وعلیکم السلام بیٹے، جیتی رہو۔'' وہ چونکے تھے اور لمحہ بھر کو نگاہ اُٹھا کر پھر جھکائے، اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ معاً اس کو اکیلا پا کر حیران رہ گئے۔

''کہیں جارہی ہیں بیٹے، عبدالہادی نہیں ہے کیا گھر پر؟''

''جی......!'' علیزے کے حلق میں کچھ اٹک گیا۔ تب ہی عبدالہادی دروازے پر نمودار ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر تیزی سے بڑھا اور بہت تپاک سے گلے ملا۔ علیزے کا کوفت کے مارے برا حال ہو گیا۔

''آپ یہاں؟ تشریف لایئے چاچو!''

''علیزے بیٹی غالباً کہیں جارہی ہیں۔ تم گاڑی منگوا لیتے عبدالہادی! یہ بیگانگی کب سے اپنائی۔ بچی کو کہاں خوار کرو گے پبلک ٹرانسپورٹ میں۔ یہ چابی پکڑو۔ مجھے یہاں حاجی صاحب سے کام ہے۔ تب تک تمہارا یہ کام ہو جائے گا۔'' انہوں نے گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں دی اور پلٹ کر خود علیزے کے لیے فرنٹ ڈور اوپن کیا تھا۔

''آؤ بیٹے! آپ کے ہاتھ کی چائے ہم پھر کسی دن پی لیں گے۔'' ان کے متبسم لہجے میں شفقت کا رنگ بے حد گہرا تھا۔ علیزے کو ان کی شخصیت کے

رکھ رکھاؤ، دبدبے اور وقار کے آگے انکار کی مجال نہیں ہوسکی تھی۔ جھنجلاہٹ بے بسی کے شدید احساس میں ڈھلی تھی تو آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔

''علیزے پھر چلی جائیں گی چاچو! ابھی ہم چائے پیتے ہیں۔'' اس کی جانب سے کسی قسم کی رواداری کو نہ پاکر عبدالہادی نے خود اخلاق نبھایا تھا۔ شاہ صاحب آہستگی سے ہنس دیے۔

''ارے نہیں بیٹے! بچی اتنے شوق سے میکے جانے کو تیار ہوئی ہے۔ ہم نہیں روکیں گے۔ تم چھوڑ آؤ بچی کو۔ پھر تم سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔'' وہ رسانیت سے کہتے آگے بڑھ گئے۔ عبدالہادی نے گہرا سانس بھر کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور ترچھی نظروں سے علیزے کو دیکھا۔ جو نم آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ رہی تھی۔ گاڑی آگے بڑھاتے وہ ہونٹ بھینچ گیا تھا۔ دونوں کے درمیان تکلیف دہ خاموشی کا وقفہ بڑھتا جارہا تھا۔ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ بلکہ ہر اذیت سے بچانا چاہتا تھا۔ مگر اسے کامیابی نہیں ہوتی تھی۔

''گاڑی روکو...... مجھے اُمِ جان کے گھر نہیں جانا۔'' معاً وہ غصے سے ابلتے ہوئے پھنکارزدہ آواز میں بولی۔ عبدالہادی نے گھبرا کر ایک دم بریک لگائی۔ تو زوردار جھٹکے کے نتیجے میں وہ سنبھلتے بچتے بھی ڈیش بورڈ سے ٹکرا گئی تھی۔

''اُف......!'' وہ کراہی۔ اور اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

''سس سوری دیا میں......'' وہ اتنا بوکھلایا تھا کہ بے اختیار ہر احتیاط بھلا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ علیزے کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ اس کے لمس کو پاتے ہی وہ بے پر چڑیا کی مانند پھڑ پھڑانے لگی۔ اس کے قرب سے جتنی وحشت ہوتی تھی۔ اس کا بیان ممکن ہی نہ تھا۔ زندگی کی ناخوشگواری سے بوجھل زندگی ایسے لمحوں میں چیخ چیخ جاتی۔ عبدالہادی احساس ہوتے ہی مضطرب ہوتا خود ہی فاصلے پر ہوگیا۔

''آئی ایم سوری! زیادہ چوٹ لگ گئی ناں آپ کو۔'' وہ بے حد بے چین بے بس متاسف نظر آنے لگا۔ علیزے نے جواباً قہر بار نگاہ اس پر ڈالی تھی اور رُخ پھیر لیا۔ عبدالہادی کی شرمندگی کا جیسے کوئی انت نہیں رہا تھا۔ نظریں چراتا وہ ہونٹ کچلتا رہا تھا۔

''آپ کہاں جائیں گی۔ بتادیجیے۔'' وہ خاصی تاخیر سے بولا تو آواز سے ہنوز شرمندگی کا تاثر چھلکتا تھا۔

''جہنم میں۔'' وہ جواباً پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ عبدالہادی نے کچھ کہے بغیر گاڑی اسٹارٹ کردی۔ دونوں کے بیچ پھر خاموشی حائل ہوگئی تھی۔ عبدالہادی نے اس کے خفگی چھلکاتے تاثرات پر لودیتی نگاہ ڈالی تھی۔ ماضی کا ایک خوشگوار لمحہ پوری جزئیات کے ساتھ اس کے ذہن پر قابض ہونے لگا تھا۔

آف وائٹ کلر کے لباس میں اس کی گلابی رنگت دہک رہی تھی۔ جبکہ ہاف سلیو سے جھانکتے جگمگاتے بازو اور کمر تک لمبے بال۔ ستاروں کی مانند دمکتی آنکھیں، ستواں ناک کوئی بھی چیز ہرگز نظرانداز کیے جانے والی نہ تھی۔ جب وہ مکمل تیاری کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ گویا ہر سو مسحورکن سی روشنیاں اتر آئی تھیں۔ وہ یک ٹک دیوانہ وار اسے تکتا رہا تھا تو علیزے نے اٹھلا کر اسے مکا مارا تھا۔

''کیا تکلیف ہے بھئی۔ ایسے مت دیکھو۔''

''روشنی ہی روشنی تھی۔ جیسے چاندنی زمین پر اتر آئی ہو۔ غور کیا تو آپ تھیں۔'' وہ اس کی خوبصورتی کو سراہ رہا تھا۔ علیزے نے گردن تان لی۔

''بس اتنی معمولی تعریف۔'' اس انوکھے جواب پر وہ کتنا حیران ہوا تھا۔

''اس سے بڑھ کر بھی تعریف ہوسکتی ہے؟''

''اس کا مطلب بس تمہاری نظر میں میرے لیے اتنی ہی ستائش ہے۔'' وہ فوراً خفا نظر آنے لگی۔ اس نے سرد آہ بھرلی تھی۔ یہ خاموشی تب علیزے کو گراں گزری تھی۔ جبھی یہ خفگی بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے مناتا رہا تھا۔ مگر وہ ماننے پر آمادہ نہیں لگتی تھی۔ وہ عاجز ہوکر نہایت بے چارگی کے عالم میں اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کیوں روٹھ گئی ہو یار؟ بتاؤ کیا کروں اب؟''
جواباً وہ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے مہکتے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

وہ کہتا ہے بتاؤ بے سبب کیوں روٹھ جاتے ہو
میں کہتا ہوں ذرا مجھ کو مناؤ اچھا لگتا ہے
وہ کہتا ہے میرا دل آخر تم سے کیوں نہیں بھرتا
میں کہتی ہوں محبت کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی
وہ کہتا ہے بتاؤ میں تمہیں کیوں بھا گیا اتنا
میں کہتی ہوں اچھے حادثے تو ہو ہی جاتے ہیں
وہ کہتا ہے میں اچانک تم کو رُلا دوں تو
میں کہتی ہوں مجھے دکھ ہے کہ تم بھی بھیگ جاؤ گے

وہ چپ ہوئی تو یوسف کتنی دیر تک ہنستا رہا تھا۔ علیزے کے گھورنے پر بامشکل ہنسی روکی۔

''مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا۔ تم اتنی رومینٹک بھی ہوسکتی ہو۔'' وہ اسے آنکھ مار کر بولا تھا۔ علیزے نے آہ بھری۔

''اگر تم رومینٹک نہیں رہے تو میرا کیا قصور ہے۔ یاد ہے کتنے شعر سنایا کرتے تھے تم۔'' وہ بسوری تھی۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اب بھی سنا سکتا ہوں۔''

دل لے کے کہتے ہیں کسی کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

''یہ تو طعنہ ہوگیا۔ رومینس کہاں سے آگیا اس میں۔'' وہ اور خفا ہو کے رہ گئی۔

''تو رومینٹک چاہیے۔'' اس کی آنکھیں شرارتی ہوئیں۔ اور لو دینے لگیں۔

مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار
میری نظر کی دھوپ نہ بھرتی روپ تو ہوتا حسن تیرا بے کار

اس کی آنکھیں بے حد گستاخ ہوچکی تھیں۔ علیزے کی حد یہیں تک تھی۔ جبھی اس کے چھکے چھوٹنے لگے تھے۔

''بہت بدتمیز ہو تم۔'' وہ جھینپ کر اسے گھونسے مارنے لگی تھی۔

''کہاں پہنچے ہوئے ہو۔ ایکسیڈنٹ کا ارادہ ہے یا خودکشی کا......؟ تو مجھے اتار دو۔ تمہارے ساتھ مرنا بھی گوارا نہیں ہے مجھے۔'' علیزے کے چلانے پر وہ جیسے چونک کر حواسوں میں لوٹا تھا۔ چہرے کے تاثرات بہت تیزی سے تبدیل ہوئے۔ خود کو سنبھال کر اس نے علیزے کو دیکھا۔ ناگواری کی تیز لہریں جس کے وجود کا احاطہ کرچکی تھیں۔

''مجھے ہرگز شوق نہیں ہے تمہارے ہمراہ شہر کی سڑکیں ناپنے کا۔ مجھے جامعہ ڈراپ کرو۔ وہیں جانا تھا مجھے۔'' وہ دانت بھینچ کر کہہ رہی تھی۔ عبدالہادی نے سر ہلا دیا تھا۔ دس منٹ کے بعد اس نے گاڑی جامعہ کے سامنے روک دی۔

''میں لینے آجاؤں گا۔ ٹائم بتادیں مجھے۔'' دروازہ کھول کر اسے اترتے پاکر عبدالہادی نے اسے مخاطب کیا تھا۔ علیزے نے چونک کر اسے دیکھا۔ انداز برہمی لیے ہوئے تھا۔ جو ظاہر بھی ہوگئی۔

''تمہیں شوق کیوں ہے بار بار ذلت اٹھانے

کا۔ میں تم سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ جاتی۔'' اب کے وہ چیخی اور چلائی نہیں تھی۔ اس کے باوجود انداز اتنا کٹیلا تھا کہ عبدالہادی کو اپنا سارا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ یونہی تنتے ہوئے چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

تمہاری کھوج میں جو بھی ملا ہے دل کو قبول
وہ بارگاہِ گل ہو یا نوک خار
وہ بار بار میرے دل کو توڑنے آئے
اور اک میں کہ کہوں بار بار بسم اللہ

وہ تب تک اسے دیکھتا رہا تھا جب تک وہ نظر آئی اور جامعہ کے گیٹ سے اندر نہیں چلی گئی۔ ہونٹوں پر بڑی شکستہ، بڑی مجروح قسم کی مسکان تھی۔

☆......☆......☆

''آپ کو بہت مبارک ہو اُمِ جان! حج کی درخواست قبول ہوگئی آپ کی۔'' عبدالغنی نے گھر آتے ہی اُمِ جان کو کاندھوں سے پکڑ کر وفورِ جذبات سے لرزتی آواز میں کہا تو اُمِ جان کی رنگت متغیر ہو کر رہ گئی تھی۔

''الحمد اللہ! الحمد اللہ رب العالمین۔'' وہ وہیں تخت پر سجدہ ریز ہوگئیں۔ عبدالغنی نم آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ لاریب تیزی سے کچن سے نکل کر باہر آ گئی۔

''واقعی؟ بہت خوشی ہوئی، مبارک ہو، بابا جان کہاں ہیں؟'' اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ صبح سے نڈھال رہی تھی۔ مگر اب جیسے ایک دم تروتازہ نظر آنے لگی۔

''بابا جان مسجد میں ہی ہیں۔ میں انہیں یہ خوشخبری سنا آیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اللہ نے تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونے کے بعد یہ سعادت بھی نصیب فرمائی۔'' وہ خوشی سے کہتا عبدالعلی کو گود میں اٹھا کر تخت پر اُمِ جان کے برابر بیٹھا کر خود بائیک سے مٹھائی کے ڈبے کا شاپر اُتار لایا۔

''بسم اللہ کریں اُمِ جان!'' اس نے ڈبہ کھول کر اُمِ جان کو دیکھا جو لاریب کی مبارکباد کے جواب میں اسے گلے لگا کر دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔ ڈبے سے انہوں نے گلاب جامن اٹھائی تھی۔ پہلے عبدالعلی کے منہ میں چھوٹا ٹکڑا توڑ کر ڈالا تھا، پھر لاریب کو کھلائی۔ اس کے بعد عبدالغنی کی جانب بڑھائی تو وہ آہستہ سے ہنس دیا تھا۔ ایک سائیڈ سے تھوڑا سا بائٹ لے کر اس نے اپنے ہاتھ سے باقی ٹکڑا اُمِ جان کے منہ میں ڈالا۔ اُمِ جان نے جواباً اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر پیشانی چومی تھی۔

''جیتے رہو۔ اللہ پاک عمر دراز فرمائے۔ نیکی اور ہدایت پر قائم رکھے۔ خوشیاں نصیب فرمائے۔ آمین۔'' ان کی آنکھیں بھیگی جاتی تھیں۔ اظہارِ تشکر کے طور پر۔

''بچیوں کو بھی خبر دے دو بیٹے! خوشی کا موقع ہے۔''

''صرف خبر نہیں اُمِ جان! ہم باقاعدہ دعوت کریں گے سب کی۔ میرا خیال ہے اسی دن گھر میں میلاد کی بھی محفل رکھ لیتے ہیں۔ ہے نا اُمِ جان!'' لاریب نے چہک کر کہا تھا۔ عبدالغنی مسکرائے گیا۔

''بابا جانی سب کیوں خوش ہیں؟'' عبدالعلی سے رہا نہیں گیا تو سوال کر لیا تھا۔

''بیٹے جانی آپ کے دادا جان اور دادو جانی اللہ کے گھر جانے لگے ہیں ناں۔ اس لیے۔'' عبدالغنی نے بیٹے کو اٹھا کر چومتے ہوئے بتلایا۔

''اللہ کا گھر پیارا ہوتا ہے ناں بابا جانی! میں نے ٹی وی پر دیکھا ہوا ہے۔ میں بھی جاؤں گا۔ دادا جان اور دادو جانی کے ساتھ۔'' وہ مچل کر بولا تو سبھی مسکرا دیے تھے۔

"انشاء اللہ ضرور چلو گے جانو! آپ بھی چلو گے۔" عبدالغنی نے پھر اس کی پیشانی چومی۔

"میں تو بھئی فون کر رہی ہوں بھابی اور علیزے کو۔ میلاد اور دعوت کی جب ڈیٹ طے ہو گی تب انوائٹ کر لیں گے۔ اتنی بڑی خبر کو کیسے تب تک دبا کر رکھیں۔" لاریب نے زور سے کہا اور سائیڈ میں پڑی تپائی سے اپنا فون اٹھا لیا۔ نمبر پُش کیے اور کان سے لگا لیا۔ مگر اگلے لمحے منہ بسور کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"آپ سے کہا بھی تھا عبدالغنی! کریڈٹ ختم ہے۔ نہ ری چارج کروایا، نہ کالنگ کارڈ ہی لائے ہوں گے۔ اُمِ جان دیکھ لیجیے۔ آپ کے بیٹے کو اب میرے کام بھولتے جا رہے ہیں۔ اک دن آئے گا یہ مجھے بھی بھول جائیں گے۔ اوپر سے آپ بھی جا رہی ہیں۔ گویا ان کی بے پروائیوں کو اور شہ ملے گی۔" دونوں ہاتھ کمر پر رکھے وہ بڑے شکایتی انداز میں کہہ رہی تھی۔ جہاں عبدالغنی گڑبڑایا تھا وہاں اُمِ جان، جی جان سے مسکرانے لگی تھیں۔ پھر عبدالغنی کو دیکھا۔

"کیوں عبدالغنی بیٹے! کان کھینچنے پڑیں گے تمہارے۔"

"آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہیں اُمِ جان! کارڈ میں لایا ہوں۔ جہاں تک کریڈٹ کی بات ہے۔ تو محترمہ ہر روز میرا فون استعمال کرتی ہیں اتنے دھڑلے سے کہ اکثر سارا بیلنس ختم ہو جاتا ہے۔ اب بھی کر سکتی تھیں۔ مگر کان پھر آپ کے کیسے بھرے جاتے بھلا۔" وہ جواباً مصنوعی خفگی سے کہہ رہا تھا۔ اُمِ جان گہرا سانس بھر کے یوں لاریب کو تکنے لگیں۔ گویا کہہ رہی ہوں کہ اب بتاؤ کیا کہوں۔" وہ بری طرح کھسیا گئی۔

"لگا لیں الزام! اندر آئیں، پوچھتی ہوں، کارڈ نکالیں۔" وہ اس کے بازو پر گھونسہ مارتے ہوئے دانت پیس کر بولی تھی۔ عبدالغنی نے کرتے کی جیب سے کالنگ کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ہاں تو آؤں گا اندر بھی، آج تو ویسے بھی بڑے خطرناک ارادے ہیں ہمارے۔" اس پر ذرا سا جھک کر وہ بوجھل آواز میں بولا تھا۔ لاریب کا سارا طنطنہ اس کے ایسے موڈ کے سامنے ہوا ہو جایا کرتا تھا۔ اجلا چہرہ گلابی پڑا اور پلکیں لرز کر جھک گئیں۔ عبدالغنی کے چہرے پر اس کے حجاب آلود عکس کو تکتے مسکان گہری ہو گئی تھی۔

"پکایا کیا ہے آج؟" واش بیسن کے سامنے آ کر وہ ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔

"کدو گوشت اور کھیر، ساتھ میں رائتہ ہے۔ بابا جان آ جائیں تو کھانا لگاتی ہوں۔" بڑی شرافت سے جواب دے کر وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ عبدالغنی جب تک اندر آیا وہ بریرہ سے بات کر کے فارغ ہو چکی تھی۔

"علیزے کا نمبر آف جا رہا ہے۔ چکر بھی نہیں لگایا اس نے، آپ گئے تھے؟" اُٹھ کر اسے تولیہ دیتے ہوئے وہ خاصی فکر مندی سے بولی۔ عبدالغنی نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"اُفوہ...... بھئی آپ کو پتا بھی تھا اس کے حالات کا۔ ایک بار تو مل کر آئے ہوتے ناں۔" اس کے جھنجلانے پر عبدالغنی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ اسے اچھا لگتا تھا جب وہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے رشتوں کو بھی اتنی ہی محبت اور اہمیت سے نوازتی تھی۔

"میں نے عبدالہادی سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا سب ٹھیک ہے۔" لاریب اس تسلی پر بجائے مطمئن ہونے کے مزید جھنجلا گئی۔

"وہ تو یہی کہیں گے ظاہر ہے۔ آپ کو خود جانا چاہیے تھا۔ چلیں ابھی چلتے ہیں۔ مل بھی لیں گے اور

اُمِ جان کے حج کی خوشخبری بھی دے دیں گے۔ مجھے تو بہت فکر ہو رہی ہے۔ آپ کو پتا نہیں کیوں خیال نہیں آیا۔''

''ابھی......؟ یار کھانا تو کھلا دو پہلے۔ اور خیال اس لیے نہیں آیا کہ میری بیوی جو سارے خیال کر لیتی ہے۔ مجھے تو ڈر ہے ایک دن انہی خیالوں میں یہ مجھے خواب و خیال ہی کر دے گی۔'' وہ اس کے بالکل نزدیک آ کر خاصے حسرت زدہ انداز میں بولا تھا مگر مسکراہٹ دباتے ہوئے۔ لاریب نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ پھر جھینپ کر ہنس پڑی تھی۔

''بڑے ڈائیلاگ مارے جا رہے ہیں۔ خیریت؟'' عبدالغنی نے خفا ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ہم مطلبی نہیں ہیں زوجہ! اور باہر جو آپ ڈائیلاگ مار رہی تھیں۔ ہم نے ایسا الزام تو نہیں لگایا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے کہہ رہا تھا۔ لاریب نے سرد آہ بھرلی۔

''اچھا......! سمجھی، تو یہ اسی کا بدلہ تھا۔'' وہ آنکھیں نچا رہی تھی۔

''اگر یہ محبت سمجھو تو محبت کا ہی بدلہ تھا۔'' وہ دوبدو بولا۔

''آپ سے میں کہاں جیت سکتی ہوں۔'' لاریب کھل کر ہنس پڑی۔

''جیت تو گئی تھیں۔ یاد نہیں۔ تم، تمہاری محبت، سب جیتے تھے۔'' عبدالغنی کی آنکھوں میں ماضی کا حوالہ دیتے شرارت اُتر آئی۔ لاریب نے جھینپتے ہوئے اسے گھونسا مارا تھا۔

''شکر کریں جیت گئی تھی۔ ورنہ اس وقت زندہ نظر نہ آتی آپ کو۔''

''شکر کر رہا ہوں۔ ورنہ میں بھی آج اتنا مکمل، اتنا آسودہ نہ ہوتا۔ اس لڑکی نے کسی اور کا چھوڑا ہی کہاں تھا۔''

''خیر، اب ایسی بھی بات نہیں۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔ آپ کی شادی مجھ سے اگر نہ بھی ہوتی تب بھی آپ ایسے ہی مگن ہوتے۔'' وہ فوراً بدگمان ہو کر بولی تھی، ناک چڑھا کر نخوت سے۔ عبدالغنی گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''اس کا مطلب پھر سے یقین سونپنے کی ضرورت ہے۔ چلو بتا دوں گا پھر، مگر پہلے کھانا......'' وہ کراہا۔ لاریب اس کے انداز پر ہنستی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا خیال ہے آ گئے ہیں بابا جان! کھانا لگا رہی ہوں۔ عبدالعلی کو لے آئیں۔''

وہ بولتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ عبدالغنی نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

☆......☆......☆

اس نے عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے عبداللہ کو سلا دیا تھا۔ اس کے بعد بہت تسلی سے نماز پڑھی تھی۔ سورۃ ملک، سورۃ سجدہ کی تلاوت کے دوران کچن کا کام سمیٹ لیا۔ ممی کے کمرے میں جھانکا۔ وہ نماز کے بعد تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ بریرہ انہیں ڈسٹرب کیے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسی پل اس کے سیل فون پر میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے چونک کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے اپنے فون کو دیکھا۔ اور آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ کمپنی کی جانب سے میسج تھا۔ اس نے ڈیلیٹ کر دیا۔ کچھ دیر یونہی کھڑی کچھ سوچتی رہی تھی پھر ہارون کا نمبر ملا لیا۔ دوسری جانب جاتی بیل کی آواز سنتے اس کا دل عجیب سے خوف کے ہمراہ تیز دھڑکنے لگا۔

''ہیلو!'' کچھ توقف سے اس کی بھاری بھرکم بوجھل آواز حیرانی کا تاثر لیے اس کی سماعتوں میں

اتری تو بریرہ کی ہتھیلیاں پسینوں میں ڈوبنے لگی تھیں۔

"السلام وعلیکم!" دوسری جانب یکلخت سکوت چھا گیا۔ اسی سکوت میں بریرہ کی دھڑکنیں ڈوبنے ابھرنے لگی تھیں۔

"کیوں فون کیا ہے؟" معاً وہ ناگواری دبائے بغیر سوال کر گیا تھا۔

"آپ کی خیریت پوچھنا چاہتی تھی۔" بریرہ نے ڈھیٹ بننا منظور کر لیا تھا۔ یہ طے تھا اب اسے ہی پیش رفت کرنا تھی۔ یہ کوہِ گراں اسے اٹھانا تھا۔ سرخروئی کے لیے یہ ضروری تھا۔ جیسے بھی سہی مگر ہارون نے اسے احساس ضرور دلا دیا تھا اس کی کوتاہی کا۔ اب معاملہ شرم کا نہیں تھا۔ فرض اور ذمہ داری کا ہو گیا تھا۔

"اس زحمت کی ضرورت نہیں تھی۔" ہارون کا لہجہ خار کھایا ہوا تھا۔ حیرت تمام ہوئی تو اس کی جگہ غصے نے لے لی۔

"یہ زحمت نہیں، میرے لیے باعثِ رحمت و سعادت ہے۔ شوہر ہیں آپ میرے۔" وہ جواباً مسکراتے لہجے میں گویا ہوئی۔ ہارون کو پھر شاک لگا۔ وہ ایسی گفتگو کی عادی نہیں تھی۔ پھر اس تبدیلی کا مطلب؟

"یہ بحث بے کار ہے۔ مقصد کی بات کرو۔" وہ خاصے چڑے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

"کب آئیں گے یہاں؟" بریرہ نے بغیر کسی ردوکد کے کہہ ڈالا۔ ہارون کو پھر دھچکا لگا تھا۔ کتنی دیر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ جب کام ہو گا آ جاؤں گا۔" اب کے وہ جھلا سا گیا تھا۔

"کام تو جانے کب پڑے آپ کو، میرا دل چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کو۔ چلیں اگر آپ کا آنا ممکن نہیں تو مجھے وہاں بلوالیں۔ یہ ٹھیک ہے؟" وہ بہت رسان سے بے حد صلح جو انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ہارون کو لگا آج اس نے طے کر رکھا ہے۔ حیران کر کے مارنے کا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟" وہ خود پر کنٹرول کھو بیٹھا۔ بریرہ خاموشی سے بغیر برا مانے اس کی سخت سست سنتی رہی۔ یہاں تک کہ ہارون نے فون بند کر دیا تھا۔ بریرہ کچھ دیر سیل فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی۔ پھر نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

(آپ کو یقین نہیں آئے گا ہارون اسرار کہ میں آپ سے محبت بھی کر سکتی ہوں۔ بات صرف محبت کی ہوتی تو بھی ٹھیک تھا۔ میں صبر کر رہی تھی، کرتی رہتی، بات آپ کے ساتھ میری بھی عاقبت سنوارنے کی ہے۔ حقوق و فرائض کی جنگ میں آپ کے حوالے سے بالکل شکستہ ہوں۔ مجھے اس کی ادائیگی تو کرنی ہے۔ اللہ کے لیے جو کام کیا ہے اس میں اللہ ہی مددگار رہا کرتا ہے۔ علیزے والا معاملہ بخیر وخوبی اگر وہ نپٹا سکتا ہے تو اس معاملے میں مجھے اکیلا کیسے چھوڑ دے گا)

دستک کی آواز پر وہ قدرے چونکی اور فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے خود اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ممی کو کھڑے پا کر حیران رہ گئی تھی۔

"آیئے ناں۔ خیریت تو ہے؟" دروازے سے ہٹتے ہوئے اس نے اچنبھے میں گھر کر وال کلاک کی جانب دیکھا تھا۔ یہ تو ان کے آرام کا وقت ہوتا تھا۔ اس کے پاس بلاوجہ نہیں آئی تھیں۔

"بیٹے میں تو تمہاری وجہ سے پریشان ہو گئی تھی۔ ابھی ہارون کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا اپنی بہو کی خبر لیں۔ بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔ کیا تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟" انہوں نے وجہ بتا کر سوال

کیا تھا۔ بریرہ بے اختیار گہرا سانس بھرتی سر کو اثبات میں ہلا گئی۔

"ایسا کیا کہا تم نے کہ وہ یوں بول رہا تھا۔" ممی ابھی تک حیران تھیں۔ بریرہ نے نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔ اسے ممی کے سامنے بات کھولتے حیا آ رہی تھی۔

"کچھ نہیں، انہیں یہاں آنے کا کہا تھا۔" وہ نظریں چرائے کہہ رہی تھی۔ ممی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ یوں جیسے یقین نہ آسکا ہو۔ اگلے لمحے انہوں نے بے ساختہ اسے بڑھ کر گلے لگا لیا تھا۔

"بہت اچھا کیا۔ بیٹے یہ کام تمہیں بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ خیر اللہ بہتر کرے گا۔" وہ اس کی پشت تھپتھپا رہی تھیں۔ خوشی وانبساط ان کے ہر انداز سے چھلک رہا تھا۔ بریرہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ پھر قدرے جھجک کر انہیں دیکھا۔

"وہ...... وہ آئیں گے ناں ممی میرے بلانے پر؟" ممی نے جواباً نہال ہوتے پھر اسے گلے سے لگا لیا۔

"کیوں نہیں بیٹے! ضرور آئے گا انشاء اللہ! تم سے ہی تو خفا تھا وہ۔ تمہاری بے نیازی ہی تو گھن بن کر کھا گئی تھی اسے، جبھی تو بہت سے ایسے کام بھی کر گزرا کہ تم پلٹو، تم اسے روکو۔"

"پہلے میں واقعی غافل تھی ممی! مگر پھر محض حیا مانع تھی۔ مگر اب میں انہیں مناؤں گی۔" سر جھکائے وہ بہت مدھم ہو کر بول رہی تھی۔ ممی نے اس کا سر تھپکا۔

"جیتی رہو، اللہ پاک تمہیں تمہارے جائز مقاصد میں کامرانی سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔"

بریرہ جواباً آہستگی سے مسکرا دی تھی۔ اس مسکراہٹ میں گہرا اطمینان پوشیدہ تھا۔

☆......☆......☆

اس نے چائے بنا کر چھانی اور مگ میں نکالی اور ساس پین کو سنک میں پھینک دیا۔ جہاں پہلے بھی کچھ دھونے والے برتن ڈھیر تھے اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اس کی نفاست پسند طبیعت کو یہ گوارا نہیں تھا مگر وہ طے کر چکی تھی کہ اسے اس گھر میں کوئی کام نہیں کرنا۔ وہ ہرگز ایسا عمل نہیں اپنانا چاہتی تھی جس سے عبدالہادی کسی قسم کی خوش فہمی کا شکار ہو سکتا۔ وہ صرف اپنے کپڑے دھوتی تھی، عبدالہادی کے کپڑے جیسے پہلے لانڈری سے دھل کر آتے تھے ویسے ہی اب بھی آ رہے تھے۔ کچن وہی صاف کرتا تھا۔ گھر کی صفائی شادی سے پہلے تک وہ خود کرتا تھا، اب بھی کرتا، علیزے اسے جینز پر بنیان پہن کر پائپ لگائے شڑاپ شڑاپ دھوتے دیکھ کر خاص طور پر کمرے میں بند ہو جاتی۔ کھانا بھی وہی تیار کرتا تھا۔ علیزے اس کا پکا ہوا نہیں کھاتی تھی۔ اپنا الگ آٹا گوندھتی اور ایک روٹی ڈال لیتی۔ سالن نہیں پکاتی تھی۔ کبھی آملیٹ تو کبھی آلو تل کر گزارا چل رہا تھا۔ عبدالہادی سب کچھ دیکھتا تھا، کڑھتا تھا مگر خاموش تھا۔ پچھلے دو دن سے اس کی روٹین میں باقاعدگی نہیں رہی تھی۔ ٹائم بھی گھر کو کم دیتا۔ شاید کوئی مصروفیت تھی باہر۔ جتنی بار بھی گھر آیا بہت عجلت میں لگا تھا۔ واپس جانے کو تیار جیسے۔ یہی وجہ تھی کہ گھر ابتری کا شکار ہو رہا تھا۔ صحن میلا میلا سا، کچن گندا، پودے کیاریوں میں سوکھے ہوئے، ہر شے بے ترتیب سی، کچن کی سلیب سے ٹیک لگائے ہاتھ میں چائے کا مگ لیے وہ بے زار اور کسی حد تک جھنجلائی ہوئی یہ سب دیکھتی رہی۔ ضد نہ ہوتی تو اب تک سب کچھ چمکا چکی ہوتی۔ مگر طبیعت کی نزاکت یہ سب گوارا بھی نہیں کر رہی تھی۔ بالآخر یہ نفاست جیتی تھی۔ اور وہ ہر خیال جھٹک کر جھاڑو اٹھائے صحن میں آ گئی۔ نل سے پائپ لگا کر پورے گھر کی چیزوں کو

بہت عجلت میں ترتیب دیتے ہوئے اس نے اسی مصروف انداز میں دوپٹا اتار کر برآمدے کے پلر سے دو تین بل دینے کے بعد گرہ لگادی تھی۔

اس کے بعد دھلائی شروع کی تو پھر اس وقت ہی سیدھی ہوئی جب ڈیوڑھی تک دھوڈالی تھی۔

جھاڑو رکھتے ہوئے اس نے پائپ ہٹا کر سائیڈ پر رکھا اور وائپر اٹھالیا۔ پہلے کمروں میں لگایا پھر برآمدے میں اس کے بعد صحن کی باری آئی تھی۔ وہ اسی مگن انداز میں مصروف تھی جب کسی احساس کے تحت چہرے پر جھولتی لٹوں کو بازو سے پیچھے کرتے سر اونچا کیا تھا اور جیسے ناگواری و ناپسندیدگی کے شدید احساس سمیت شل ہوکر رہ گئی۔ عبدالہادی ہاتھ میں کسی چیز کا شاپر پکڑے کسی قدر حیران مگر دلچسپ نظروں سے اسے دیکھنے میں محو تھا۔ علیزے نے بے اختیار وائپر چھوڑ کر اپنے دوپٹے تک رسائی حاصل کرنا چاہی تھی۔ چونکہ انداز میں عجلت بھی تھی۔ بے دھیانی اور ناگواری بھی جب ہی گیلے فرش پر کیسے پاؤں رپٹا۔ پتا ہی نہ چلا۔ سنبھلے بغیر وہ دردناک چیخ کے ساتھ نیچے آرہی تھی۔ شرمندگی کے ساتھ تکلیف اور سبکی کا احساس اتنا گہرا تھا کہ اپنے ہی گھٹنوں میں منہ چھپا کر وہ بے اختیار سسک اٹھی تھی۔ عبدالہادی گھبراتا، بوکھلاتا ہوا تیزی سے لپک کر اس کے نزدیک جتنی بے قراری سے آیا تھا۔ پاس آکر اس قدر جھک کر تھم کر رہ گیا۔

"دیا...... میرا مطلب ہے علیزے! آر یُو اوکے؟" اس کا لہجہ رُکتا اٹکتا ہوا سا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ اسی پوزیشن میں بیٹھی سسکتی رہی۔

"اٹھیں پلیز! آپ کو کس نے کہا تھا یہ کام کریں۔" وہ متذبذب سا بولا۔

"شٹ اپ! جس طرح دیدے پھاڑ کر گھور رہے تھے۔ شکر ہے صرف گری ہوں۔ ہڈی نہیں ٹوٹی کوئی۔" اس کا غصہ بالآخر ابل پڑا تھا۔ عبدالہادی پہلے تو ہونق ہوا تھا پھر اسے قدرے خجل نظر آتا سر کھجانے لگا۔

"آئی ایم سوری!" وہ یہی کہہ سکا۔ علیزے بامشکل اُٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ مگر ایک سے دوسرا قدم اٹھاتے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔

"کیا میں آپ کو سہارا دے سکتا ہوں۔" عبدالہادی اسی کی جانب متوجہ تھا۔ بے اختیار بولا۔ علیزے نے جواباً اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا۔

"ہاتھ نہ توڑ دوں گی میں تمہارے۔ خبردار جو ایسا سوچا بھی تو۔" وہ غرائی تھی۔ عبدالہادی بے اختیار سرخ چہرے کے ساتھ نظر کا زاویہ بدل گیا۔

"میں اسی لیے گھر آیا تھا کہ عبدالغنی بھائی آرہے ہیں بھابی کے ساتھ، آپ چینج کرلیں۔ وہ لوگ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔"

عبدالہادی کی نگاہ اس کے نچڑے ہوئے لباس پر تھی۔ اس کا دوپٹہ پلر سے کھول کر وہ اس کی جانب بڑھا چکا تھا۔ جسے اس نے محض ضد میں نہیں لیا اور پیر گھسیٹتی ہوئی دیوار کا سہارا لیے اندر چلی گئی۔ عبدالہادی نے گہرا سانس بھرا اور اس کے پیچھے کمرے میں آگیا۔

"یہ درد رفع کرنے کی دوا ہے، لگالیں۔" اس نے دراز کھینچ کر ایک دوا کی ٹیوب اس کے پاس رکھی اور خود الماری کھول کر کھڑا ہوگیا۔

"یہ کپڑے پہن لیں زیادہ چلنے پھرنے سے گریز کیجیے گا۔" اس کے لیے فیروزی کلر کے خوبصورت لباس کا ہینگر نکال کر اس کے پاس رکھتے ہوئے وہ علیزے کو دانت کچکچانے پر مجبور کرگیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب لاریب اور عبدالغنی نے چوکھٹ پر

قدم رکھا تھا۔ عبدالہادی بہت تپاک سے بڑھ کر ان سے ملنے لگا علیزے نے تیزی سے دوپٹا اُٹھا کر اوڑھا تھا۔ اس کا چہرہ گرم ہو کر تپنے لگا اور اندر تناؤ سا بھر گیا۔ اسے لگا تھا۔ عبدالہادی نے جو لاریب اور عبدالغنی کو دکھانے کی کوشش کی تھی وہ دکھا چکا تھا کہ اس نے عبدالغنی کے چہرے پر اطمینان اور لاریب کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکان اترتی دیکھ کر خود کو جھلستے محسوس کیا تھا۔

''بھئی ہم نے سوچا خود مل آئیں۔ ہمارے عبدالہادی بھائی بہت مصروف بندے ہیں اور ہماری لڑکی کا تو دل اپنے گھر اور شوہر میں ایسا لگا ہے کہ پلٹ کر دیکھنا بھی بھول گئی۔''

لاریب اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں کہتے اس کے گلے لگی تھی۔ علیزے جواباً کچھ نہیں بولی۔ البتہ اسے عبدالہادی کی موجودگی اور نظروں سے بہت کوفت محسوس ہوئی تھی۔

''مجھے خوشی ہے تمہاری اس اتنے پیارے شخص سے صلح ہوگئی ہے۔'' لاریب نے اس کے گال پر چٹکی بھری تھی۔ علیزے کی پیشانی جلنے لگی۔

''علیزے آپ ٹھیک ہو گڑیا!'' عبدالغنی نے مخصوص قسم کی شفقت و محبت سمیت اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ خفا خفا سی محض سر ہلا سکی۔

''آپ بیٹھیں بھائی! میں چائے لاتی ہوں۔'' اس نے عبدالغنی کو مخاطب کیا تھا۔ جو محض مسکرایا۔

''ارے نہیں! آپ نہیں اٹھیے گا علیزے! چائے میں بنا لاتا ہوں۔ آپ یہ دوا لگالیں پاؤں پر۔'' عبدالہادی بے اختیار ٹوک کر بولا۔ انداز کی اپنائیت اور کیئر کا احساس علیزے کو زہر لگا تھا۔ لاریب اور عبدالغنی دونوں ہی اس بات پر چونک اٹھے تھے۔

''خیریت؟ کیا ہوا علیزے کے پیر کو؟''

عبدالغنی کے انداز میں بے حد فکرمندی اور بے چینی تھی۔ لاریب چونکہ قریب تھی جبھی خود اس کے پیر کو دیکھنا شروع کر دیا۔

''فرش دھوتے ہوئے پھسل گئیں۔ ان کا خیال ہے میری نظر لگ چکی ہے۔'' عبدالہادی نے مسکراہٹ دبا کر جس بے ساختگی میں کہا تھا۔ علیزے کے ساتھ لاریب اور عبدالغنی نے بھی متحیر ہو کر اسے دیکھا۔ علیزے کا چہرہ یکدم بے تحاشا سرخ ہوگیا۔ اسے عبدالغنی کا یہ انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

''چھچھورا۔'' وہ زیرِ لب بولی تھی۔ لاریب زور سے ہنس پڑی۔

''میں علیزے سے اگری ہوں بھائی! یقیناً یہی بات ہوگی۔''

''اگر آپ بھی یہی سمجھ رہی ہیں تو پھر یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ میں یہ جرم قبول کرتا ہوں۔'' وہ خوشدلی سے کہتا بے حد فراخدل ہو رہا تھا اور علیزے کو اتنا ہی برا لگ رہا تھا۔ وہ معذرت کرتا اٹھا تب علیزے کے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے تھے۔

''بہت دلچسپ شخصیت ہے عبدالہادی بھائی کی۔ ہے ناں عبدالغنی!'' لاریب مسکراتے ہوئے تائید چاہ رہی تھی۔ عبدالغنی جواباً متفق انداز میں مسکرانے لگا۔

''کیا زیادہ درد ہے پیر میں؟'' لاریب نے اسے خاموش پا کر سوال کیا تھا۔ پھر خود دوا اٹھا کر اس کے پیر پر مساج کرنا شروع کیا تھا۔

''ایسے کام جوتا پہن کر کیا کرو۔ اور ہاں، بھابی بتا رہی تھیں تم نے جامعہ جانا بھی شروع کر دیا۔ کچھ دن تو اور رُک جاتیں اور کیا عبدالہادی بھائی نے اجازت دے دی تمہیں؟'' لاریب نے مساج کرنے کے بعد اس کے پیر پر کپڑا لپیٹتے ہوئے کہا

تھا۔علیزے کے چہرے پر درشتی سی چھا گئی۔
''وہ میری زندگی میں ہرگز اتنا اہم نہیں ہے کہ ایسے کام اجازت لے کر کروں۔ میں اپنی مرضی کی عادی ہوں۔'' اس کا انداز بدلحاظی لیے ہوئے تھا۔ جہاں لاریب کو چپ لگی وہیں عبدالغنی نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔
''اب آپ مجھے سمجھائیں گے کہ میں غلط کر رہی ہوں۔اس کا جواب میرے پاس یہ ہے بھائی کہ میں اس شخص کو سرے سے مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتی۔ پھر اس سے کوئی رشتہ اور تعلق کیسے قبول کرلوں۔'' وہ ہنوز اسی شدید اور تلخ لہجے میں گویا تھی۔عبدالغنی جیسے چپ تھا، ویسے ہی چپ رہا۔ یہاں تک کہ لاریب کو اس چپ سے شدید اختلاف ہو گیا تھا۔
''آپ کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں عبدالغنی! علیزے کو سمجھائیں یہ کتنا غلط سوچ رہی ہے۔'' وہ بے حد عاجز ہو کر بولی تھی۔عبدالغنی نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا تھا۔
''میں اور بریرہ یہ کام پہلے بہت اچھے انداز میں کر چکے۔ اگر فی الحال اثر تمہیں نظر آ رہا تو اس کا مطلب، ابھی اس کام میں خدا کے ہاں دیر اور عبدالہادی کی آزمائش مقصود ہے۔خاموشی عظیم نعمت ہے۔ بالخصوص اس مقام پر جہاں اختلاف زیادہ، آواز بلند، عمل کی کمی اور دلیل کی کوئی اوقات نہ ہو۔ علیزے اندیشے میں مبتلا ہے۔ اندھے یقین کے اندیشے میں اور اندیشہ ہمارا بہت بڑا دشمن ہوتا ہے۔ جو ہمارے ایمان کو گھن کی مانند کھا جاتا ہے۔میں دُعا کرتا ہوں اللہ پاک تمہارے حال پر بہت مہربانی فرمائے۔ تکبر اور اندیشے سے محفوظ رکھے آمین۔''
عبدالغنی کا انداز مخصوص رچاؤ، جذب اور نرمی لیے ہوئے تھا۔ چند ثانیوں کو تو علیزے اس کے الفاظ اور لہجے کے تاثر میں ہی گم رہی تھی۔اس کا دل گھبرایا بھی تھا اور کانپا بھی، مگر یہ کیفیت لمحاتی تھی۔اگلے لمحے وہ پھر سے اسی تنفر اور تلخی سے لبریز ہو چکی تھی۔
''چاچو کو میرے ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے۔ آپ پی کے بتائیے گا۔چاچو دل رکھنے کو تو یقیناً نہیں کہا کرتے؟'' عبدالہادی چائے کے لوازمات سے سجی ٹرے لیے آ گیا تھا۔ لاریب اور عبدالغنی سنبھل کر بیٹھ گئے۔علیزے کے تاثرات میں اسے روبرو پا کے پھر سے بےزاری عود کر آئی تھی۔
''جس سلیقے سے آپ ٹرے سجا کر لائے ہیں۔ اس سے تو یہی لگتا ہے وہ ٹھیک تعریف کرتے ہوں گے۔'' لاریب مسکرائی تھی۔عبدالہادی جھینپ سا گیا۔اس نے پہلے عبدالغنی کو چائے پیش کی تھی پھر لاریب کو، سب سے آخر میں علیزے کو، مگ بڑھاتے اس نے براہِ راست علیزے کو دیکھا تھا۔ دیکھنے کا انداز اور چائے پیش کرنے کا انداز اتنا دلبرانہ تھا کہ علیزے کی جگہ کوئی اور ہوتی تو ہرگز اتنی بےاعتنائی نہ برت سکتی۔
''مجھے نہیں پینی۔'' وہ بغیر کسی لحاظ کے تڑخی تھی۔ دراصل اسے عبدالغنی پر غصہ تھا۔ بجائے اس کی سائیڈ لینے کے وہ بھی عبدالہادی کا حامی بن بیٹھا تھا۔ وہ جیسے روہانسی ہوئی جا رہی تھی۔عبدالہادی کا چہرہ یکدم بےتحاشا پھیکا پڑ گیا۔یقیناً اسے مہمانوں کی موجودگی میں علیزے سے اس درجہ بےمروتی ورکھائی کی توقع نہیں تھی۔ عبدالغنی نے ایک نظر اس کے روٹھے ہوئے انداز کو دیکھا تھا اور اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے پاس آیا تو لاریب نے جلدی سے سرک کر اسے جگہ دی تھی۔
''اتنا خفا نہیں ہوتے گڑیا!'' عبدالہادی سے مگ لے کر خود اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تو علیزے کا ضبط بری طرح سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ وہ اس کے بازو میں منہ چھپا کر بے ساختہ

سسک پڑی تھی۔

''میں کسی سے بھی بات نہیں کروں گی۔ سب مجھے ہی غلط سمجھتے ہیں ناں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عبدالغنی کچھ کہے بغیر اسے تھپکتا رہا۔

''اچھا تو اس کا مطلب اسی وجہ سے تم ہم سے ملنے نہیں آتیں۔''

''جی، اور آؤں گی بھی نہیں۔'' وہ اسی موڈ میں جتلا کر کہہ گئی۔

''ارے رے...... ہم آ گئے ہیں ناں منانے، چلو اب مسکراؤ۔ مسکراؤ شاباش۔'' وہ اس کا سر تھپک رہا تھا۔ ناز اٹھا رہا تھا۔ منا رہا تھا اور وہ مان بھی گئی تھی۔ پہلے مسکرائی پھر ہنس رہی تھی۔ عبدالہادی حسرت بھری نظروں سے یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر یاسیت زدہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے ارسل احمد کو نہلایا تھا۔ تیار کیا تھا اور کچھ دیر تک اس کے ساتھ کھیلتی رہی۔ وہ سو گیا تو اُٹھ کر کچن میں آ گئی۔ اتنے ملازمین کی موجودگی کے باوجود وہ ارسل احمد کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کر کے ہی مطمئن ہوا کرتی تھی۔ اب وہ اس کے لیے نگٹس اور نوڈلز بنانے میں مصروف تھی جب اسے ابکائی محسوس ہونے لگی۔ اس نے سب کچھ چھوڑا اور سنک پر آ کر جھک گئی۔ کلی کرتے ہوئے اسے کچھ خیال آیا تھا تو ایکدم جیسے اندر سنسنی سی دوڑ گئی۔ ایک انوکھی ترنگ کے ساتھ چولہا بند کر کے وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔ اپنے پیچھے احتیاطاً دروازہ بند کیا اور سیل فون اُٹھا کر کچھ نمبر پش کر کے فون کان سے لگا لیا۔ اس کے چہرے پر تمتماہٹ اور جوش سا پیدا ہو رہا تھا۔

''ہیلو! السلام وعلیکم پھوپو جانی! کیسی ہیں آپ؟'' اس کی آواز باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔ جسے محسوس کرتے ہی ممی نے اسے ٹوکا اور خیریت دریافت کی تھی۔

''کیا ہوا بیٹے! تم ٹھیک ہو ناں؟ آواز لرز رہی ہے تمہاری۔ ارسل احمد تو ٹھیک ہے؟'' ان کے انداز میں فکرمندی تھی۔ سارہ ہولے سے ہنس دی۔

''بالکل ٹھیک ہے سب پھوپو جانی! بلکہ مجھے لگتا ہے ہمارے لیے خوشخبری ہے، میں...... مجھے لگتا ہے میں پریگنینٹ ہوں۔ کچھ دنوں سے مجھے کچن میں جا کر خاص کر وومیٹنگ ہونے لگتی ہے۔'' وہ خوشی خوشی اپنی کیفیت بتانے لگی۔ ممی کے لیے تو یہ بہت ہی خوش آئند بات تھی۔ جبھی ان کی خوشی کا تو جیسے ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

''بیٹے ٹیسٹ کرا لو اپنے، اور دیکھو بہت احتیاط کرنا، اللہ بہتر کرے گا۔''

''جی جی پھوپو جانی! میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گی ڈاکٹر کے پاس، اللہ کرے جو ہم سمجھ رہے ہیں ویسا ہی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آمین، اللہ بہتر کرے۔ اللہ پاک صحت مند اولاد سے تمہاری جھولی بھرے۔''

''ثم آمین! میں نے بہت دُعائیں مانگی ہیں پھوپو جانی! بہت وظیفے پڑھے ہیں۔'' وہ نم آواز میں بولی تھی۔ ممی مسکرانے لگیں۔

''مجھے پتا ہے بیٹے! اللہ پاک تمہیں حسبِ خواہش عطا فرمائے۔''

''پھوپو جانی مگر وہ اسامہ...... انہوں نے ابھی چند دن قبل بھی مجھے بہت سختی سے جتلایا ہے کہ وہ بچہ نہیں چاہتے۔'' وہ ایک دم خائف اور آبدیدہ ہونے لگی تھی۔

''بولتا رہنے دو اسے، پروا مت کرو، بے وقوف ہے وہ۔'' ممی کو جتنا غصہ آیا تھا۔ یہ ان کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ''تم ابھی تیار ہو کے بیٹھو۔ میں آ کر

تمہیں پک کرتی ہوں۔ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ اب جب تک کنفرم نہ ہوجائے۔ مجھے چین نہیں آئے گا۔''

ان کے لہجے میں اک جوش وخروش کی فراوانی تھی۔ تینوں بچوں کے ہاں پہلی اولاد کی ولادت کے بعد مزید کوئی اُمید نہیں تھی۔ سارہ کے حوالے سے یہ خوشی ان میں جیسے نئی روح پھونک گئی تھی۔

''ٹھیک ہے پھوپو جانی! آپ آیئے۔ میں تیار ملتی ہوں۔''

اس نے فون بند کردیا اور وارڈ روب کھول کر جو لباس ہاتھ لگا وہی پہن لیا تھا۔ ایک گھنٹے میں ممی بھی پہنچ گئی تھیں۔ کلینک سے واپسی پر یہ خوشی کی خبر ان کے ہمراہ تھی۔ ممی نے تو مٹھائی بھی راستے سے خرید لی تھی اور اس کا منہ بھی میٹھا کرا دیا تھا۔

''اسامہ کو پتا چلے گا تو بہت خفا ہوں گے یقیناً۔'' سارہ کی خوشی پر تفکر غالب آنے لگا۔ ازدواجی زندگی اس کے ہمراہ گزارتے اتنا تو وہ جان پائی تھی کہ وہ کس درجہ شدت پسند اور ضدی واقع ہوا ہے۔ اپنی بات سے ذراسی غفلت اسے توہین کے احساس سے دیوانہ بنا دیا کرتی تھی۔ وہ مرنے مارنے پر بھی تل جاتا تھا۔ یہ تو سراسر حکم عدولی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا بیٹے! کیوں گھبرا رہی ہو۔ زیادہ ہی پریشان ہو تو ابھی اسے نہ بتانا۔ بعد میں پتا چلے گا تو میں سنبھال لوں گی۔ گھر سے نکالنے سے تو رہا تمہیں۔''

اُن کی تسلی دینے پر سارہ اگر مطمئن نہیں بھی ہوئی تھی تو یہ ضرور فیصلہ کرلیا تھا کہ ابھی وہ اسامہ کو نہیں بتائے گی۔ یہ طے تھا کہ وہ اپنا بچہ ختم نہیں کرسکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کیا کرلیتا اسامہ، جو بھی کرلیتا۔ وہ ایک غلط کام میں اس کی رضا کی خاطر اللہ کی رضا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

جس روز اُم جان اور بابا جان کو حج پر روانہ ہونا تھا اس سے دو دن پہلے یہ دعوت رکھی گئی تھی۔ اس سے پہلے محفلِ میلاد تھی۔ مردوں کی الگ، خواتین کی الگ، بریرہ کو تو ممی نے صبح ہی بھیج دیا تھا۔ خود سارہ کے ساتھ بعد میں آئی تھیں جب محفل شروع ہونے والی تھی۔ لاریب اور بریرہ نے ہی اُٹھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔

''ممی نے مجھے بتایا تھا آپ کی پریگننسی کا، یقین کریں جو خوشی ہوئی وہ الگ، دل سے دُعائیں نکلی ہیں آپ کی صحت منداولاد کے لیے۔'' لاریب نے مسکرا کر سارہ کو گلے لگالیا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''بھابی یہاں اجتماع میں خصوصی دعا کرایئے گا، مجھے دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔'' سارہ اب بریرہ سے گلے مل رہی تھی۔ اس نے محبت سے اسے تھپکا۔

''خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھو سارہ! جہاں یہ کرم ہوا ہے مزید بھی ضرور ہوگا انشاء اللہ! آیئے۔ اُمِ جان سے مل لیں۔ کب سے انتظار کررہی ہیں اور پوچھ چکی ہیں آپ کا۔'' بریرہ نے ممی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ سارہ جلدی سے بڑھ کر اُمِ جان سے گلے ملی۔

''جتنی محبت آپ نے مجھے دی ہے ناں اُمِ جان! مجھے لگتا ہے تیسری بیٹی ہوں آپ کی۔ بریرہ کے ساتھ مجھے بھی میکے کا مان حاصل ہوا ہے آپ سے۔'' اس کا نم لہجہ سچائی کی مہک سے لبریز تھا۔ اُمِ جان نے اس کے جذبات کو سمجھتے ہوئے محبت سے اسے بھیچا پھر پیشانی چومی تھی۔

''بیٹیاں سانجھی ہی تو ہوتی ہیں میری بچی! اللہ پاک تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔ اور دلی مراد سے نوازے۔ آمین، میں وہاں بیت اللہ شریف میں حاضری کے وقت تمہاری گزارش رب کے حضور

ضرور پہنچاؤں گی۔ جانتی ہوں میری بیٹی کی تمنا کیا ہے۔'' اس درجہ محبت و مان پر سارہ ان کے ہاتھ چومتے ہوئے خود پر ضبط نہیں کرسکی تھی۔ سبھی نم آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ممی نے مشکور نظروں سے اُم جان کو دیکھا۔

''سارہ بالکل ٹھیک کہتی ہے بہن! آپ نے واقعی اس کی ماں کی کمی کو پورا کردیا ہے۔ اللہ پاک آپ کو سلامت رکھے۔ آمین۔'' اُم جان بس نرمی سے مسکرائے گئی تھیں۔ پھر بریرہ اور لاریب سے مخاطب ہوئیں۔

''بیٹے مہمانوں کے لیے چائے لے آؤ۔ اور یہ علیزے ابھی تک نہیں پہنچی۔ کوئی خیر خبر ہے اس کی؟''

''جی اُم جان! اس کا تو نمبر بند ہے۔ عبدالغنی نے فون کیا ہے عبدالہادی صاحب کو۔ کہہ رہے ہیں کچھ دیر میں پہنچتے ہیں۔'' جواب لاریب نے دیا تھا۔ اُم جان مطمئن ہوئیں۔ اور ممی سے محوِ گفتگو تھیں۔ لاریب بریرہ کے پیچھے کچن میں آ گئی تھی۔

''علیزے بہت ستا رہی ہے بیچارے عبدالہادی بھائی کو۔'' اس کا انداز متاسفانہ بھی تھا، اطلاعی بھی۔ بریرہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''ہاں اندازہ ہوگیا تھا مجھے جس روز وہ جامعہ آئی۔ عجیب سا موڈ تھا، ہر بات کا الٹا جواب۔ عبدالہادی لینے آئے تو ساتھ نہیں گئی۔ میں نے ڈراپ کیا۔ پھر وہاں بھی نہیں آرہی۔ لیکن عبدالہادی بھلے آدمی ہیں، ہائپر نہیں ہوتے۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' بریرہ چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ انداز تسلی دینے والا تھا۔ لاریب نے ٹرے سیٹ کرنا شروع کی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے تو فکر لگی ہوئی ہے۔ مرد کبھی بھی زیادہ دیر تک صبر نہیں کرتا رہتا۔ میں پھر بھی سمجھاؤں گی علیزے کو۔ رویے میں نرمی تو پیدا کرے۔''

''ہاں ضرور۔'' بریرہ مسکرائی۔ پھر ایک دم مڑ کے باہر دیکھنے لگی۔

''آ گئی ہے علیزے۔'' اس نے لاریب کو اطلاع دی تھی۔ لاریب تیزی سے سب چھوڑ کر باہر لپکی۔ علیزے اُم جان کے گلے لگی ہوئی تھی۔ لاریب نے جاتے ہی اسے پیچھے سے بازوؤں میں بھرلیا۔

''عام فہم میں تاخیر سے کسی بھی تقریب میں پہنچنے والے نئے شادی شدہ جوڑے کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بہت رومینٹک ہے۔ تم سے تو خیر ہم یہ اُمید نہیں رکھتے، کیا عبدالہادی صاحب نے سراہنے میں اتنی دیر لگادی کہ ٹائم پر پہنچنا دشوار ہوگیا۔'' اس کا انداز مخصوص قسم کی شوخی و شرارت لیے ہوئے تھا۔ علیزے کے گلابی چہرے پر بے تحاشا سرخی سی چھا گئی۔ کچھ کہے بغیر وہ محض اسے گھورنے پر اکتفا کرچکی تھی۔

''آپ کے رائیٹ مین کہاں ہیں؟'' لاریب نے دلچسپی سے اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھا تھا۔

''کوئی رائیٹ مین واقعی ہوتا تو ضرور بتاتی۔'' وہ نخوت سے کہتی آگے بڑھ کر بریرہ سے ملنے لگی جو اسی وقت کچن سے نکلی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟ ہارون بھائی کے ساتھ آئی تھیں آپ؟'' وہ اس سے الگ ہوتی ہوئی سرسری سے انداز میں سوال کررہی تھی۔ مگر بریرہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

''نہیں تو، میں تو صبح کی آئی ہوئی ہوں۔ کیا وہ آئے ہوئے ہیں باہر؟'' اس کے لہجے میں عجیب سی ترنگ اُتر آئی تھی۔ علیزے کے اثبات میں جواب دینے پر بریرہ کا چہرہ یکدم جیسے جگمگا اُٹھا۔ ہونٹوں پر

الوہی سی مسکان بکھر گئی تھی۔ صبح آنے سے قبل اس نے ہارون کو فون کیا تھا۔

''آپ آئے نہیں۔'' سلام کے جواب میں خاموشی پا کر وہ اگلی بات شروع کر چکی تھی۔ حالات کی چکی میں ایسے پسی تھی کہ اب کوئی بھی بات ناگواری کا باعث ہی نہیں بنتی تھی۔ اللہ نے حالات مشکل کیے تھے تو ظرف کی دولت سے بھی مالا مال کر ڈالا تھا۔ وہ واقعی بہت مہربان ہے بلاشبہ۔

''تمہیں آخر ایسی کون سی تکلیف ہے جو میرے آنے پر ہی رفع ہوسکتی ہے؟ کیوں بلوا رہی ہو مجھے؟'' جواباً وہ اتنا جھلایا تھا کہ اسے کھری کھری سنانا شروع کر دی تھیں۔ ایسے میں بریرہ کا تحمل اور خندہ پیشانی قابلِ دید تھی۔

''کچھ نہیں۔ بس آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا تو کہہ دیا۔ ویسے آج اُمِ جان کے ہاں دعوت بھی ہے۔ حج پر جارہے ہیں ناں وہ لوگ! آپ کو بھی انوائٹ کیا ہوا ہے۔ آپ آجاتے تو بہت خوشی ہوتی انہیں۔'' وہ نرمی ورسان سے کہہ رہی تھی۔

''تمہارے میکے میں تو ہر تیسرے دن کوئی ایونٹ ہوتا ہے۔ میں کیا ہر تیسرے دن یہاں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا کروں گا؟ محترمہ فار یور کائنڈ انفارمیشن کہ یہاں فارغ نہیں بیٹھا ہوا میں۔'' جواب میں اس کی بے بھاؤ کی سننے کو ملی تھیں۔ بریرہ دھیمی سی پڑ گئی۔

''اٹس او کے، اگر آپ کو سہولت نہیں ہے تو رہنے دیں۔ میں یہاں سنبھال لوں گی خود۔ میں چلی جاؤں وہاں؟'' اور یہ سوال ہارون کو گویا آگ لگانے کا باعث بنا تھا۔

''اتنی فرمانبرداری شو نہ کیا کرو سمجھیں۔ ایک بار جب کہہ دیا کہ جو مرضی کرو۔ تو ہر بار اجازت ضرور نہیں ہوتی۔'' اس نے تڑخ کر کہتے کال ڈسکنکٹ

کردی تھی۔ اس کے موڈ کے پیشِ نظر کہاں اسے یہ خوش فہمی لاحق ہوسکتی تھی کہ وہ ابھی آجائے گا مگر اس کی آمد بتاتی تھی۔ ادھر ابھی بھی کچھ نہ کچھ احساس ضرور تھا۔

''ماشاءاللہ! کیسے شرما رہی ہیں چوتھی کی دلہن کی طرح بھائی کی آمد کی خبر سُن کر شادی کے اتنا عرصہ بعد بھی۔ بہت اچھا لگا۔ بھائی کو پتا چلے گا تو ان کو یقیناً مجھ سے بڑھ کر خوشی ملے گی۔ اللہ نے چاہا تو ایسے ہی رنگ ہم آپ کے چہرے پر بھی عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔'' لاریب نے چہکتے ہوئے کہا تھا۔ جہاں بریرہ مزید جھینپی۔ علیزے اسی قدر کلس کر وہاں سے چل دی تھی۔

محفل کے دوران بھی وہ گم صم اور مضطرب نظر آتی رہی۔ لاریب نے خاص طور پر اس کی بے چینی کو محسوس کیا تھا۔

''کیوں پریشان ہو آخر؟'' وہ اس کے نزدیک آ بیٹھی تھی۔ علیزے نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے نظریں چرالیں۔

''وہ مجھے اپنے ساتھ کہیں لے کر جانا چاہتا ہے۔ مجھے ہرگز نہیں جانا۔'' وہ جیسے پھپھک کر بولی تھی۔

''کون...... عبدالہادی بھائی؟'' علیزے نے محض ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدلا۔

''کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟'' لاریب نے بنیادی سوال اٹھایا۔

''اپنی ماں کے پاس، بقول اس کے وہ خفا تھی اس سے، مگر اب معاف کردیا ہے۔ ایکسپٹ کرلیا ہے۔ اونہہ، سب ڈرامے ہیں۔ جیسے جانتی نہیں میں۔'' اس نے تلملا کر کہا تھا۔ لاریب سوچ میں پڑ گئی۔

(حیرت کے در وا کرتے، اس ناول کی اگلی قسط ماہِ اکتوبر میں ملاحظہ فرمائیے)

افسانہ

کڑوی روٹی

''عظمیٰ بی بی! انسانیت کی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں ورنہ انسانیت اس معاشرے میں آخری سانسیں لیتی سب کو دکھائی اور سُنائی دے رہی ہے لیکن اس انسانیت کو بچانے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا سب......

حال سے جُڑا ایک خاص خیال، افسانے کی صورت

''پتا ہے لاش پانی پہ کیوں تیرتی ہے؟'' سلمان نے نہر کی سطح پر تیرتی ہوئی جوان لڑکی طاہرہ کی لاش کو دیکھتے ہوئے اپنے برابر میں کھڑی ساتھی ٹی وی چینل رپورٹر عظمیٰ سے سوال کیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے سلمان کو دیکھنے لگی تو سلمان نے خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ ڈوبنے کے لیے زندگی چاہیے؟''
''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ مرچکی ہے؟''
''ہاں۔'' سلمان کی نظریں اپنے کیمرے کے ذریعے اب اُس لڑکی کو نہر سے باہر نکالے جانے کی کارروائی کی کوریج کررہی تھیں۔
''مطلب اس لڑکی کی مشکل تو آسان ہوگئی نا۔''

مرنے والوں پہ سیف حیرت کیوں
موت آسان ہوگئی ہوگی

سلمان نے ٹی وی کیمرے کے سامنے یہ شعر پڑھا۔
''آج غربت نے ایک اور زندگی کو نگل لیا۔ بُھوک اور افلاس نے ایک اور زندگی کو کھالیا۔ طاہرہ اور اُس کے گھر والے گزشتہ تین دن سے فاقے کررہے تھے اپنے ننھے منے بہن بھائیوں اور بیمار ماں، بے روزگار باپ کو دووقت کی روٹی کھلانے کے لیے طاہرہ نے کام کی تلاش میں گھر سے قدم باہر نکالا تو اُسے اپنی عزت اور عزتِ نفس دونوں ہاتھ سے جاتی ہوئی نظر آئیں اور ان حالات سے دلبرداشتہ ہوکر اُنیس سالہ طاہرہ نے نہر میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس ملک میں 67 سال بعد بھی عوام روٹی کے لیے روتے اور مرتے ہوں وہ ملک کس صدی میں ترقی کی منازل طے کرپائے گا؟'' کیمرہ مین انیس ڈوگر کے ساتھ سلمان احمد۔
اس کے ساتھ ہی کیمرہ کلوز ہوگیا۔ لڑکی کی لاش ایمبولینس میں اسپتال کی جانب روانہ کردی گئی تھی۔
''اُس لڑکی کے گھر والے اب کیا کریں گے؟'' عظمٰی نے افسردگی سے کہتے ہوئے اُونچے، لمبے، ہینڈسم سے سلمان احمد کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی اور اب بولا تھا تو، لہجہ انتہائی سرد اور برفیلا تھا۔
''شکرادا کریں گے۔''
''اُس کے مرنے پر؟'' عظمٰی نے حیرت سے پوچھا۔
''اُس کے مرنے پر ہفتے بھر محلے داروں کی طرف سے جو کھانا گھر میں آئے گا اُن کی کئی دنوں کی بھوک مٹائے گا، اُس پر شکر ہی تو ادا کریں گے وہ بے چارے کہ چلو طاہرہ کے مرنے پر ہی سہی انہیں چند روز کے لیے پیٹ بھر کے کھانا تو ملا۔'' سلمان کا لہجہ پتھریلا تھا۔ عظمٰی کو حیرانی ہورہی تھی۔ اُس نے پوچھ بھی لیا۔
''کیا واقعی ایسا ہے؟ کیا انہیں طاہرہ کے مرنے کا غم نہیں ہوگا؟''
''مگر بھوک مٹتی دیکھ کر طاہرہ کی موت کا غم کم ہوگا اور جلد ہی ختم بھی ہوجائے گا۔ روٹی سے بڑا کوئی رشتہ نہیں ہے آج کے دور میں۔ پیٹ بھرا ہو تو رشتوں کا احساس اور محبت کا جذبہ بھی ٹھاٹھیں مارتا ہے اور جب پیٹ ہی نہ بھرا ہو تو سگے بہن بھائی، نظر بھر کے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھتے۔'' سلمان احمد نے نہایت سنجیدہ، تلخ اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''اُف تم تو بہت بھیانک نقشہ کھینچ رہے ہو ان غریبوں کے حالات کا، جوان موت کا دکھ کسے نہیں ہوتا۔ ہمیں بھی اُس لڑکی کی اس خودکشی کا افسوس ہے، دُکھ ہے حالانکہ ہمارا اُس سے کوئی رشتہ نہیں ہے سوائے انسانیت کے۔'' عظمٰی نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔
''عظمٰی بی بی! انسانیت کی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں ورنہ انسانیت اس معاشرے میں آخری سانسیں لیتی سب کو دکھائی اور سُنائی دے

رہی ہے لیکن اِس انسانیت کو بچانے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا۔ سب کو اپنی پڑی ہے اور رہی بات ہمارے افسوس اور دُکھ کی تو ہم سوائے افسوس کرنے اور دُکھ کا اظہار کرنے کے کر بھی کیا کر سکتے ہیں...... اور جانتی ہو یہ افسوس اور دُکھ بھی ہم اِس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ہمارے پیٹ بھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں روٹی تینوں ٹائم مل جاتی ہے لہٰذا ہم فرصت سے افسوس کر سکتے ہیں۔ تم نے اُس لڑکی کے گھر والوں کے چہرے دیکھے تھے۔''

''ہاں دیکھے تھے۔''عظمیٰ نے کہا۔

''برسوں کی قحط سالی ٹپک رہی تھی اُن کے چہروں سے، مکھن، گھی کیا ہوتا ہے یہ تو لگتا ہے کہ اُن کو معلوم بھی نہ ہوگا۔ سُوکھے بدن، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، خشک گلے، سوکھے حلقوم، پیٹ بھرنے جتنی روٹی انہیں میسر ہے نہ علاج کے لیے پیسا۔ ایسے میں ایک جی (فرد) کا بوجھ کم ہوگیا ہے۔ کفن دفن بلدیہ والے، محلے والے چندہ ڈال کر دیں گے۔ غربت کی تو موت بھی قرض لے کر قبر تک اُترتی ہے۔ چند دن گھر میں کڑوی روٹی آتی رہے گی اور کسی وزیر کے ذریعے دو، چار لاکھ روپے کا چیک بھی مل جائے گا طاہرہ کے گھر والوں کو۔ یوں سمجھو کہ طاہرہ کے گھر والوں کی تو چاندی ہو جائے گی اُن کے دلدّ دُور ہو جائیں گے۔ ایک ڈیڑھ سال تو خوب عیش و آرام سے گزر جائے گا۔ کڑوی روٹی کھانے کے بعد جب انہیں پیٹ بھر کے میٹھی اور روغنی روٹی کھانے کی عادت پڑ جائے گی تو وہ پیسا ختم ہو جائے گا۔''

''ضروری تو نہیں ہے کہ وہ پیسا کھا پی کے ختم کر دیں۔ پانچ لاکھ کا اعلان تو وزیر اعلیٰ نے کیا ہے اور پانچ لاکھ میں کوئی چھوٹا موٹا کام تو شروع کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کے کریانے یا پرچون کی دکان کھولی جا سکتی ہے اور ایک مستقل آمدن کا ذریعہ بن سکتا ہے۔''عظمیٰ نے کہا۔

''ہاں مگر انہیں اِتنی عقل کون دے؟'' سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں تلخی سے کہا۔

''اِن لوگوں کی سائیکی بھی ایسی ہی ہوتی ہے جو مال آیا، کھایا، پیا ڈکار لیا۔ بُرے وقت کے لیے کچھ (بچت) نہیں کرتے۔''

''کچھ بچے تو Save کریں ناں۔''عظمیٰ بولی۔

''اگر آ جائے تو اِن سے سنبھلتا بھی نہیں ہے۔ مفت کی کھانے کی عادت پڑ جائے تو کمانے اور کر کے کھانے کی عادت نہیں رہتی۔ سستی، کاہلی، کام چوری، طبیعت کا حصہ اور مزاج کا خاصا بن جاتی ہے۔ مانگ کر کھانا بہت آسان لگتا ہے۔ پھر کچھ بھوک اور فاقوں کے ستائے ہوئے لوگ یہ بھی سوچنے لگتے ہیں کہ اب گھر کا کوئی اور ''جی'' (فرد) مر جائے تو گھر میں کڑوی روٹی آئے اور وہ پیٹ بھر کے کھانا کھائیں۔''

سلمان احمد نے سپاٹ اور تلخ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کی سیٹ سنبھال لی۔

''خیر اب اتنی بے حسی بھی نہیں ہے۔''عظمیٰ نے فرنٹ سیٹ پر اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں ہے؟'' سلمان احمد نے اُس کی صورت کو دیکھا۔

''کیا تمہیں آئے دن یہ مناظر دیکھنے کو نہیں ملتے کہ غربت اور فاقوں سے تنگ آ کر ماں باپ اپنے بچے، اپنے جگر گوشے تک بیچنے بازار میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے سگے بچوں کو بیچ رہے ہوتے ہیں۔ کس لیے؟ بھوک مٹانے کے لیے، چند پیسے کمانے کے لیے اور جن گھروں میں مسلسل غریبی، مفلسی اور بھوک نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں نا اُن گھروں میں کسی موت پر اتنا ماتم نہیں کیا جاتا جتنا واویلا بھوک اور فاقے پر، روٹی نہ ملنے پر مچایا جاتا ہے۔'' وہ محتاط انداز میں گاڑی ڈرائیو

کرر ہا تھا۔

"کڑوی روٹی کتنے دن چلتی ہے اور کیا کڑوی روٹی سے پیٹ بھر جاتا ہے؟" عظمیٰ سنجیدگی سے سوال کرر ہی تھی۔

"پیٹ تو بھر جاتا ہے پر نیت نہیں بھرتی اور جنہوں نے طویل غربت کاٹی ہو، لمبے فاقے جھیلے ہوں اُن کی بھوک آسانی سے نہیں مٹتی، اُن کی نیت اتنی جلدی نہیں بھرتی۔ وہ دنوں کے فاقے لمحوں میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پر نہیں کر پاتے کیونکہ یہ جو نیت ہے یہ بڑی زور آور شے ہے۔ نیت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ نیت اگر بُری ہو تو...... بڑی ہی کُتی ہے۔ آن، بان، شان، جان، ایمان، دستر خوان کہیں کچھ نہیں چھوڑتی، آن، آبرو، عزت کی بوٹیاں نوچتی ہے، لوٹتی ہے۔ جان تک لے لیتی ہے اور اگر نیت اچھی ہو تو...... جان، آن، ایمان، مان سب قائم رہتے ہیں، اور رشتے بھی احساس بھی...... پھر پیٹ نہ بھی بھرا ہو تو بھی نظر سیر رہتی ہے یہ احساس ہی بہت ہوتا ہے کہ جان، آن، ایمان، رشتے سب سلامت ہیں۔ رزق کا وعدہ تو اللہ نے کر رکھا ہے نا تو روٹی تو مل ہی جاتی ہے پر مر جائیں تو پیچھے رونے والا کوئی نہیں ملتا۔"

سلمان احمد نے گاڑی طاہرہ کے گھر کے قریب لا کر روک دی۔ وہ دونوں گاڑی سے اُتر کر طاہرہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ اندر کا منظر سلمان احمد کی باتوں کی عکاسی پیش کرر ہا تھا۔ طاہرہ کے پانچ بہن بھائی برآمدے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اُن دونوں کو دیکھ کر روٹیاں اور سالن کا ڈونگا اُٹھا کر برآمدے سے ملحق باورچی خانے میں گھس گئے۔ طاہرہ کی ماں کھسیانی سی ہو کر اپنا منہ چادر سے صاف کرتی اُٹھ کر اُن کی طرف آئی۔

"یہ سب کیا ہے ناصرہ بی بی! یہ کھانا کہاں سے آیا؟" عظمیٰ نے طاہرہ کی ماں سے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

"وہ جی...... پڑوس سے آئی ہے کڑوی روٹی۔" ناصرہ نے بتایا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی، تھکن اور غربت تو جھلک رہی تھی مگر جوان بیٹی کی خودکشی کا غم اور دُکھ عظمیٰ کو کہیں نظر نہ آیا۔ شاید وہ بھی پیٹ بھر کے روٹی کھانے کی وجہ سے اب اچھا محسوس کرر ہی تھی۔ عظمیٰ کو سلمان احمد کی باتیں سچ معلوم ہو رہی تھیں۔

"کڑوی روٹی، لیکن ابھی تو طاہرہ کی تدفین بھی نہیں ہوئی۔ آپ لوگ کیسے اتنی جلدی کڑوی روٹی قبول کر سکتے ہیں اور کھا سکتے ہیں۔ میت تو دفن ہو لینے دیتے آپ لوگ۔" عظمیٰ نے حیرت اور دُکھ سے کہا۔ ناصرہ بی بی تلخی سے بولی۔

"بی بی! طاہرہ تو مر گئی اب میں اُس کے پیچھے ان پانچ بچوں کو تو بھوک سے مرتے نہیں دیکھ سکتی تھی ناں اسی لیے اُن کو کڑوی روٹی کھلا دی اور میت تو وہ اسپتال سے سیدھا جنازہ گاہ یا پھر قبرستان لے جائیں گے۔ اس گھر سے تو طاہرہ کی میت اُٹھ گئی...... ہم نے تو رخصت کر دیا اُس کو، اب اُس کی لاش کو دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہے ہم میں۔ وہ اسپتال سے سیدھی قبرستان جائے گی۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے کہ طاہرہ نے خودکشی کی ہے تو اُس کا نماز جنازہ نہیں ہوگا۔"

"کیا؟" عظمیٰ نے حیرت سے کہا، سلمان احمد کو حیرت نہیں ہوئی تھی ناصرہ کی بات سُن کر جیسے اُس کے لیے یہ سب معمول کی اور معمولی بات ہو۔

"آپ بولو نا مولوی صاحب کو میری لاڈو کا جنازہ تو پڑھا دیں وہ کملی تو مجبوری میں مر گئی، بھوک نے مار دیا اُسے۔" ناصرہ نے روتے ہوئے کہا تو عظمیٰ، سلمان احمد کی شکل تکنے لگی۔ سلمان احمد نے ناصرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں طاہرہ کی نمازِ جنازہ ضرور ہوگی۔ اُس کی مغفرت کے لیے دعائیں کرنا مت بھول جایئے گا آپ کڑوی روٹی کے چکر میں...... چلو عظمیٰ۔"

"سنیں جی۔" ناصرہ نے ہچکچاتے ہوئے اُن دونوں سے کہا۔

"کہو۔" عظمیٰ بولی۔

"وہ جی...... ہمیں پانچ لاکھ کا چیک کب تک مل جائے گا۔" ناصرہ نے مدھم آواز میں پوچھا تو عظمیٰ اور سلمان احمد نے ایک دوسرے کو دیکھا سلمان احمد کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ عظمیٰ کو اُس کی آنکھیں یہ کہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

'کیوں میں نے کہا تھا نا طاہرہ کی موت سے اُس کے گھر والوں کی تو چاندی ہو جائے گی، سو ہو گئی چاندی۔'

"جلد ہی مل جائے گا چیک۔" سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور واپسی کے لیے مڑا۔ عظمیٰ بھی اُس کے پیچھے ہولی۔

"شکر ہے باجی مرگئی ورنہ ہم تو بھوک سے مرجاتے۔" باورچی خانے کے قریب سے گزرتے ہوئے اُن دونوں کے کانوں میں طاہرہ کی بہن کی آواز پڑی تو وہ تاسف سے ایک دوجے کو تکتے پل بھر کو وہاں رُک گئے۔

"باجی کتنی اچھی تھی نا۔ ہماری روٹی کے لیے مرگئی۔" طاہرہ کا بارہ سالہ بھائی بولا تھا۔

"ہاں اور اماں بتا رہی تھی کہ ہمیں پیسے بھی ملیں گے باجی کے مرنے پر، پھر ہم روز روٹی کھائیں گے۔" طاہرہ کا نو سالہ بھائی بولا تھا اب کی بار۔

"ہاں کتنا مزا آئے گا نا اب ہم روز روٹی کھائیں گے۔" سب سے چھوٹی چھ سالہ طوبیٰ بولی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی طاہرہ کو نہر میں دھکا دیا ہوگا۔ روٹی اور پیسے کے لیے۔" عظمیٰ نے دکھ اور غصے سے کہا۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" سلمان احمد نے کہا۔

"تو۔" عظمیٰ نے بھنویں سکیٹر کر اُسے دیکھا۔

"تو کھانے دو انہیں 'کڑوی روٹی' کیونکہ اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ مرتے دم تک یہی کڑوی روٹی کھائیں گے۔" سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں گہری بات کہی تھی۔

"کڑوی روٹی۔" عظمیٰ نے زیرلب کہا اور اُس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے تاسف سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"باجی روٹی کھائیں گی۔" باورچی خانے سے طاہرہ کا بارہ سالہ بھائی ہاتھ میں روٹی لیے باہر نکلا اور اُسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"نہیں تم ہی کھاؤ یہ کڑوی روٹی۔" عظمیٰ نے درشتی سے اُسے جواب دیا اور سلمان احمد کے ساتھ طاہرہ کے گھر سے باہر نکل آئی تھی مگر اُس کے دماغ میں کئی سوال پھن پھیلائے کسی ناگ کی طرح سر اُٹھا رہے تھے۔

'آخر کڑوی روٹی کے انتظار میں لوگ کب تک اپنے گھر کے افراد کی قربانی دیتے رہیں گے؟'

'جینے کے لیے گھر کے "جی" کو موت کے منہ میں دھکیلتے رہیں گے؟'

'کیا زندگی اتنی سستی، بے وقعت اور بے مول، فالتو شے ہے کہ اُسے چند پیسوں کے لیے موت کے حوالے کر دیا جائے؟'

'کیا واقعی خون کے رشتے روٹی اور روپے کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں؟ کڑوی روٹی کے لیے؟'

عظمیٰ کے منہ میں حلق تک کڑواہٹ گھل گئی تھی یہ سب سوچ کر اور اُس نے ایک سرد آہ بھری تھی وہ سوائے اس کے اور کر بھی کیا سکتی تھی؟

☆☆......☆☆

افسانہ

میرے نام کا چاند

میں نے ڈائری کو پلٹ پلٹ کر پڑھا مگر ہر ورق پر میرے نام کی خوشیاں، کسی دوسری صبا کے نام درج تھیں۔ میں نے ڈائری کو اُسی جگہ رکھا اور ایک کاغذ پر پین سے کچھ لکھ کر ڈائری کے نیچے رکھ دیا۔ کمرہ صاف ستھرا کر کے میں......

بدگمانی کے بادل دور کرتا، ایک خوب صورت افسانہ

تمہاری چاہت کیسے میری ذات کا حصہ بنی تھی، نہیں جانتی میں۔ کب یہ محبت، عشق میں بدلا نہ جان پائی میں، بس اتنا ہی معلوم تھا کہ فواد...... تم میرے لیے اہم ہو، بہت اہم ،شاید مجھے، مجھ سے زیادہ عزیز تھے تم، تمہارا پیار میری رگوں میں خون ایسا دوڑتا تھا۔ میری آتی جاتی سانسوں میں تمہارے پیار کی حدت تھی۔ میری آنکھوں میں روشنی جیسے تھے تم۔ جنون کی حد تک تمہیں چاہنے لگی تھی میں، آگے کیا ہوگا اِس محبت کا انجام...... میں ان باتوں کو سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

فواد میرے تایا جان کا بیٹا تھا۔ ہم اکٹھے کھیلا کرتے، اکٹھے پڑھنے جاتے مگر جب بڑے ہوئے تو خود ہی ایک حجاب سا آ گیا تھا۔ وہ مجھ سے کوئی خاص بات ہو تب ہی بولتا ورنہ چپ چاپ میرے سامنے سے گزر جاتا۔ میری نظریں جیسے اُس کا طواف کیا کرتیں۔ ابھی تک تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں اُسے چاہتی ہوں۔ میں

اُس کی نگاہوں میں خود کو کھو جا کرتی، وہ ہر وقت اتنی جلدی میں رہتا کہ سیکنڈوں میں آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتا۔ کبھی کبھی جی چاہتا کہ اُس سے ڈھیر ساری باتیں کروں۔ اپنے دل کا حال سُناؤں مگر حیا آڑے آ جاتی اور میں مسکرا دیتی۔

☆......☆......☆

صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ مجھے بارش بے حد پسند تھی اور بارش میں بھیگنا اور بھی اچھا لگتا اور میں نے یہی کیا۔ لان میں گھومنا شروع کر دیا کہ اچانک سے گیٹ کے اندر فواد کی گاڑی داخل ہوئی۔ وہ گاڑی لاک کر کے میری ہی طرف آ رہا تھا۔

''صبا کیا بیمار ہونے کے ارادے ہیں۔ فوراً اندر چلو نہیں تو چچی جان کو بُلاتا ہوں۔''

بارش کو تو میں انجوائے کر رہی تھی۔ فواد کے دل میں اپنے بارے میں فکر دیکھ کر فوراً سے پیشتر میں اندر چلی گئی اور اتنی خوش ہوئی کہ جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ اُف فواد میرے لیے پریشان بھی ہو سکتا ہے۔

'' کپڑے تبدیل کر کے میں فوراً کچن میں گئی۔ کافی تیار کی اور مگ لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ میرے سیکنڈ ایئر کے پیپرز ہونے والے تھے۔ پڑھنا تو ضروری تھا۔ فواد بی اے کے فائنل ایئر میں تھا۔ مگر تعلیمی میدان میں ہمیشہ میرا ہی پلڑا بھاری رہتا۔

☆......☆......☆

آج عجیب واقعہ ہوا۔ کالج سے واپس آتے ہوئے فائرنگ شروع ہو گئی۔ میں کالج بس میں تھی کہ اچانک سے دو لڑکے فائرنگ کرتے ہوئے موٹر بائیک پر ہماری بس کے قریب سے گزرے۔ لڑکیوں نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ میں خود بہت ہراساں تھی۔ گھر پہنچی تو امی نے گلے لگا کر پیار کیا۔ وہ ٹی وی پر خبریں سُن چکی تھیں۔ شکر تھا کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔

اگلے دن میں نے چھٹی کر لی اور دیر تک سوتی رہی۔ امی نے تو میرا صدقہ بھی دے دیا تھا۔

اب طے یہ پایا کہ فواد مجھے کالج چھوڑ کر آیا کرے گا اور پھر میں فواد کے ساتھ کالج جانے لگی۔ میں تو جیسے خوش ہو گئی تھی۔ اِس فیصلے پر یوں لگتا تھا میرے من کی مراد بر آئی ہو مگر میں ٹوٹ کر رہ گئی تھی کہ فواد مجھ میں قطعاً دلچسپی نہیں لیتا۔ پھر خود ہی اِس بات کی نفی کر دیتی کہ میں فضول سوچتی ہوں۔ وہ تو اپنی اسٹڈی کی وجہ سے پریشان رہتا ہے اور میں جانے کیا کیا سوچ جاتی ہوں۔

☆......☆......☆

تایا ابو ایک دن باتھ روم میں سر چکرانے سے گر گئے ابو جان اور فواد فوراً انہیں اسپتال لے گئے۔ کمر کی ہڈی کے جوڑ میں فاصلہ آ گیا تھا۔ ڈاکٹرز نے انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا تھا۔ درد اِس قدر تھا کہ تایا جان برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ درد کے انجکشن بھی پل بھر کو چین نہیں لینے دے رہے تھے۔

فواد سخت پریشان تھا مجھ سے بھی تایا جان کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی۔ میں نے نماز پڑھ کر اُن کے لیے رو رو کر خوب دُعائیں مانگی تھیں۔

پورے ہفتے کے بعد تایا جان آج گھر لوٹ رہے تھے۔ اِس طرح ہم تایا جان کی گھر میں دیکھ بھال کر سکتے تھے اور تایا جان بھی ہاسپٹل میں لیٹے لیٹے تنگ آ گئے تھے۔

فواد اور ابو ہاسپٹل میں تھے میں نے سوچا کیوں نا! فواد کے کمرے کو درست کر دوں۔

اُف میرے خدا کمرہ تو جیسے مچھلی بازار لگ رہا تھا۔ سب کپڑے اکٹھے کیے، اُن کو واشنگ مشین میں ڈالا۔ بیڈ شیٹ کو جھاڑ کر بچھایا پھر ڈسٹنگ کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑی ایک ڈائری پر میری نظر پڑی۔ مجھے پتا تھا کہ فواد ڈائری لکھتا ہے۔

ڈائری اٹھائی تو دل جیسے تیز تیز دھڑکنے لگا جیسے سینے سے نکل کر باہر آ جائے گا۔ دل میں تجسس جاگا کیوں نا اِس ڈائری کو پڑھ لیا جائے۔ شاید میرے

بارے میں بھی فواد نے کچھ لکھا ہوا...... یہ سوچا تو میرا رنگ جیسے لال گلابی ہوگیا۔ پہلے تو دھڑ کتے دل کو سنبھالا۔ ڈائری کھولی تو پہلے ہی پیج پر صبا لکھا ہوا تھا۔ اُس پر افشاں چپکائی ہوئی تھی۔ جس طرح نام کو چمک دار بنا کر لکھا تھا۔ میں بے ہوش ہونے کو تھی۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

''اگلا صفحہ پلٹا اور دھیرے دھیرے پڑھنا شروع کیا صبا میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔ مگر ہمت نہیں کر پاتا کہ تم سے اظہارِ محبت کرسکوں۔ بس اب ایک ہی طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔ اپنی کزن صبا سے کہہ کر دل کا حال تم تک پہنچاؤں۔ کیونکہ تم صبا کی بیسٹ فرینڈ جو ہو۔''

میرا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور آنسو تواتر سے آنکھوں سے بہے چلے جارہے تھے۔ جیسے دل کے بوجھ کو ہلکا کررہے ہوں خوابوں کا محل ریت کی طرح زمین بوس ہوگیا تھا۔

سب ختم ہوگیا ہو۔

گلشن میں اب وہ پہلی سی خوشبو نہیں رہی
محتاج ہو کے رہ گئے بادِ صبا کے پھول

میں نے ڈائری کو پلٹ پلٹ کر پڑھا مگر ہر ورق پر میرے نام کی خوشیاں، کسی دوسری صبا کے نام درج تھیں۔ میں نے ڈائری کو اُسی جگہ رکھا اور ایک کاغذ پر پین سے کچھ لکھ کر ڈائری کے نیچے رکھ دیا۔

کمرہ صاف ستھرا کرکے میں اپنے کمرے میں آ کر تایا جان کا انتظار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

میں فواد احمد ہوں۔ ابو کی طبیعت بحال ہوچکی ہے۔ اب سب کو اطمینان ہے۔ رمضان کا مہینہ پوری آب و تاب کے ساتھ، برکات اور نوازشات کے ساتھ شروع ہوچکا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اپنے جذبات کس طرح صبا تک پہنچا کر اُسے محبت کی تپش سے ہمکنار کروں۔ حالانکہ کئی دن پہلے میں نے اپنی ڈائری اسی لیے بیڈ کے کارنر ٹیبل پر رکھی تھی کہ اسے پڑھ کر ''وہ'' مجھ سے ضرور کسی بھی طریقے سے باز پرس کرے گی۔ مگر نہیں...... ایسا نہ ہوسکا اور وہ خاموشی سے میرے راستے سے ہٹ گئی۔

ڈائری کے نیچے سے ایک کاغذ کا پرزہ ملا، جس پر رقم تھا۔

''میں آپ کا، آپ کی محبت کو پانے میں ہر ممکن ساتھ دوں گی۔ پتا نہیں کیوں یہ ایک نظم یاد آ رہی ہے مگر......بس ایک لائن یاد رہ گئی ہے۔

وہ مرے نصیب کی بارشیں......
نظم خود مکمل کرلینا۔

(صبا)

اور میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں اپنے جذبات اُس تک پہنچانے میں قطعاً ناکام ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

ابو جان کی طبیعت بہت بہتر ہے۔ آج چاند رات ہے۔ گھر بھر میں خوشیاں رقصاں ہیں کیونکہ آج میرے لیے چچا جان کے ہاں، اُن کی دختر، نیک اختر محترمہ صبا کا رشتہ پکا کرنے جانا ہے۔ عید کے دن یعنی کل نکاح بھی ہے تاکہ کام Solid ہوجائے۔ اب کوئی بچپنا نہیں چلنا۔ پہلے ہی محترمہ کو میں غلط فہمی کا شکار کرچکا ہوں۔

''چلو یار میں نظم مکمل کیے دیتا ہوں۔''

میں نے محترمہ کو اکیلے پا ہی لیا۔

وہ جو مل گیا اُسے یاد رکھ
جو نہیں ملا اُسے بھول جا

''وہ ترے نصیب کی بارشیں کہیں اور نہیں برسی ہیں بلکہ بادل تمہاری ہی چھت پر برسنے کے لیے تیار ہیں۔''

وہ جھینپی، شرمائی اور میرے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''عید مبارک'' واقعی اُس کے کہتے ہی عید رنگ برسانے لگی تھی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

صاعقہ رفاقت

تُو پاس ہے، پھر بھی......

"جب بات کرتی تھی تب آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور اب اگر نہیں کرتی تو بھی آپ کو چین نہیں ہے۔ اس لیے مسئلہ آپ کے ساتھ ہے میرے ساتھ نہیں۔" یہ کہہ کر پریشے......

محبت کی اِک یادگار کتھا، افسانے کی صورت

"عادل بیٹا! ناشتا کرلیا؟" بڑی اماں اخبار پڑھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"جی اماں جی! بس ہوگیا۔ اب مجھے دیر ہورہی ہے، چلتا ہوں۔" وہ کتابیں بیگ میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ارے عادی! آج پریشے کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ سجاد کی طبیعت خراب ہے، اس لیے وہ آج آفس نہیں جائیں گے۔ واپسی پر وہ اپنی دوست کے ساتھ وین پر آجائے گی۔" نگہت آنٹی ٹیرس پر کھڑی کہہ رہی تھی۔

"لو بھئی پھر نئی مصیبت!" وہ بائیک گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے بڑبڑایا۔

"اچھا بڑی اماں خدا حافظ!" پریشے دوپٹا سر پر اوڑھتے ہوئے بولی۔

"جاؤ بیٹا خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔" آنٹی نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"چلیں عادی؟" پریشے اس کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔ وہ سفید یونیفارم میں سر پر سلیقے سے دوپٹا اوڑھے، آنکھوں میں ہلکا سا کاجل لگائے اسے دل میں اُترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ایک یہ مصیبت میرے سر پر مسلط کردی گئی ہے۔" عادل بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ نہیں چاہتے کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں تو میں رکشا کرلیتی ہوں، براہِ کرم آپ مجھے اسٹاپ پر اُتار دینا۔" پریشے نے نم آنکھوں سے کہا۔

"تو اسٹاپ تک بھی میرے ساتھ ہی جاؤ گی نا۔ اچھا چلو بیٹھو! صبح صبح سارے موڈ کا ستیاناس کردیا۔" عادل نے اکتاہٹ سے کہا۔

"دیکھو اب سیدھی طرح بیٹھنا، ایسا نہ ہو کہ لوگ تمہیں عجوبہ سمجھ بیٹھیں۔" اس نے پریشے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ اسٹاپ تک جاتے ہوئے وہ مسلسل آیت الکرسی پڑھتی رہی اور پھر وہ اسے وہیں اسٹاپ پر چھوڑ کر چلا گیا، یہ جانے بغیر کہ وہ کیسے جائے گی اور اتنی بھیڑ میں وہ اتنی دیر

کیسے ٹھہرے گی۔ جب وہ چلا گیا تو پریشے کا دل چاہا کہ وہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دے۔ کیا کوئی شخص، جو گوشت پوست کا بنا ہوا ہو، اتنا ظالم

بھی ہو سکتا ہے جتنا کہ عادل تھا۔

☆......☆......☆
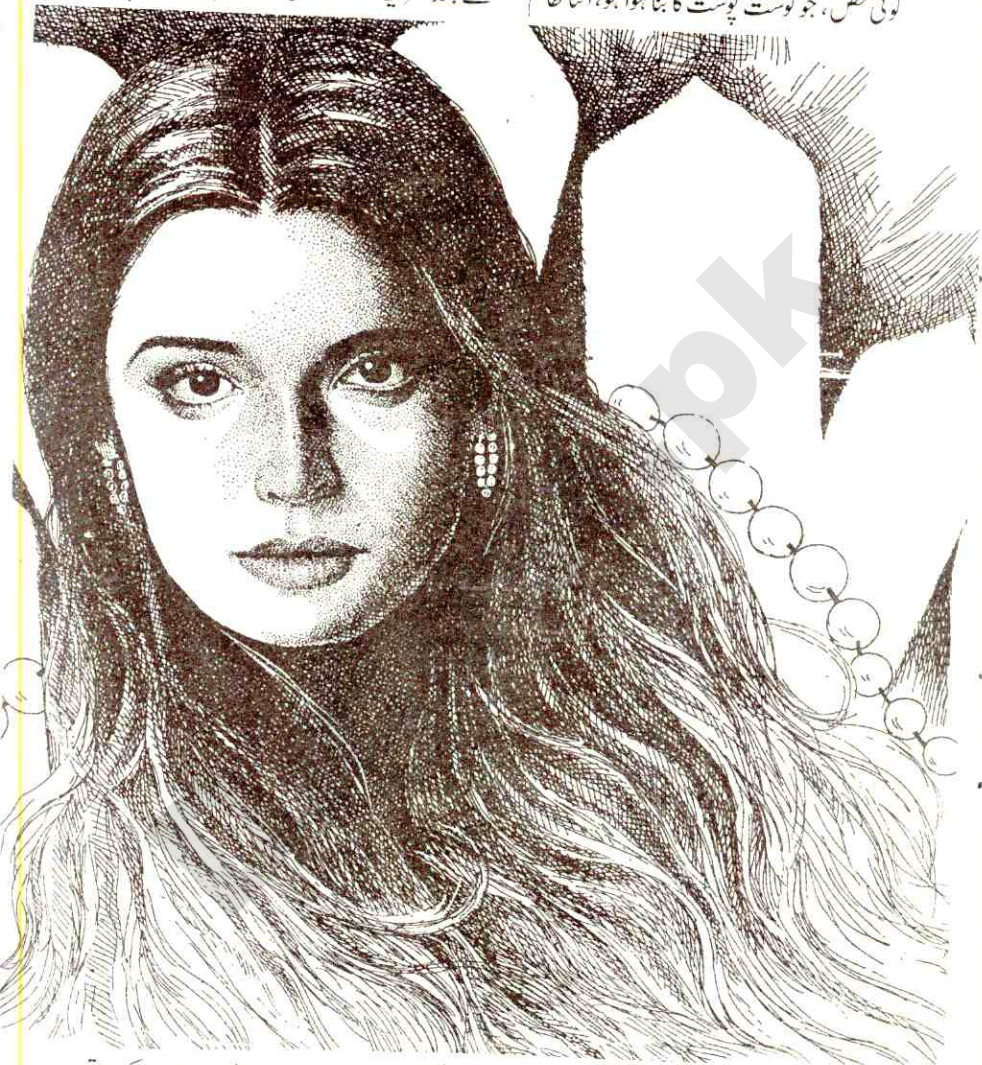
''ہمدانی وِلا'' میں دو خاندان آباد تھے۔ سجاد ہمدانی اور ندیم ہمدانی، یہ دو ہی بھائی تھے اور نورین ہمدانی ان کی اکلوتی بہن تھیں اور وہ شادی کے بعد امریکا شفٹ ہو گئی تھیں۔ سجاد ہمدانی اپنی بیگم نگہت اور دو بچوں پریشے اور ساحر کے ساتھ اوپر والے پورشن میں رہتے تھے، جبکہ نعیم ہمدانی اپنے اکلوتے بیٹے عادل اور بیگم عالیہ کے ساتھ

نیچے والے پورشن میں رہائش پذیر تھے۔ عالیہ بیگم کو پریشے اور ساحر بڑی اماں کہہ کر پکارتے تھے۔ پریشے آئی۔ کام کے دوسرے سال میں تھی، جبکہ ساحر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ عادل یونیورسٹی میں بی۔ بی۔ اے کے دوسرے سال میں تھا۔ یوں تو سب کچھ ٹھیک تھا اور پریشے کو سب کی محبتیں بھی حاصل تھیں۔ بڑے ابا یعنی نعیم ہمدانی اس کے بغیر شام کی چائے نہیں پیتے تھے۔ بڑی اماں یعنی عالیہ بیگم جب تک رات سونے سے پہلے اس سے ڈھیر ساری باتیں نہ کر لیتیں انہیں نیند نہ آتی۔ سجاد ہمدانی اپنی بیٹی کے بغیر ناشتا نہ کرتے۔ وہ صرف اسے دیکھنے کے لیے دوپہر کو گھر آتے اور لنچ پریشے کے ساتھ کرتے اور نگہت ہمدانی کی تو وہ آنکھوں کا تارا تھی کیوں کہ وہ ماں تھیں۔ ان سب کی اس قدر چاہتوں اور محبتوں کے باوجود پریشے کو ایک ہی غم ستاتا تھا اور وہ تھا عادل کی بیگانگی کا غم۔

وہ بچپن ہی سے اس ستم گر کی محبتوں کی اسیر تھی، پر عادل تھا کہ اس کو پریشے سے سخت نفرت تھی، لیکن یہ بات تو وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ شاید اس لیے کہ اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پریشے کو اہمیت دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بات بات پر پریشے کو ہرٹ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور پریشے اس کے دیے ہوئے ہر غم کو ہنس کر سہ جاتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ گیٹ سے کسی گانے کی دُھن بجاتے ہوئے داخل ہوا تو لان میں پری اور ابا جی کو دیکھ کر اس نے جلدی سے قدم اندر کی طرف بڑھا دیے۔

''ارے عادل کبھی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ جایا کرو۔'' بڑے ابا اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ جب کہ پری کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔

''وہ میں کافی تھکا ہوا ہوں تو سوچا تھوڑا فریش ہو جاؤں۔'' عادل وہیں کھڑے کھڑے صفائیاں پیش کرنے لگا۔

''ارے تمہاری تھکن تو یوں ختم ہو جائے گی۔ جاؤ پری عادی کے لیے چائے لے آؤ۔ بھئی ہماری بیٹی کے ہاتھ کی چائے پی کر تو کسی فوجی کی تھکن بھی اُتر جائے جو ہفتہ بھر جنگ لڑ کے آیا ہو۔'' بڑے ابا پری کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ابھی وہ اٹھ کر جانے ہی لگی تھی کہ ایک دم عادل کی آنکھوں میں اس نے دیکھا۔ کیا تھا اُن آنکھوں میں۔ بیگانگی، غصہ، نفرت۔ کیا ان نگاہوں میں کبھی میرے لیے محبت کے پھول نہیں کِھل سکتے۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے سوچنے لگی۔

''کیا میرے سر پر سینگ نکل رہے ہیں جو یوں گھور رہی ہو مجھے۔'' عادل نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا۔

''نہیں تو...... وہ بس یونہی۔ اچھا میں چائے لاتی ہوں۔'' پریشے کو خود پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی۔ وہ چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے انہی خیالات میں گم تھی، جب اچانک کچن میں عادل دبے پاؤں چلا آیا۔

''ایسا کرو...... چائے میرے کمرے میں لے آؤ اور ساتھ میں کچھ بسکٹ بھی، جب تک میں ذرا فریش ہو لوں۔'' وہ یونہی پریشے کو زِچ کرنے کے لیے اس پر حکم چلاتا رہتا تھا۔

جب وہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ وہ انہیں سمیٹنے لگی۔ نوٹس اور کتابیں اٹھا کر اس نے بک ریک میں سلیقے سے رکھیں، پھر بیڈ شیٹ درست کی اور ڈریسنگ ٹیبل جو مینا بازار کا نمونہ پیش کر رہا تھا، اُسے ترتیب سے رکھا کہ اتنے میں عادل آ گیا۔ کمرے کی یوں

حالت دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ واقعی پری ہر کام میں نمبر ون ہے، پَر اُسے تو موقع مل چکا تھا اسے ہرٹ کرنے کا۔

''یہ سب کس نے کیا ہے؟''

عادل نے بہ ظاہر بھولپن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ...... میں نے کیا ہے، ہر چیز بکھری ہوئی تھی نا...... تو میں نے سوچا کہ......'' پریشے کو اُس کے غصے کا علم تھا، سو! ڈرتے ڈرتے وہ عادل کو بتانے لگی۔

''تو پھر تم نے سوچا کہ اس دنیا میں پریشے ہمدانی سے زیادہ سلجھی ہوئی اور لڑکی تو ہے نہیں، اس لیے کیوں نہ یہ سہرا میں اپنے ہی سَر لوں۔ میری ساری چیزوں کی ترتیب بگاڑ دی ہے تم نے۔ کس نے کہا تھا تم سے یہ سب کرنے کو۔ مصیبت کہیں کی۔ ہر وقت جان کو آئی رہتی ہے۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ یوں کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔'' وہ غصے سے چلّا رہا تھا۔

''اور سنو۔'' وہ اُس کے قریب آیا اور اُسے شانوں سے پکڑ کے بولا۔

''اب اپنی یہ بھولی بھالی صورت ابا جی کو دکھا کے کون سا سرٹیفکیٹ لینا چاہو گی۔'' چپکے سے دو آنسو پری کے گال پر بہ گئے۔ ''اب سیدھی اپنے کمرے میں جانا، سمجھتی ہو نا۔'' اور پھر پری نے اپنے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

وہ عادل کے ظالمانہ رویے پر مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اس کٹھور، ظالم، بے مروّت کے لیے اور یوں روتے روتے جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی اور پھر جب اُسے ہوش آیا تو سب ہی اس کے گرد جمع تھے۔ بڑے ابا جی متفکر چہرہ لیے اس کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی ماما مسلسل اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔

''بڑے ابا آپ سب یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟'' پری نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا۔

''شکر ہے تم نے آنکھیں تو کھولیں۔'' اس کے پاپا اس کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔ اس نے سامنے کی طرف جو دیکھا تو عادل بھی وہیں کھڑا تھا۔ وہ نظریں جھکائے جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

''اچھا میں چلتا ہوں آنٹی...... مجھے کچھ ضروری کام ہے۔'' وہ پری کی نظروں کی حدّت سہہ نہ پایا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

''آ جاؤ میری بیٹی۔ بخار نے کیسا ہلا کے رکھ دیا ہے میری پھول سی بچی کو۔'' وہ آج پورے دو دن بعد نیچے آئی تھی۔ بڑی اماں اسے دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی اور پھر باتوں میں پتا ہی نہ چلا۔ وہ دونوں تو جب چونکیں، جب پری کی ماما نے اسے آواز دی۔

''پری ذرا جاتے ہوئے عادل کے کمرے کی لائٹ آف کر جانا، لگتا ہے سو گیا ہے۔'' اور پھر وہ عادل کے کمرے کی طرف چل دی۔ وہ بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ پری اس کے قریب گئی یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ سو چکا ہے یا نہیں۔ آج وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ پری کا دل چاہا کہ اس کی فراخ پیشانی پر ہاتھ رکھ کے اس کی ساری تھکن سمیٹ لے۔ وہ وہیں اس کے قریب ہی بیٹھ گئی اور اس سے خود کو مخاطب کر کے بولی۔

''کیوں کرتے ہو ایسا تم؟ میں اتنی بھی بُری نہیں ہوں عادی۔ مجھے تم سے محبت ہے اور میں دل سے اعتراف کرتی ہوں، لیکن میں تم سے یہ بات نہیں کہہ سکتی...... کبھی بھی نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ نم آنکھوں کے ساتھ لائٹ آف کر کے اپنے

کمرے میں آ گئی۔

☆......☆......☆

''شکر ہے کچن تو صاف ہوا۔ تھوڑے دن میں بیمار کیا ہوئی کہ تم کام چوروں کو کھلی چھٹی مل گئی اور بڑی اماں، وہ تو ہیں ہی سدا کی رحم دل۔ بس اب جلدی جلدی یہ فرش دھو کر ڈرائنگ روم میں آ جاؤ، میں ڈسٹنگ کرتی ہوں جا کے۔''

پری آج نیچے والے پورشن کی صفائی کروا رہی تھی۔ عادی یونیورسٹی میں تھا۔ بڑے ابا آفس اور بڑی اماں کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ وہ یوں ہی مصروف انداز میں بولتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی کہ اچانک سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر اس کے قدم ٹھہر گئے۔ اس کا دوپٹا اس کے کندھے پر جھول رہا تھا، جب کہ لیئرز میں کٹے ہوئے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے کپڑے بالکل میلے میلے سے لگ رہے تھے۔ اس کے جوتے باہر لاؤنج میں پڑے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ بالکل کام والی ماسی کے حلیے میں تھی۔

''جی فرمایئے!'' وہ دوپٹا درست کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ عادل ہمدانی کو بلا دیں، پر لگتا ہے کہ انکل ہمدانی نے بہت ہی کاہل اور کام چور نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ اب تم یہاں کھڑی ہوئی کیا کر رہی ہو۔ کیا اتنی پرسنالٹی والا بندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جاؤ ایک گلاس پانی ہی لے آؤ۔ حلق میں کانٹے اُگ رہے ہیں۔'' وہ شخص نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا اور پریشے ہونق بنی کبھی اس کو اور کبھی خود کو دیکھ رہی تھی۔

''دیکھیے مسٹر اور سنیے بھی! میں کوئی نوکرانی ووکرانی نہیں ہوں۔'' پری نے غصے میں کہا۔

''اوہ! اچھا تو آپ مالکن ہوں گی پھر۔ ارے...... کیا کوڑھ مغز لڑکی ہو۔ جاؤ شکل گم کرو اپنی...... پتا نہیں عادل کب آئے گا۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''دیکھیے مسٹر! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ آپ اپنی شکل گم کریں اور کان کھول کر سنیں۔ عادل ابھی نہیں آئے گا۔'' وہ اس کے سامنے آ کر بولی کہ اتنے میں عادل آ گیا اور وہ سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

''سوری احمر! یار میں ذرا لیٹ ہو گیا۔ اور سناؤ کیسے ہو؟'' وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

''کیسا ہوں گا یار! یہ تیری نوکرانی ہے نا۔ بڑا سر کھاتی ہے قسم سے۔ تو اس کی اس ماہ کی سیلری آدھی کاٹ لینا۔'' وہ پری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا اور وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

''ارے نہیں یار، تجھے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ کوئی نوکرانی نہیں ہے، ارے یار یہ تو میری کزن ہے پریشے۔'' عادل شرمندہ لہجے میں بتا رہا تھا اور احمر کا ہنستے ہنستے بُرا حال تھا۔

''اوہ! کزن اور وہ بھی تمہاری، توبہ ہے عادل اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔ اچھا یہ لو کارڈ اور پرسوں رات نو بجے مہندی کا فنکشن ہے، تم ضرور آنا اور ہاں، اپنی کزن کو بھی ضرور لانا۔'' احمر اسے کارڈ تھما کا چلا گیا۔

''پری...... پری...... ارے یار پری، کہاں مر گئی ہو اب۔ تمیز ہی نہیں ہے کہ مہمان کے ساتھ کیسے پیش آتے ہیں۔ گھر والوں کے لاڈ اور پیار نے تمہارا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ تم نے انسلٹ کروا دی ہے میری۔'' وہ غصے سے اس کے کمرے میں آ کے اپنی بھڑاس نکال رہا تھا۔

''نہیں عادل، میں نے بتایا تھا نہیں! پر وہ سُن ہی نہیں رہے تھے۔'' پری نے اسٹڈی ٹیبل پر بکس

ارینج کرتے ہوئے بتایا۔

''اوہ...... یعنی کہ تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ بہرہ ہے، سنتا ہی نہیں۔'' عادل اسے اپنی جانب متوجہ نہ پا کر چلایا، پر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ یوں ہی اِدھر اُدھر ہوتی رہی۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔'' عادل نے اس کی کلائی پکڑتے ہوئے کہا۔ پری اس اچانک اُفتاد پر گھبرا گئی۔

''میں خود کو پریشے ہمدانی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں سمجھتی اور خود کو توپ شے سمجھنا تمہارا کام ہے عادی۔ تم جیسے لوگ ہمیشہ خود کو ہی اعلیٰ اور سُپر مین سمجھتے رہتے ہیں کسی اور کی طرف دیکھنا تو کیا سوچنا بھی نہیں چاہتے کہ دوسرا آپ کے بارے میں کیا احساسات رکھتا ہے۔'' آج پہلی بار پری اس کی نگاہوں میں جھانکتی ہوئی بول رہی تھی۔ وہ اس کے نئے روپ کو سہہ نہ پایا اور اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے باہر چلا گیا۔

''اَنا کا مضبوط خول محبت ہی توڑتی ہے۔'' پریشے اس کی پُشت کو دیکھ کر رہ گئی اور وہ یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''چلو جلدی کرو پری۔'' اس کے پاپا پری کے کمرے میں آ کر اس سے کہہ رہے تھے۔

''جی پاپا بس ہو گیا چلیے۔'' نیچے لان میں سب لوگ جمع تھے۔

''ایسا کرتے ہیں کہ پریشے، عادل اور میں ایک گاڑی میں چلے جاتے ہیں اور آپ لوگ دوسری گاڑی میں آ جانا۔'' بڑے ابا گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ عادل نے کن اکھیوں سے پری کو دیکھا۔ بلیک سوٹ جس پر سفید کڑھائی کا خوب صورت کام تھا، آج وہ سلیقے سے دوپٹا اوڑھے اس روپ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے لمبے بال اس کی پُشت پر بکھرے ہوئے تھے...... بس ایک چیز مِس فِٹ لگ رہی تھی اور وہ تھی اس کی شہد رنگ آنکھوں میں اُداسی کا رنگ اور یہی وہ رنگ تھا جسے عادل اب تک سمجھ نہ سکا تھا۔

''چلو عادل، کہاں گم ہو گئے ہو بھئی۔'' بڑے ابا نے اسے گہرے خواب سے جگایا۔

سارا گھر جیسے روشنیوں میں سمٹ آیا تھا۔ وہ تینوں اکٹھے گاڑی سے اترے ہی تھے کہ ایک دم پریشے کا پاؤں لڑکھڑا گیا اور اس کے جوتے کی اسٹریپ ٹوٹ گئی۔ وہ تو گرنے ہی لگی تھی، اگر عادل اسے اپنی بانہوں کا سہارا نہ دیتا۔ بڑے ابا تو اندر چلے گئے تھے۔

''اندھی ہو گیا، نظر نہیں آتا تمہیں؟ اگر گر جاتیں تو اور مصیبت آ جاتی۔'' وہ اس کی نظروں کی اُداسی دیکھ کر اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

''سنو عادی!'' وہ بمشکل بولی تھی۔

''اب کیا ہے؟'' عادل نے اکتاہٹ سے اس کی جانب دیکھا۔

''میرا جوتا ٹوٹ گیا ہے۔'' پریشے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''اب کیا کروں۔'' پریشے نے کوئی جواب نہ پا کر کہا۔

''میرے سر پہ مار دو۔'' عادل نے جھنجلاہٹ میں کہا تو وہ وہیں گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

''اب تم جا کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ اور میں اندر جا کے بتا دوں گا امی ابو کو کہ تم گاڑی میں کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟''

''اب اکیلے میں تین چار گھنٹے یہیں بیٹھوں۔'' اس نے عادل سے کہا، لیکن وہ اسے وہیں گاڑی میں بٹھا کے خود اندر چلا آیا اور ساری صورت حال کو

کنٹرول کرلیا۔ کچھ دیر بعد احمر کسی کام سے باہر آیا، تو اُسے گاڑی میں اکیلے بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''ارے آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ آیئے اندر چلیے نا۔'' وہ جھٹ سے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''نہیں...... نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں...... پلیز! آپ جایئے۔'' وہ کچھ اور بھی سمٹ کر اندر کو ہوگئی۔

''ایسا لگ رہا ہے کہیں دیکھا ہے آپ کو۔ کوئی ممی کی فیملی فرینڈ ہوں گی آپ۔ مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے، خیر چھوڑیں اور اب چلیے، میں آپ کو لے کر ہی جاؤں گا اور ویسے بھی آپ کی گاڑی درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ہے اور رات کو درخت پر بھوت پریت بھی آجاتے ہیں، اس لیے......'' وہ بولنے پہ آیا تو بولتا ہی چلا گیا اور پری نے بھوت کا نام سنتے ہی ایک دم گاڑی سے باہر قدم نکال لیے۔ وہ سمجھا کہ پریشے اس کے ساتھ جانے لگی ہے، لیکن جب اس نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ وہیں کھڑی تھی۔ چاند کی ہلکی روشنی میں اس کی دودھیا رنگت کچھ اور بھی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ احمر نے خود کو اس کے سحر میں جکڑتا ہوا محسوس کیا۔

''آیئے نا...... آپ رُک کیوں گئیں۔'' احمر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کے پھر پیچھے کرلیا۔

''وہ اصل میں بات یہ ہے کہ میرا جوتا ٹوٹ گیا ہے تو اس لیے۔'' پریشے نے وجہ بتائی۔

''اوہ...... اچھا، آپ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔'' اسے گیٹ پر ہی ہمدانی فیملی مل گئی۔

''ارے عادل کیا ہوا تم اتنی جلدی جارہے ہو۔'' احمر نے پوچھا۔

''ہاں یار اماں جی کی بھی طبیعت آج ہی خراب ہونا تھی، لیکن قسم سے ولیمے والے دن میں صبح چھ بجے سے ہی اِدھر تیرے ساتھ ہوں گا۔'' عادل نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ گاڑی اپنے راستے پر رواں دواں تھی۔

''ارے پری بیٹا، میں نے عادل سے کہا تھا کہ تمہیں مارکیٹ لے جائے، پَر تم نے انکار کردیا، کیوں؟'' بڑے ابا نے پریشے کو مخاطب کیا۔

''جی میں جانا نہیں چاہتی تھی اس لیے۔'' اسے عادل کے سفید جھوٹ سے کوئی دُکھ نہیں ہوا تھا، کیوں کہ وہ تو اب عادل کے اس رویّے کی عادی سی ہوگئی تھی۔

''عادی میں تمہاری عادی ہوچکی ہوں۔'' اس نے دُکھ سے آنکھیں موندلیں۔

☆......☆......☆

''نوال! میری بات سنو۔'' احمر اپنی کزن کو فنکشن کے بھرپور ہنگامے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ کر لایا۔

''کیا ہے بھئی! ہاتھ چھوڑو میرا۔'' نوال نے غصے سے کہا۔

''میری بات غور سے سنو! جلدی سے جاؤ اور اپنے کوئی اچھے سے جوتے لے کر آؤ۔'' احمر نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی سے بڑی آہستگی سے کہا۔

''کیوں کیا اب تم لیڈیز شوز پہنو گے۔'' نوال نے حیرانگی سے پوچھا۔

''نہیں یار! بس تم جاؤ اور جلدی سے لے کر آؤ...... پلیز...... اب آجاؤ بھی۔'' احمر اس وقت اس سے بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ نوال نے اسے اپنے نئے جوتے لاکردے دیے اور کہا۔

''اب بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟'' نوال نے اسے کریدا تو اس نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔

''بس مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہے۔ تم

اکثر کہا کرتی تھیں نا کہ کس لڑکی سے شادی کر کے تم اس کی قسمت پھوڑو گے؟ اب وہ لڑکی آ گئی ہے اور......'' احمر دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا، جبکہ نوال کی آنکھوں میں نمی ٹھہرنے لگی تھی۔

''اچھا اب تم جاؤ، کہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر پوری ہونے سے پہلے ہی نہ چلی جائے۔'' نوال نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا، لیکن آج اس ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔

''نوال تم......'' احمر نے تڑپ کے اُسے دیکھا۔ ''جاؤ احمر تمہاری منزل تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' پھر جب احمر جوتے لے کر گھر سے باہر آیا تو وہ وہاں پر نہیں تھی۔ پریشے تو وہاں سے کب کی جا چکی تھی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا، پھر سارے فنکشن میں وہ چپ چپ سا رہا۔ شادی کے تینوں دن اس کی یہ بے چینی سب نے ہی محسوس کی۔ ولیمے کی رات جب وہ لائٹیں اُتروانے میں مصروف تھا تو نوال اُس کے پاس آئی اور بولی۔

''مجھے کب ملوا رہے ہو اُس سے۔'' نوال نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''کس سے؟'' احمر بڑی معصومیت سے انجان بن کر بولا۔

''ارے اپنی خوابوں کی تعبیر سے۔''

''اوہ اچھا۔'' احمر تلخی سے ہنسا اور بولا۔

''خوابوں کی تعبیر کبھی نہیں ملتی۔ وہ چلی گئی نوال اور میں اُسے روک بھی نہ پایا۔'' اتنا کہہ کر وہ خود بھی رُکا نہیں تھا اور نوال کو یہ بتا کر تجسس کے اندھیروں میں دھکیل گیا تھا۔

☆......☆......☆

پریشے جب کالج سے آئی تو ''ہمدانی ولا'' میں خاموشیوں کا راج تھا۔

''السلام علیکم بڑی اماں!'' لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ اُس نے سب کمروں میں دیکھا، پر کوئی بھی نہ تھا، پھر وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

پہلے میں تھی کچھ اور وجہ اِن باتوں کی
لیکن اب جانا کہاں نیند گئی راتوں کی

جب وہ گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی، تو اس کے ہلتے لبوں کو گویا بریک لگ گئے۔ عادل نے حیرانگی سے اسے دیکھا، پھر رُخ موڑ کر کی بورڈ سے ٹائپنگ کرنے لگا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' پری نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے پوچھا۔

''ڈانس کر رہا ہوں۔'' عادل نے اس کی طرف دیکھے بغیر چہک کر کہا۔

''نظر نہیں آ رہا ہے کیا...... میں اس وقت اسائنمنٹ بنا رہا ہوں۔ میرے کمپیوٹر میں تھوڑی سی پرابلم ہے۔'' یہ سن کر پری ایک دم چیخی اور جا کر ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر لیٹ گئی۔ تھکن کی وجہ سے اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب وہ سو گئی۔ عادل جب اپنا اسائنمنٹ کمپلیٹ کر کے باہر نکلا تو پری کو صوفے پر سویا دیکھ کر رُک گیا۔ آج وہ پہلی بار اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سنہری بال چہرے پر یوں بکھرے تھے جیسے بادلوں پر چاندنی اور اس کا ایک بازو صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا، اچانک اس کی نظر اس کے بازو پر پڑے بریسلٹ پر پڑی، جس پر ''A'' لکھا ہوا تھا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا، 'خیر چھوڑو۔ مجھے کیا پتا یہ کون ہے؟'

''پری اٹھو اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔'' وہ اتنا کہہ کر نیچے چلا آیا، جب کہ پری حیرانگی سے سوچنے لگی کہ یہ آج عادی کیسے بی ہیو کر رہا ہے۔

☆......☆......☆

''بس یار مجھے کچھ نہیں پتا کہ وہ کون تھی؟ ممی سے بھی پوچھ پوچھ کے تھک گیا ہوں، لیکن وہ بھی کچھ نہیں جانتی ہیں، اب کوئی پتا نہیں کہاں ملے گی وہ۔'' احمر آج عادل کے پاس اپنی پریم کتھا سنانے آیا ہوا تھا۔

''ارے یار تُو بھی عجیب شخص ہے، جس سے تمہیں محبت ہوئی ہے تم اس کا نام بھی نہیں جانتے۔'' عادل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''دیکھ یار عادل، میں تیرے پاس اپنے مسئلے کا حل جاننے کے لیے آیا تھا، لیکن تُو کیا میری ہیلپ کرے گا، الٹا تو میرا انداق اڑا رہا ہے۔ اچھا ٹھیک ہے اب جا رہا ہوں میں۔'' پھر احمر غصے میں صوفے سے اٹھا اور ٹی وی لاؤنج کے راستے سے باہر نکل گیا۔ پریشے جو باہر لان سے تازہ پھول گل دان میں رکھنے کے لیے لا رہی تھی، وہ جلدی میں اس سے ٹکرا گیا۔ پل بھر کو اُسے ایسا لگا کہ کائنات تھم چکی ہے۔ وہ مبہوت سا کھڑا اسے دیکھنے لگا، جبکہ پری اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا گئی۔ وہ ایک دم بولا۔

''ارے تم وہی ہونا، اس دن جو تمہارا جوتا ٹوٹ گیا تھا نا۔'' احمر کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جی ہاں!'' یہ کہہ کر پریشے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''اجی سنیں۔''

''اب کیا ہے؟ کہا نا میں نے کہ ہاں میں وہی ہوں، جسے آپ اس دن نوکرانی سمجھ رہے تھے۔'' پری نے غصے سے کہا۔

''اوہ تو آپ ہیں عادل کی کزن پریشے۔'' احمر خوشی سے گویا ہوا۔ اتنا کہہ کر پریشے اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی، پھر سیڑھیوں سے اچانک اس نے نیچے کی طرف دیکھا تو وہ ابھی بھی وہیں کھڑا ہوا تھا اور اوپر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ نا سمجھنے والے انداز میں آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

حیرت کی بات تو تب ہوئی جب وہ اگلے ہی دن اپنی ممی کے ساتھ اس کے گھر آ گیا۔

''ہم پریشے بٹی کا رشتہ لینا آئے ہیں۔''

سب نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ اب عادل کی سمجھ میں بھی کچھ کچھ آنے لگا تھا کہ محبت یک طرفہ نہیں ہوتی ہے، یعنی کہ پری کے بریسلٹ پر ''A'' کا مطلب احمر تھا۔ طے یہ پایا کہ وہ لوگ سوچ کے جواب دیں گے اور جب پری کو اس بات کا علم ہوا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی کہ وہ احمر سے شادی ہرگز نہیں کرے گی۔ اس کے دل میں تو صرف عادل تھا، لیکن یہ بات وہ سب سے کیسے کہتی اور لوگوں کو کیسے بتاتی۔ سب اسے سمجھا سمجھا کے تھک گئے، پر وہ نہ مانی۔

پری کے انکار کا سن کر عادل نے پورے گھر میں جیسے قیامت برپا کر دی۔

''اماں جی! آپ بالکل فکر نہ کریں، میں پری کو منا لوں گا۔ بس آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ آپ احمر کی فیملی کو انکار کریں گے۔'' پھر وہ رات کو پری کے پاس گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ قالین پر سکڑی سمٹی بیٹھی ہوئی تھی۔

''تم نے انکار کیوں کیا؟'' عادل بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''میں یہ بات ہر کسی کو بتانا مناسب نہیں سمجھتی۔'' پری نے رُخ موڑتے ہوئے جواب دیا۔

''تم احمر ہی سے شادی کرو گی، وہ میرا بہت اچھا اور بڑا گہرا دوست ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور تم بھی تو اس میں پوری پوری دل چسپی رکھتی ہو یا پھر شاید تم نے ٹائم پاس کرنے کے لیے اس سے محبت کا ڈھونگ رچایا تھا اور پھر جب وہ بے چارا شادی کے لیے سنجیدہ ہو گیا، تو اب تم انکار کر رہی ہو۔'' عادل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"عادی! زبان سنبھال کے بات کرو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے یہ سب کہتے ہوئے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس بات کا۔" پری غصے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ثبوت؟ ثبوت...... یہ ہے۔" عادل نے اس کی کلائی پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو بریسلٹ کے اوپر لکھا ہوا لفظ A" اس آپا دھاپی میں پری گرتے گرتے بچی تھی۔

"بولو اب کیوں نہیں بولتی ہو تم؟ کیوں چپ لگ گئی ہے تمہیں؟ بڑی پاک باز بنی پھرتی ہو۔ اگر تم نے احمر سے شادی کرنے سے انکار کیا تو میں سارے گھر والوں کو تمہاری اصلیت بتا دوں گا۔ مکار، دھوکے باز، فریبی لڑکی۔" آپے سے باہر ہو کر وہ تو اور بھی کچھ کہنے لگا تھا، لیکن پری نے باوجود ضبط کے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ وہ پری کے اس اچانک ردِعمل پر بوکھلا سا گیا، پھر وہ بولی۔

"اب تم حقیقت سننا ہی چاہتے ہو، تو سنو مسٹر عادل ہمدانی۔ اس راز کو اب راز نہیں رہنا چاہیے۔ برسوں سے جس بات کو میں نے دل میں چھپایا تھا، آج وہ مجھے کہہ دینی چاہیے۔ غور سے سنو جو کچھ کہہ رہی ہوں میں...... میں پریشے بنت سجاد ہمدانی صرف اور صرف تم سے محبت کرتی ہوں عادی...... صرف تم سے۔ سمجھے تم...... اتنی محبت کہ کبھی اس کا اظہار بھی نہ کر پائی۔ میری کلائی میں سجا یہ حرف "A" احمر کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ نام ہے جو دھڑکن بن کے میرے دل میں دھڑکتا ہے، جو سانس بن کے میرے وجود میں چلتا ہے۔ میں یہ سب کچھ کبھی نہ کہتی اور کسی سے نہ کہتی، لیکن تمہاری گھٹیا باتوں نے آج مجھے کہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

بولو عادل ہمدانی! کیا اب بھی میں...... ہاں...... ہاں...... بولو...... دھوکے باز، فریبی اور کیا کیا کہہ رہے تھے تم، ذرا ایک بار پھر...... لیکن...... جاؤ مسٹر عادل ہمدانی! تم بھی کیا یاد رکھو گے، میں تمہاری خوشی کے لیے یہ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ اب میں تمہارے دوست احمر سے ہی شادی کروں گی۔ جاؤ، میری نظروں سے دور چلے جاؤ......" یہ کہہ کر اس نے اپنا رُخ پھیر لیا اور عادل شکستہ قدموں سے نیچے آ گیا۔

عادل ساری رات پچھتاوے کی آگ میں جلتا رہا تو اوپر پری بھی سو نہ سکی۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر پری نے کہا۔

"پاپا آپ احمر کی فیملی کو ہاں کر دیں۔"

عادل نے اچانک اس کی طرف دیکھا، لیکن یہ کہہ کر وہ گیٹ سے باہر نکل آئی تھی اور پھر احمر کی فیملی کو ہاں کر دی گئی۔

"ہم باقاعدہ منگنی کی رسم کرنے اگلے مہینے کی چھ تاریخ کو آئیں گے۔" احمر کی والدہ نے جب اس بات کا اعلان کیا تو ہر طرف مبارک ہو، مبارک ہو کا شور اٹھا تھا۔ اب عادل کے لیے وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو رہا تھا، اس لیے وہ باہر چلا آیا، جہاں پری کچن میں جانے کس کام میں مصروف تھی۔ عادل نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، جہاں کوئی تاثر نہ تھا، نہ غم کا اور نہ ہی خوشی کا۔

☆......☆......☆

اس دن کے بعد سے پری نے عادی کو مسلسل نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جہاں ہوتا پری وہاں نہ جاتی۔ وہ اس کے بائیک کا ہارن سنتے ہی اپنے کمرے میں آ جاتی اور ناشتا، کھانا سب کچھ اس کے آنے سے پہلے کر لیتی۔ کچھ دنوں سے یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا تھا کہ ایک دن اچانک عادل نے اس کا راستہ روک لیا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ بات کیوں نہیں کرتی ہو مجھ سے؟" عادل اس کے بالکل سامنے چٹان کی طرح اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"جب بات کرتی تھی تب آپ کو تکلیف ہوتی

تھی اور اب اگر نہیں کرتی تو بھی آپ کو چین نہیں ہے۔اس لیے مسئلہ آپ کے ساتھ ہے میرے ساتھ نہیں۔'' یہ کہہ کر پریشے آگے کی طرف بڑھ گئی اور عادل کوئی جواب بھی نہ دے پایا۔اب اس کے پاس پری کی باتوں کا کوئی جواب تھا ہی نہیں۔

☆......☆......☆

''ہاں بس شاپنگ تو کمپلیٹ ہے، ساحر کے ایگزامز ہیں، وہ تو آ نہیں سکے گا۔'' نگہت بیگم فون پر اپنی نند سے بات کررہی تھیں۔''جی یہ لیں عادل سے بات کریں، جب تک میں پری کو بلا کے لاتی ہوں۔'' انہوں نے کمرے سے نکلتے ہوئے عادل کو فون تھمادیا اور خود باہر کی طرف چلی گئیں۔

''جی پھوپو احمر میرا دوست ہے۔پری! وہ تو بہت خوش ہے۔'' عادل نے کسی بات کے جواب میں کہا۔

''عادل بیٹا ہم نے تو یہی چاہا تھا کہ پری کی شادی تم سے ہو۔پر اب تمہاری ضد کے آگے ہار ماننا پڑرہی ہے۔حیرت کی بات ہے پری کیسے مان گئی، میں نے خود تمہارا نام سنتے ہی اس کے چہرے پہ رنگ بکھرتے دیکھے ہیں پر یہ سب......؟'' وہ تو اور بھی نہ جانے کیا کیا کہتی لیکن اس نے جلدی سے ریسیور پری کو دے دیا اور خود وہیں کارپٹ پر فلور کشن کے سہارے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

''جی پھوپو! میں بہت خوش ہوں۔نہیں کسی کے دباؤ پر نہیں میں نے خود ہاں کی ہے۔احمر بہت اچھے ہیں۔'' یہ بات اس نے عادل کی طرف دیکھ کر کہی تھی۔

''نہیں میں ان سے ملی تو کبھی نہیں ہوں پر جلد ہی ملوں گی۔'' پری نے بات کا رُخ موڑ لیا تھا، پھر کچھ باتیں کرکے اس نے ریسیور رکھ دیا۔وہ یکسر عادل کو نظر انداز کرکے جانے لگی تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''تم احمر سے کبھی نہیں ملو گی۔'' عادل نے انگلی اٹھا کے اسے تنبیہہ کی۔

''کیوں نہ ملوں، کچھ دنوں بعد ہماری منگنی ہے اور تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔'' پری اسے اپنے ہاتھوں سے پیچھے ہٹاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''حق ہے میرا۔'' عادل نے بلند آواز میں کہا۔

''یہ تمہارا حق نہیں ہے عادی۔مجھ پر صرف احمر کا حق ہے، سمجھے تم۔'' پری رُکی نہیں تھی، بلکہ یہ کہتے ہوئے تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بیڈ پر لیٹا ہوا چھت کو مسلسل گھورے جارہا تھا۔نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، پھر یوں ہی وہ دراز سے فوٹو البم نکال کے دیکھنے لگا۔تصویریں دیکھتے دیکھتے اس کی نظر پری کے چہرے پر ٹھہر گئی۔وہ مسکرا رہی تھی۔آج اسے پری کی مسکراہٹ پہلے سے زیادہ دل کش لگی تھی۔وہ جانے کتنی دیر اسے دیکھتا رہا۔

''پری مجھے تم سے محبت ہوتی جارہی ہے۔'' اس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ اسے خود بھی اپنی آواز نہ آئی، پھر کچھ سوچ کر اس نے احمر کا نمبر ملایا۔

''ارے یار احمر تجھ سے ایک بات کہنی تھی۔'' عادل نے کہا۔

''ہاں، ہاں کہو یار کیا بات ہے؟'' احمر جمائیاں لیتے ہوئے بولا۔

''وہ تمہاری کزن ہے نا نوال، کیا وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے؟'' عادل نے پوچھا۔

''ہاں! ہے تو یار، لیکن مجھے اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔'' احمر ایک دم سنبھل گیا۔

''زندگی ایسے نہیں گزرتی یار جسے ہم چاہتے ہیں، بلکہ زندگی تو اس ہم سفر کے ساتھ گزرتی ہے جو ہمیں چاہے، ہمارا خیال رکھے۔اگر ہم رات کو دن کہیں تو وہ بھی وہی کہے۔ارے یار وہ بہت اچھی لڑکی ہے، اس کا دل توڑ کے تُو بھی خوش نہیں رہے گا،

اس لیے میری بات مان اور اپنا لے اس کو۔'' عادل نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''لیکن......!'' احمر کچھ کہنے لگا تو عادل نے اتنا کہہ کے بات ختم کردی کہ ''میں نے جو کہنا تھا کہہ لیا، اب تم سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا۔ ایک طرف وہ ہے جسے تُو پسند کرتا ہے اور تمہاری اور اس کی شناسائی کو محض ایک ہفتہ ہوا ہے اور ایک طرف وہ ہے جو تجھے چاہتی ہے، جو ایک ہفتے سے نہیں، بلکہ بچپن سے تجھے چاہتی آرہی ہے۔ اس لیے تو اس کی چاہتوں کا صلہ کسی اور کو نہ دینا، خدا حافظ۔''

عادل تو اپنی بات کہہ کے سو گیا، لیکن احمر کی نیندیں اُڑا گیا۔ وہ ساری رات احمر نے آنکھوں میں کاٹی۔ اسے نوال کی بھیگی پلکوں، بے معنی باتوں کی اب پوری پوری سمجھ آرہی تھی، پھر صبح ہوتے ہی وہ تیار ہوکر مقررہ وقت سے پہلے یونیورسٹی پہنچ گیا۔ اس کے تقریباً دو گھنٹوں بعد نوال آئی تھی، تو وہ اسے لے کر ایک پُرسکون گوشے میں آ گیا۔

''نوال تم خوش ہو، میری منگنی ہورہی ہے۔'' احمر نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نوال نے اس کی بات سنی اور خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

اپنی محبت کسی اور کو سونپ دینا محبت ہی ہے نا۔ میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔ احمر تمہیں تمہاری محبت مل گئی تو مجھے دنیا بھر کی خوشی مل گئی، کیوں کہ تم جو خوش ہو۔'' نوال نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔

''مجھ سے شادی کرو گی نوال؟'' احمر نے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''مذاق نہ کرو احمر! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اگلے بندے کے دل میں نئے خواب جگا دیتی ہیں۔ تمہاری چاہتوں کے قابل تو کوئی اور ہے۔'' نوال نے اپنا رُخ موڑ لیا۔

''تمہاری چاہتوں کا صلہ تمہیں ہی ملے گا......بس تم ایک بار ہاں تو کرو۔'' اور پھر نوال نے اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

اس ہونے والی ساری صورت حال کو عادل نے بہت خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا۔ احمر اور نوال کی شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی تھی۔

''آنٹی کل پری کی برتھ ڈے ہے نا۔'' عادل کیلنڈر دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں! لیکن یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''آنٹی، انکل ہم ایسا کرتے ہیں کہ پری کو سرپرائز دیتے ہیں اور آج رات تو ویسے بھی ساحر بھائی آرہے ہیں تو کل ڈبل خوشیاں۔'' عادل آج کافی خوش نظر آرہا تھا۔

''اور ہاں پری کا کمرہ میں ڈیکوریٹ کروں گا۔'' سارے فیصلے عادل نے خود ہی کرلیے۔ رات کو ساحر بھی آ گیا تھا، پھر وہ سب رات گئے تک باتیں کرتے رہے اور پھر صبح پری کے کالج جاتے ہی عادی اس کے کمرے میں وہ تمام چیزیں لے کر آ گیا، جو وہ کل رات ہی خرید کے لایا تھا۔ وہ کافی دیر تک پریشے کے کمرے کی سجاوٹ کرنے میں لگا رہا، پھر اس نے وہ کارڈ نکالا جس پر سرخ الفاظ میں لکھا ہوا تھا کہ I want to say you, I Love You۔ پھر اس نے وہ کارڈ پری کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور پھولوں کے دو گجرے بھی، جو وہ بہت چاہت سے خرید کر لایا تھا، وہ بھی اس کے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کے باہر چلا آیا۔ اچانک فون پر بیل ہوئی، لیکن کوئی بھی فون ریسیو نہیں کررہا تھا، کیوں کہ سب ہی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ساحر ٹی وی لاؤنج میں فرنٹ ونڈو پر غبارے لگا رہا تھا۔ بڑی اماں اس کے کپڑے استری کررہی تھیں، جبکہ بڑے ابا اور اس کے پاپا ابھی آفس سے نہیں آئے تھے۔

اس کی ماما کچن میں پری کی فیورٹ ڈشز بنا رہی تھیں۔ ناچار عادل کو ہی فون ریسیو کرنا پڑا۔

''جی آپ پریشے ہمدانی کے گھر سے بات کر رہے ہیں۔'' کسی نے پوچھا تھا۔

''جی بالکل، لیکن آپ کون؟'' عادل صوفے پر پڑی برتھ ڈے کی ٹوپیاں ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''میں جناح اسپتال سے بات کر رہا ہوں۔ مس پریشے ہمدانی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ ان کا خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے، پلیز آپ جلدی پہنچیں۔'' اتنا کہہ کے کال ڈراپ ہوگئی۔

''اماں جی، آنٹی، ساحر۔'' عادل چیختا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔

''وہ پری، آ گئی پریشے۔'' ساحر باہر کی طرف بڑھا۔

''نہیں ساحر اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، چلو جلدی۔'' اچانک یہ خبر سن کر وہ سب اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ بڑی اماں تو صدمے سے صوفے پر گر گئیں۔

☆......☆......☆

ساحر اور عادل جیسے تیسے، اسپتال پہنچے۔

''کہاں ہے پری۔ میرا مطلب ہے پریشے ہمدانی۔''

''اُن کا خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے، آپ جلدی سے بلڈ کا انتظام کریں۔'' ڈاکٹر انہیں تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

''عادل تم پری کے پاس رُکو میں ابھی آتا ہوں اور دیکھو میری بہن کو کچھ نہ ہونے دینا۔'' ساحر گرتا پڑتا باہر کی طرف بھاگا اور عادل پری کے پاس ہی رُک گیا۔ وہ اس کے قریب چلا آیا تھا۔ پریشے کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ عادل نے اس کے قریب آ کر پری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''پری!'' اس نے دھیرے سے پکارا۔ پر وہ آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔

''پری! اٹھو دیکھو تمہارا عادی آ گیا ہے۔ میں لوٹ آیا ہوں پری، تم تو بند آنکھوں سے مجھے محسوس کر سکتی ہونا۔ تو سنو میری سانسوں کو، میں دھڑکن بن کر تمہارے دل میں دھڑکتا ہوں تو آنکھیں کھولو۔ میری سانسیں تمہاری منتظر ہیں۔'' پر وہ آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھوں پر سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کہ اچانک پری کے وجود میں ہلچل ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ عادل نے اچانک اسے دیکھا تو پری آہستہ آہستہ اپنا آکسیجن ماسک اُتار رہی تھی۔ پھر اس نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

''عادی! ایک دفعہ کہہ دو وہی بات جو تم ہمیشہ مجھے کہتے رہتے ہو۔

''کیا؟'' عادل نے تڑپ کر اسے دیکھا اور پھر پوچھا۔

''یہی کہ کیا مصیبت ڈال دی ہے میری جان پر۔'' پریشے نے اس کی نقل اتاری۔ باوجود ضبط کے کتنے ہی آنسو عادل کی آنکھوں سے نکل پڑے۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ، پھر سارے گلے شکوے کر لینا۔'' عادل نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں عادی میں مر جاؤں گی، میری سانسیں گھٹتے گھٹتے کم ہو رہی ہیں۔ کہہ دو عادی صرف ایک بار کہہ دو۔ تم ہمیشہ باتیں اَن کہی چھوڑ دیتے ہو۔'' پری کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''مجھے تم سے محبت ہے پری...... تم سے بھی زیادہ اور اب تم مجھے اور نہ ستاؤ۔ کیا مصیبت ڈال دی ہے میرے سر پر۔'' عادل نے اس کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو نرمی سے پونچھے۔

''عادی......!''، پری ہنستے ہنستے رو پڑی تھی اور پھر اس کی ہنسی معدوم ہوگئی۔ ایک دم اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

''پری آنکھیں کھولو، تم نہیں جا سکتی مجھے چھوڑ کے،

دیکھو پری تنگ نہ کرو، اُٹھو پری...... پری...... پری'' وہ مسلسل اسے جھنجھوڑے جارہا تھا، پھر ڈاکٹر نے اسے بمشکل کمرے سے نکالا اور اسے بتایا۔ ''مسٹر عادل، شی اِز ڈیڈ'' (وہ مرچکی ہیں) We'r Sorry۔'' ساحر ایک دم بھاگ کر عادل کے پاس آیا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ میری بہن کو کچھ نہ ہونے دینا، کتنے عرصے کے بعد ملے تھے ہم۔'' پھر وہ پری کے پاس آیا۔ ''اُٹھو پری تم نے ہی کہا تھا نا کہ کل شاپنگ کے لیے جائیں گے، پھر تم اُٹھ کیوں نہیں رہی ہو۔''

☆......☆......☆

وہ دونوں کسی طرح پری کی میت کو گھر کے دروازے تک لائے، انہیں کچھ خبر نہ تھی، گھر میں کہرام برپا ہوگیا تھا۔ ہمدانی وِلا سوگوار ہوچکا تھا۔

''ساحر میری بیٹی۔'' نگہت بیگم ساحر کے ساتھ اس کے گلے سے لگی رو رہی تھی۔ بڑی اماں اس کا تاریک چہرہ ہاتھوں میں لیے رو رہی تھی۔ بڑے ابا اس کا گفٹ لے آئے۔

''دیکھو پری ابھی کچھ دن پہلے ہی تم نے کہا تھا کہ مجھے لیپ ٹاپ بہت پسند ہے، یہ لو پری، تمہارا لیپ ٹاپ بھی آ گیا ہے۔ دیکھو اب اُٹھ جاؤ، نہ تنگ کرو۔'' ہر آنکھ نم تھی۔ عادل اس کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ گجرے پکڑ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔ اب اسے یہی گجرے اس کی قبر پہ چڑھانے تھے۔

''پری میں باتیں اَن کہی چھوڑ دیتا ہوں نا۔ تو تم بھی سب کچھ ادھورا چھوڑ گئی ہو۔ یہ کارڈ پڑھے بغیر چلی گئیں۔ یہ ڈیکوریٹڈ کمرہ دیکھے بغیر چلی گئیں۔ میرے دل کی بے تابیوں کا حال جانے بغیر چلی گئیں۔ لوٹ آؤ پری لوٹ آؤ۔'' وہ وہیں فرش پہ بیٹھ کے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔

وہ چلی گئی تھی۔ سب کو ادھورا چھوڑ کے۔

☆......☆......☆

بڑے ابا شام کو پانچ بجے لان میں بیٹھ جاتے۔ ملازم ان کے لیے چائے لاتے تو انہیں پری یاد آجاتی اور وہ چائے وہیں چھوڑ آتے اور بعض اوقات تو وہ وہیں بیٹھ کے رونے لگتے۔ بڑی اماں رات ہوتے ہی اس کے کمرے میں چلی جاتیں، پھر وہاں پری کو نہ پا کر اس کی تصویروں کو سینے سے لگا کے روتی رہتیں۔ اس کی ماما اکثر کھانا بناتے وقت آواز لگانے لگتی۔

''پری آ کر سلاد بناؤ۔'' لیکن پری تو تھی ہی نہیں، وہ کھانا بنانا چھوڑ کے دروازے کی چوکھٹ سے لگی رونے لگتی۔ اس کے پاپا کو جب بھی اپنی کوئی چیز نہ ملتی تو اکثر کہتے۔

''پری میری واچ کہاں ہے؟'' پر وہ نہ آتی اور پھر وہ اسے پکارتے پکارتے رونے لگتے۔ ساحر اکثر اس کے کمرے میں بیٹھا رہتا، اس کی چیزوں سے کھیلتا رہتا۔

''پری دیکھو مجھے نیند نہیں آرہی، چلو باتیں کرتے ہیں۔'' پر وہ نہیں تھی۔ وہ باہر جانے کے لیے نکلتا تو آئس کریم کی فرمائش کرتی۔ وہ پری نہ ہوتی۔ وہ باہر جانے کا ارادہ ترک کرکے کمرے میں آ کے رونے لگتا، اور عادل...... اب کوئی نہیں تھا، جو اسے وقت بے وقت چائے بنا کے دیتا۔ اس کی جھڑکیوں سے خوف زدہ کمرے میں جا چھپتا۔ جب وہ روتے روتے پاگل ہونے لگتا، تو اس کی قبر پر چلا جاتا اور روتے ہوئے کہتا۔

''لوٹ آؤ پری اپنے عادی کے لیے، کیا مصیبت ڈال دی ہے میری جان پہ۔'' اب تو یہ عمر بھر کا روگ تھا سب کے لیے، کیوں کہ وہ محبتیں بکھیرنے والی لڑکی ہی نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

عادل کو اس کے عقب سے کسی نے پکارا۔ اس نے مڑ کے دیکھا تو احمر اور نوال سامنے کھڑے تھے۔ وہ احمر کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔

''احمر وہ واپس نہیں آتی۔ وہ میری باتوں کا جواب نہیں دیتی۔ کوئی تو لائے اسے۔ پری دیکھو آ کے۔ تمہارا عادی تمہارے لیے کس قدر تڑپ رہا ہے، مر رہا ہے۔''

''وہ نہیں آئے گی عادل، چلو گھر چلیں۔ وہ تم سے روٹھ کے کسی اور دیس جا چکی ہے، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔''

☆......☆......☆

''نہیں عادل آج تم ضرور گاؤ گے۔'' اس واقعے کے چھ مہینے بعد احمر کی شادی پر احمر اس سے اصرار کر رہا تھا اور وہ اس بات کے لیے مان ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اس کی شادی میں گانا گائے گا۔

''دیکھو عادل، پریشے کو تمہاری آواز پسند تھی نا، تو اس کے لیے گاؤ۔'' احمر اسے مائیک پکڑا کے چلا گیا۔ سُر اور تال کا میل شروع ہو گیا۔ عادل کو ایسا لگا کہ جیسے پری اسے سُن رہی ہے۔ اس نے مائیک کو اور بھی مضبوطی سے پکڑ لیا۔

تُو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
مانا کہ محفل جواں ہے حسیں ہے
مجھے پھر تباہ کر، مجھے پھر رُلا جا
ستم کرنے والے کہیں سے تُو آجا

اُسے یاد آیا جب اسی بنگلے کے باہر پری نے معصومیت سے کہا تھا۔ ''عادی میرا جوتا ٹوٹ گیا ہے، کیا کروں؟'' تو عادل نے کیسے سختی سے کہا تھا۔

''میرے سر پہ مار دو۔'' یہ سوچ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ عادل کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

جدھر بھی یہ دیکھیں جہاں بھی یہ جائیں
تجھے ڈھونڈتی ہیں یہ پاگل نگاہیں
میں زندہ ہوں لیکن کہاں زندگی ہے
میری زندگی تُو کہاں کھو گئی ہے

یہ گاتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم وہ منظر آ گیا، جب وہ گنگناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوتی تھی۔ وہ اسٹیج سے نیچے اُتر آیا، ہر طرف تالیوں کی گونج تھی۔ وہ بڑی اماں کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑا۔

''امی! پری نہیں آتی، اسے لے آئیں امی، میں اس کے بغیر نہ رہ سکتا۔'' احمر اسے بازو سے پکڑ کر اندر لے آیا۔

''آنسو صاف کرو عادل پری کو تکلیف ہوگی۔'' عادل نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے۔

''وعدہ کرو عادل اب تم کبھی نہیں روؤ گے۔ میں جانتا ہوں یہ ناممکن ہے، لیکن تمہیں ایسا کرنا ہوگا۔ کسی کے مرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا، بس زندگی میں ایک کمی سی رہ جاتی ہے۔ خود سے کون کسی کو بھولتا ہے، بس زندہ رہنے کے لیے بھلانا پڑتا ہے۔'' احمر اُسے دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا۔

''میں کوشش کروں گا، لیکن ابھی تو میں گھر جانا چاہتا ہوں۔'' عادل کمرے سے باہر نکل آیا۔ احمر نے اُسے نہ روکا۔

''پری! میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ تم سانس بن کے میرے وجود میں چلتی رہو گی۔ جب یہ سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی تو سمجھو تم بھی میرے دل سے نکل گئیں۔'' اس نے آنسو صاف کر لیے تھے اور شکستہ قدموں سے پری کی یادوں کو سینے سے لگائے۔ اپنے حال میں لوٹ آیا تھا، کیوں کہ اب اُسے جینا تو تھا نا......!!!

☆......☆......☆

افسانہ

ایک اور پتھر...

''ایسا کر ماسی! گوری کو حویلی میں چھوڑ دے۔ چوہدرانی کی خدمت کر دیا کرے گی۔ دوسری عورتوں کے ہاتھوں میں اب دم نہیں رہا۔ اس کے بدلے تیرا قرضہ اُترتا رہے گا۔'' ''مگر چوہدری جی!'' ''مگر! تو پھر میرا قرضہ لوٹا دے۔'' ''چوہدری جی!......

معاشرے کا ایک سچ، افسانے کی صورت

بہت سی کربناک چیخیں کچے مکان سے نکل کر فضا میں تحلیل ہوگئیں۔ دائی رحمت نے خوش خبری سُنائی کہ لڑکا ہوا ہے۔

شاید میں اس گوشت کے لوتھڑے کا گلا ہی دبا دیتی۔ مگراسی لمحے مجھے اپنی بیٹی کی باتیں یاد آ گئیں۔

''ماں! تُو وعدہ کر کہ اس بچے کو مارے گی نہیں؟''

آج سے نو دس مہینے پہلے ایسی ہی دل ہلانے والی چیخیں اٹھی تھیں، جو حویلی سے باہر نہ نکل سکیں۔ خیالوں کی اندھی ہواؤں نے جب ماضی کے پردے ہلائے تو سارے منظر فلم کی صورت ذہن کی اسکرین پر چلنے لگے۔

اگر میں نہ لے کر جاتی اپنی معصوم سی بچی کو حویلی، تو یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا، آج جیسی ہی منحوس شام تھی جب چوہدری کا آدمی بلانے آیا تھا۔

''ماسی!! او ماسی!! تجھے چوہدری صاحب نے بلایا ہے۔ اپنی لڑکی کو بھی ساتھ لینا، ضروری کام ہے۔''

''کیوں بخشو! خیر تو ہے؟''

''آ کے خود پوچھ لینا۔ ہمیں کیا خبر۔''

''گوری ذرا پانی بھرنے گئی ہے، ابھی آتی ہے تو میں لے کر آتی ہوں۔'' کاش کہ گوری آتی ہی نہیں۔ مگر......

''کہاں رہ گئی تھی گوری؟ بخشو بلانے آیا تھا۔ چوہدری نے بلوایا ہے۔''

''کیوں اماں؟''

''مجھے کیا پتا کیوں؟ چل چل کر معلوم کرتے ہیں۔''

'کیا ہوا تھا اس کے بعد؟' ہاں یاد آیا۔ چوہدری بولا تھا۔

''آ ماسی! بڑی دیر کردی آنے میں؟''

پیروی

ہمیں مکڑیوں کی مانند نہیں ہونا چاہیے جو اپنے انداز سے تار نکالتی اور جالے بُنتی ہیں اور نہ چیونٹی کی طرح جو فقط اپنی خوراک جمع کرنے میں لگی رہتی ہے بلکہ ہمیں تو شہد کی مکھیوں کی پیروی کرنی چاہیے جو پھولوں کے رس سے شہد اور موم پیدا کرتی ہیں۔

(فرانسز بیکن کی تحریر سے ماخوذ)

''گوری کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی چوہدری صاحب۔ پانی بھرنے گئی تھی وہاں دیر لگادی اس نے۔''

''تجھے میں نے اس لیے بلایا تھا ماسی! کہ کرم دین کو مرے اب دو سال ہو چکے ہیں اور تم نے میرے قرض کا ایک روپیا بھی ادا نہیں کیا۔ مجھے اپنا پیسا چاہیے، سُود کے ساتھ۔''

''ہم تو غلام ہیں آپ کے سرکار! آپ کے ٹکڑوں پر جی رہے ہیں۔ کرم دین کی موت کے بعد اور بھی بُرے دن آ گئے ہیں۔ کوئی آپ ہی حل نکالیں۔''

''ایسا کر ماسی! گوری کو حویلی میں چھوڑ دے۔ چوہدرانی کی خدمت کردیا کرے گی۔ دوسری عورتوں کے ہاتھوں میں اب دم نہیں رہا۔ اس کے بدلے تیرا قرضہ اُترتا رہے گا۔''

''مگر چوہدری جی!''

''مگر! تو پھر میرا قرضہ لوٹا دے۔''

''چوہدری جی! میں کرلوں گی سب کام، اماں! تُو گھر جا۔''

''چوہدرانی کہاں ہیں چوہدری جی؟''

''چوہدرانی کے بھائی کی شادی ہے وہ وہاں گئی ہے۔ آ جائے گی چند روز میں تُو جب تک برتن ورتن دھولیا کر۔''

''جو حکم چوہدری جی!''

☆......☆......☆

''اِس کو شہد چٹا ماسی!'' دائی رحمت نے کہا۔

''آں! ہاں!'' دائی رحمت کی آواز نے مجھے یادوں کی دنیا سے واپس بلایا۔

''دواؤں کی پڑیوں کے پاس رکھا ہے۔ چٹا دے۔''

اُس رات اگر میں گوری کو حویلی میں نہ چھوڑتی تو کتنا اچھا ہوتا، مگر ہائے ری قسمت! اُس رات بھی گوری ایسی ہی چیخی تھی مگر حویلی کی اونچی دیواروں نے کسی آواز کو باہر نہ نکلنے دیا۔

شاید حویلیوں کی دیواریں اسی لیے اونچی رکھی جاتی ہیں کہ کوئی آواز باہر نہ جاسکے۔ اُس رات، بلکہ اُس جیسی کئی راتوں کو دیواروں نے ایک ہی کھیل دیکھا۔

''شاید عورت بنی ہی لٹنے کے لیے ہے!'' بخشو کی گھر والی ٹھیک ہی کہتی ہے۔ کشمیر میں عورتوں کی عزتوں کو وردیوں والے پامال کررہے ہیں اور یہاں عورت کو رسم و رواج کی سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ کتنی بھیانک رسموں کا سہارا لے کر عورت کو لوٹا جارہا ہے۔

اگر چوہدرانی ہوتی بھی تو کیا کرلیتی؟ اُس کی حیثیت بھی ایک مہرے سے زیادہ نہیں، جو ضرورت کے وقت کام آتی ہے اور پھر بے کار پڑی رہتی ہے۔ عورت کسی بھی طبقے کی ہو، سب کے دُکھ ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہی کہتی ہے وہ۔''

پھر ایک دن چوہدری کو رحم آ گیا، یا یوں کہہ لو کہ دل بھر گیا اور اُس نے میری گوری کو آزاد کردیا، مگر جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔

اُس کا پاؤں بھاری ہوگیا تھا۔ اُس دن کی وہ باتیں میرے کانوں میں اب بھی گونجتی ہیں جب میں گوری کو گھر لائی تھی۔

''اماں! میں اب جینا چاہتی ہوں۔ ویسے ہی گاؤں والوں کے طعنے مجھے جینے نہیں دیں گے کیونکہ ہم چوہدری کا نام نہیں لے سکتے۔

مگر پھر بھی میں جینا چاہتی ہوں۔ جانتی ہے کیوں؟'' میری چپ کے جواب میں وہ خود ہی بولی۔

''اماں! ایک دن چوہدری نے اخبار پڑھتے ہوئے بخشو کو ایک تصویر دکھائی تھی۔ جانتی ہے وہ تصویر کس کی تھی؟'' وہ ان معصوم فلسطینی بچوں کی تصویر تھی اماں! جو اسرائیلی توپوں کا مقابلہ پتھروں سے کررہے تھے۔ میں اب جینا چاہتی ہوں اماں! میں چاہتی ہوں اماں! کہ اُن اسرائیلیوں کی جگہ ہمارے ظالم چوہدریوں، وڈیروں، جاگیرداروں کے خلاف، بس ایک پتھر کا اضافہ ہوجائے۔ اماں پہل کسی کو تو کرنا پڑے گی نا......''

''اماں تُو اِس بچے کو مارے گی نہیں وعدہ کر اماں۔''

''مجھ سے وعدہ کر کہ تُو اِس پیدا ہونے والے بچے کو مارے گی نہیں؟ میں اِسے پالنا چاہتی ہوں اماں۔''

☆......☆......☆

''بچہ رو رہا ہے۔''

''بچے کے رونے کی آواز اب مجھے اچھی لگ رہی ہے۔ مجھے ابھی سے اس کے ہاتھوں میں پتھر نظر آرہے ہیں جو وہ بہت جلد ظالموں پر برسانے والا ہے۔

☆☆......☆☆

آئینہ، عکس اور سمندر

خواہشوں، امیدوں اور ہر پل رنگ بدلتی زندگی سے آباد، ناول کی انیسویں قسط

خلاصہ

رفیق احمد اور نفیس احمد دو بھائی ہیں جن کے درمیان بہت محبت اور رکھ رکھاؤ ہے۔ رفیق احمد کے دو بچے عرفان اور زرقون ہیں، جبکہ نفیس احمد کے دو بیٹے احمد، فراز اور ایک بیٹی مریم ہے۔ مریم ایک سلیقہ شعار اور درمیانی صورت وشکل کی کم پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ مریم کی منگنی عرفان سے ہوگئی ہے۔ عرفان سے مریم بے انتہا محبت کرتی ہے، جبکہ زرقون، جو بے حد خوب صورت، خوش اخلاق اور زندہ دل لڑکی ہے، یونیورسٹی سے ماسٹر کر رہی ہے۔ اس کا رشتہ اپنا تایازاد فراز کے ساتھ طے ہے۔ فراز اور زرقون ایک دوسرے کو بے حد چاہتے ہیں۔ رفیق احمد کی بیوی فہمیدہ بیگم ایک سلجھی ہوئی خدمت گزار خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے میکے پر بے حد جان چھڑکتی ہیں۔ میکے میں اُن کی بھاوج رقیہ بیگم بے حد حسین عورت ہیں۔ رقیہ بیگم کو ہمیشہ سے اپنی نند، فہمیدہ بیگم سے حسد ہے کہ وہ کس قدر آسودہ اور پُرتعیش زندگی بسر کرتی ہیں اور اُن کے میاں انہیں کس قدر چاہتے ہیں لیکن وہ اپنا حسد کبھی ظاہر نہیں کرتیں۔ حالات خراب ہونے کے باعث عرفان چند دن رقیہ بیگم کے گھر میں گزارتا ہے، جہاں وہ ثمینہ (جو اُس کی ماموں زاد ہے) کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے اور مریم سے منگنی توڑ دیتا ہے۔ مریم کو منگنی ٹوٹنے کا گہرا صدمہ ہوتا ہے اور وہ بیمار ہوجاتی ہے۔ ثمینہ سے شادی کے لیے فہمیدہ بیگم، بیٹے کا ساتھ دیتی ہیں جس کی وجہ سے رفیق احمد کے دل میں بیوی کی طرف سے بال آجاتا ہے۔ فہمیدہ بیگم کو اُمید ہوتی ہے کہ اُن کی بھتیجی آکر سب کا دل جیت لے گی۔ فطرتاً وہ دل کی نرم ہوتی ہیں، اس لیے انہیں مریم کی تکلیف کا بھی احساس ہوتا ہے اور وہ دل میں عہد کرتی ہیں کہ وہ مریم کے لیے اچھا سا رشتہ خود تلاش کریں گی۔ جہاں آرا بیگم جو نفیس احمد کی بیوی ہیں، مریم کا رشتہ ٹوٹنے کے بعد رفیق احمد اور اُن کے گھروں سے سخت ناراض ہوجاتی ہیں۔ ثمینہ اور عرفان کی شادی ہوجاتی ہے۔ عرفان بہت خوش، فہمیدہ بیگم مطمئن اور رفیق احمد اور زرقون اُداس ہوتے ہیں۔ شادی کے دوسرے دن جب زرقون اپنی کزنز کے ساتھ دلہن کو لینے جاتی ہے تو رقیہ بیگم، ثمینہ کو بھیجنے سے انکار کردیتی ہیں۔ نفیس احمد اس بات کو سُن کر چراغ پا ہوجاتے ہیں۔ فہمیدہ بیگم چاچی زلیخا کے ساتھ ثمینہ کو لینے جاتی ہیں، جہاں اُن کو رقیہ بیگم ایک دوسرے ہی روپ میں ملتی ہیں۔ چاچی زلیخا یہ خبر جہاں آرا بیگم کو سُنانے پہنچ جاتی ہیں۔ جہاں آرا بیگم ایک رات کی دُلہن کے میکے بیٹھ جانے کا سُن کر دل ہی دل میں خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران رہ جاتی ہیں۔ زرقون کو اپنی مامی کے رویے کا بہت دُکھ ہوتا ہے۔ اُس کے دُکھ پر فراز محبت کے پھائے رکھتا ہے۔ آفتاب احمد جو ایک بہت بڑی کمپنی کے ایم ڈی ہیں، وہ نرگس جو زرقون کی دوست ہے اور جس کا مڈل کلاس سے تعلق ہے، اُس کو بے حد پسند کرنے لگتے ہیں، لیکن نرگس اُن کی پسندیدگی سے ناواقف ہے۔ عرفان اور ثمینہ کی شادی سے رفیق

احمد ناخوش ہونے کے باوجود زرقون کو سمجھوتہ کرنے کو کہتے ہیں۔رفیق احمد ایک رکھ رکھاؤ والے خاندانی آدمی ہیں۔اُن کے گھر کے کچھ اصول ہیں۔ثمینہ اُن اُصولوں کی پروا نہیں کرتی۔جس پر اُن کو اعتراض ہوتا ہے۔ثمینہ پھوپو کے گھر کو سسرال ہی سمجھتی ہے۔اور وہ سسرال والوں کو تنگ کرنے کا کوئی موقع نہیں گنواتی۔مریم روز......روز کے رد کیے جانے کی وجہ سے چڑچڑی اور بیمار رہنے لگی ہے۔نفیس احمد اور جہاں آرا بیگم بیٹی کی بدلتی ہوئی کیفیت سے بہت پریشان ہیں۔نفیس احمد دیکھ رہے ہیں کہ حالات تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں،لہٰذا وہ زرقون کا جلد از جلد فراز کے ساتھ بیاہ کر دینا چاہتے ہیں۔فراز،زرقون کو بے حد چاہتا ہے۔رقیہ بیگم چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر فہمیدہ بیگم سے سوال جواب کرنے کھڑی ہو جاتی ہیں اور ایسے موقعوں پر ثمینہ مظلومیت کی شاندار اداکاری کرتی ہے۔عرفان،ثمینہ کا دیوانہ ہے۔اُن دنوں جب عرفان کے سر پر ثمینہ کی محبت سوار ہوتی ہے،ایک خوب صورت، خوش مزاج لیڈی ڈاکٹر کا عرفان کی دکان پر آنا جانا شروع ہو جاتا ہے۔ثمینہ نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیے ہیں۔اُس کو فراز اور زرقون سے عجیب سا حسد محسوس ہونے لگا ہے۔جہاں آرا کے مزاج میں رفیق احمد اور اُن کے گھر والوں کے لیے تلخی بڑھ رہی ہے۔وہ فراز کو اُن کے گھر جانے سے منع کر دیتی ہیں۔رفیق احمد کی آنکھوں میں کالا پانی اُتر آیا ہے۔اُن کی آنکھوں کا آپریشن ناکام ہو جاتا ہے۔عرفان ڈاکٹر تابندہ کو کاروبار کے لیے سونا دے دیتا ہے۔مریم بہت ساری نفسیاتی اُلجھنوں سے نکل کر آخر زندگی کی طرف قدم بڑھا دیتی ہے۔زرقون آفتاب کا نمبر حاصل کر کے اُس کو فون کرتی ہے۔وہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ آیا وہ نرگس سے محبت کرتا ہے یا نہیں۔جہاں آراء بیگم نے کھل کر رفیق احمد کے گھرانے،زرقون اور فراز کے رشتے کی مخالفت شروع کر دی ہے۔اس ساری صورت حال سے فراز بہت پریشان رہنے لگا ہے۔زرقون سب کچھ سمجھ رہی ہے۔لیکن اُس کو سوائے اللہ کے آگے گڑگڑانے کے کچھ نظر نہیں آ رہا۔اِدھر ثمینہ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔وہ چاہتی ہے کہ جلد از جلد الگ ہو جائے۔مریم کا رشتہ ایک متوسط طبقے سے آتا ہے۔جہاں آرا بیگم مریم کے رشتے سے بہت خوش ہیں لیکن زرقون اور رفیق احمد کے تمام گھر والوں کے ساتھ اُن کا رویہ بہت سرد ہو جاتا ہے۔وہ فراز کو رفیق احمد کے گھر جانے سے منع کرتی ہیں۔فراز بہت پریشان ہے لیکن نفیس احمد اُس کو حالات کو سنبھالنے کی اُمید دلاتے ہیں۔زرقون جہاں آرا بیگم کے رویہ سے بہت دل برداشتہ ہے۔ثمینہ ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے۔ثمینہ اور رقیہ بیگم نے سارے خاندان میں بدگمانیاں پھیلا دی ہیں۔فہمیدہ بیگم کے سارے رشتے دار اُن کی مخالفت کر رہے ہیں،جس کا اُن کو بہت صدمہ ہے۔عرفان نے ثمینہ کو بہت جلد الگ گھر لینے کی اُمید دلائی ہے۔مرتضیٰ اور شیری کے جھگڑے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔شیری ایک مکمل امریکن عورت کا روپ دھار رہی ہے اور مرتضیٰ اس بات سے سخت نالاں ہے۔وہ چاہتا ہے اللہ اُس کو اولاد دے دے۔شاید اس طرح شیری کو گھرداری کا شوق پیدا ہو جائے۔آفتاب اور نرگس کی محبت خوب صورت جذبوں کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے۔لیکن زرقون اور فراز کی محبت تیز آندھیوں کی زد میں ہے۔اللہ نے ثمینہ کو بیٹے سے نوازا ہے،فہمیدہ بیگم بہت خوش ہیں لیکن رقیہ بیگم ثمینہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئیں اور روک لیا۔اب ان کا مطالبہ ہے کہ ثمینہ کو الگ گھر لے کر دیا جائے۔وہ چاہتی ہیں کہ فہمیدہ اپنا برسوں کا بسا بسایا گھر بیچ کر عرفان کو ورثہ دے دیں۔فہمیدہ بیگم ان کے مطالبے سے بہت پریشان ہیں،رقیہ بیگم نے ان کے اور ان کے تمام گھر والوں کے خلاف پورے خاندان والوں کو بدگمان کر دیا ہے۔جس کا فہمیدہ بیگم کو بہت صدمہ ہے۔مریم کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔جہاں آرائے بیگم جہاں مریم کے رشتے سے خوش ہیں وہیں پُرانے طے کردہ رشتوں کے بارے میں وہ بہت کچھ سوچ چکی ہیں۔فراز جہاں آرائے بیگم کے رویّے کے بارے میں پریشان ہے لیکن نفیس احمد اس کو تشفی دیتے ہیں کہ جہاں آرائے کا غصہ وقتی ہے۔لیکن فراز مطمئن نہیں ہے۔زرقون کے دل کو بھی اپنی تائی امّاں کے سرد رویے کی وجہ سے عجیب سی بے چینی ہے۔وہ فراز سے کہتی ہے، لیکن فراز اُس کو اطمینان دلاتا ہے۔مریم اب بہت بدل گئی ہے۔اُس میں ہونے والی ناخوش گوار تبدیلیاں جہاں آرائے بیگم کے لیے اطمینان کا باعث ہیں۔فہمیدہ بیگم اپنے میکے والوں کے رویئے پر بہت دلبرداشتہ ہو جاتی ہیں وہ زرقون اور مریم سے اپنے دِل کی حالت بیان کرتی ہیں اُن کی باتوں کا کچھ حصہ رفیق احمد بھی سُن لیتے ہیں۔اُن کو احساس ہوتا ہے انجانے میں وہ بھی فہمیدہ بیگم کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں وہ دِل ہی دِل میں فہمیدہ بیگم کو معاف کر دیتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ وہ بھی اُن سے معافی مانگ لیں گے۔لیکن کس معافی تلافی کے بغیر فہمیدہ بیگم ایک رات جو سوتی ہیں تو سوتی ہی رہ جاتی ہیں......وقار......کو جہاں آرا بیگم کاروبار کے لیے پیسا دیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ انہوں نے بیٹی کے لیے سُکھ خرید لیے،لیکن وقار کا شکی مزاج مریم کو ہر وقت ڈستا رہتا ہے اور مریم کے مزاج میں چڑچڑاپن آ جاتا ہے......اِدھر آفتاب نرگس کے لیے اپنے والدین سے بات کرتا ہے......اُس کے والد کہتے ہیں کہ انہوں نے اُس کے رشتے کے لیے اپنے دوست جنید سے اُن کی بیٹی حیا کے لیے بات کر رکھی ہے۔آفتاب یہ سن کر حیران رہ جاتا ہے......جہاں آرا بیگم کے ساتھ ساتھ مریم بھی فراز کے ساتھ زرقون کی شادی کے خلاف ہے کیوں کہ مریم کا خیال ہے اگر اس کی شادی عرفان سے ہو جاتی تو اُس کو دِن رات وقار کے طعنے تو سُننے کو نہ ملتے......زرقون کے لیے فراز کی محبت سے اُس کو حسد ہونے لگتی ہے۔جہاں آراء بیگم نے زرقون کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر رکھا ہے کیونکہ مریم نہیں چاہتی زرقون کی شادی فراز سے ہو۔زرقون اور فراز بدلتے حالات

کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ زرقون فراز سے کہتی ہے کہ وہ وعدہ کرے کہ وہ اُس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گا۔ تو وہ ساری زندگی اُس کا انتظار کرنے کے لیے تیار ہے۔ رفیق احمد، رقیہ بیگم سمیت فہمیدہ بیگم کے سارے خاندان کو اپنے گھر آنے سے منع کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ثمینہ اور عرفان پر کوئی پابندی نہیں وہ جب جس کے گھر جانا چاہیں جا سکتے ہیں، لیکن اُن کے گھر کوئی نہیں آئے گا۔ مرتضی اپنی ماں کے سمجھانے پر شیری سے ایک بار پھر سمجھوتے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ آفتاب حیا کو نرگس کے بارے میں بتاتا ہے وہ چاہتا ہے حیا اِس رشتے سے انکار کر دے۔ وہ حیا کو چائے پر لے کر جاتا ہے لیکن حیا کوئی جواب دیے بغیر اُٹھ کر چلی جاتی ہے۔ آفتاب پریشانی سے سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ ثمینہ کو فہمیدہ بیگم کے بعد بہو ہونے کے ناتے گھر کی ذمے داری سپرد کی جاتی ہے۔ لیکن وہ حد سے زیادہ لاپروائی اور بے حسی کا مظاہرہ کرتی ہے اور یوں اُس کا اور زرقون کا پہلا جھگڑا ہوتا ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

دل چاہتا ہے یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔ تم اِسی طرح زری میرے قریب بیٹھی رہو۔ تمہارے بالوں سے اُٹھتی، بکھرتی خوشبو سارے ماحول کے ساتھ ساتھ مجھ کو بھی مدہوش کرتی رہے۔ تمہاری انگلیوں کی خفیف سی کپکپاہٹ اور لرزتے ہاتھوں کو چھپانے کی کوشش مجھے گدگدا رہی ہے۔ آج تم میرے ساتھ ہو، میرے قریب ہو...... اِتنی قریب کہ تمہارا پرفیوم مجھے اپنے اندر مہکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ تمہاری چوڑیوں کی سرسراہٹ......

''صاب جی! پھول لے لو۔ دیکھو بیگم صاحبہ پر کیسے سجیں گے۔'' گاڑی کی کھڑکی میں منہ ڈالے اُس بچی کی آواز فراز کو حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

''سیٹھ دیکھ تو اللہ نے کیسی حسین دلہن دی ہے۔ کچھ اِدھر بھی نظر کرم کر دے۔ اللہ تیری جوڑی سلامت رکھے۔ تیرے آنگن میں پھول سے بچے کھیلیں۔ لوگوں کے ہاں سال میں ایک ہوتا ہے تیرے یہاں جڑواں بچے پیدا ہوں۔'' بچی کے ہاتھوں سے مہکتے موتیا کے پھولوں کے گجرے زرقون کی طرف بڑھاتے ہوئے دوسری کھڑکی میں منہ ڈالے اُس خواجہ سرا کی دعاؤں پر بے ساختہ فراز نے قہقہہ لگایا اور شرارتی نظروں سے شرم سے سرخ پڑتی۔ پیار بھری خفگی آنکھوں میں لیے گھورتی زرقون کو دیکھا۔

وہ دونوں مومنہ کی سُسرال جا رہے تھے۔ دولہا کا سامان لے کر لیکن اب حسن اسکوائر پر ٹریفک میں پھنسے ہوئے تھے۔

''چلیے! ٹریفک رواں دواں ہو گیا ہے۔'' زرقون نے فراز کی محبت کے لشکارے مارتی آنکھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا۔ اور وہ خواجہ سرا جو بہت ساری دعائیں دینے کے موڈ میں تھا۔ وہ سُرخ نوٹ مٹھی میں دبا کر تیزی سے چلتی گاڑیوں کے بیچ سے راستہ بناتا ہوا فٹ پاتھ کی طرف بڑھ گیا۔

''کیسا لگ رہا ہے زری۔'' فراز کی آواز دھیمی تھی۔

'بہت اچھا لگ رہا ہے فراز۔ آپ کی محبت میرا سرمایہ ہے۔ میری ساری زندگی کا اثاثہ آپ کی محبت ہے۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ صرف ہم دونوں ہیں۔ ایک دوسرے کے قریب۔ کاش یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔' زری کے دل نے دعا کی۔

''بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ جلدی کریں۔ ایک تو گھر میں ہی دیر ہو گئی تھی وہ تو بھابی ثمینہ نے آ کر جھنجوڑا، ورنہ ہم تو بھول ہی گئے تھے۔ اوپر سے ٹریفک جام، یا اللہ ہم تو ابھی تک دولہا والوں کے گھر نہیں پہنچے اور گھر والے سمجھ رہے ہوں گے بلکہ کہہ رہے ہوں گے کہ ہم جا کر ہی بیٹھ گئے۔'' زرقون نے حد درجہ لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے فراز سے کہا۔

''توبہ ہے زری! تم کس قدر خشک مزاج لڑکی ہو۔ تم پر اِس ماحول کا ذرا برابر اثر نہیں ہو رہا ہے۔ لاحول و

لاقوۃ۔" فراز نے جل کڑھتے ہوئے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ اور زری بے ساختہ مسکرا دی۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے؟ آپ جب سے اپنے بھائی کے گھر سے آئے ہیں حد درجہ خاموش ہیں سب خیریت تو ہے نا!" جہاں آرا بیگم نے خاموش آنکھوں پر کلائی رکھے لیٹے نفیس احمد کے پاس بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے اِس قدر خاموش کیوں ہیں؟" جہاں آرا بیگم نے فکرمندی سے نفیس احمد کا شانہ ہلایا۔ نفیس احمد نے آنکھوں کے اوپر سے کلائی ہٹائی، اُن کی آنکھوں میں فکر اور پریشانی تھی۔

"آج میں اپنے بھائی کے گھر گیا تھا۔" نفیس احمد نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے ایک عجیب سے لہجے میں جہاں آرا بیگم کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے کہا۔

"خیریت!" جہاں آرا بیگم کو اُن کا انداز غیر معمولی لگا۔

"رفیق احمد نے آج مجھ کو ٹیلیفون کر کے بلوایا تھا۔"

"خیریت! کل تو مومنہ کا نکاح ہوا ہے۔ آج ایسا کیا کام پڑ گیا کہ انہوں نے آپ کو بلوایا تھا۔" جہاں آرا بیگم واقعی حیران تھیں۔ کیونکہ رفیق احمد بہت رکھ رکھاؤ اور لحاظ والے آدمی تھے۔ وہ کبھی بڑے بھائی کو نہیں بلواتے تھے۔ کوئی بات ہو اچھی یا بری وہ ہمیشہ خود ہی آتے تھے لیکن آج...... آج ایسی کیا بات تھی۔ جہاں آرا بیگم درحقیقت حیران تھیں۔

"ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ مومنہ کی ذمہ داری اُس کے کندھوں سے اُتری۔ اِس دور میں جب بھائی بھائی کے کام نہیں آتا، میرے بھائی نے دوستی نبھائی۔ درحقیقت وہ ایک بہت اچھا انسان ہے۔ انسان اور آدمی میں بہت فرق ہوتا ہے۔" نفیس احمد بڑبڑائے۔

"آج اُس کی طبیعت کافی خراب تھی۔ بلڈ پریشر کافی ہائی تھا۔ آج اُس نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں۔" نفیس احمد نے گاؤ تکیے سے کمر کو ٹکایا اور نظریں چھت پر لگے جگمگاتے فانوس پر جما دیں۔

"کیا ہوا؟ کیا کہہ رہے تھے وہ؟" جہاں آرا بیگم نے میاں کو ٹٹولا۔

"میری طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ بھائی جان میں اللہ کے بعد آپ کا بہت احسان مند ہوں کہ آپ نے مومنہ کا رشتہ طے کرنے میں میری مدد کی۔ مومنہ کی ذمہ داری ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ لیکن میں چاہتا ہوں میں مومنہ اور زری کی رخصتی ساتھ کروں؟ عرفان کا رویہ آپ کے سامنے ہے۔ عرفان کی دلہن ایک چلتا پھرتا فتنہ ہیں۔ میں اُن سے بہت ڈرتا ہوں۔ میری بن ماں کی بچی کا وہ پیچھا پکڑے رہتی ہیں۔ میں بہت نظر انداز کرتا ہوں۔ زندگی شام کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ کب رات ہو جائے پتا نہیں۔ میں جانتا ہوں مریم کے معاملے میں ہمارے گھر سے ایک ناقابلِ تلافی فیصلہ ہوا ہے لیکن ایک اُس غلط فیصلے نے میرے گھر کو مکان بنا دیا ہے اور اب یہ مکان آہستہ آہستہ جہنم بنتا جا رہا ہے۔ میں دلہن اور اُن کے گھر والوں کے 'شر' سے ڈرنے لگا ہوں۔ اُس ایک غلطی نے میرے گھر کے در و دیوار ہلا دیے۔ فہمیدہ بیگم دل میں ڈھیروں افسوس اور شرمندگی لیے منوں مٹی تلے جا سوئیں۔ میری بچیاں بجھ کر رہ گئی ہیں۔ میں بہت ہمت کر کے کھڑا رہتا ہوں؟ لیکن کب تک؟ اب میری ہمت جواب دینے لگی ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔" وہ پھر سے گویا ہوئے۔

"میں جانتا ہوں مریم ہم سے خفا ہے، میں جانتا ہوں بھابی جان بہت ناراض ہیں۔ اِس معاملے میں کس کی

کتنی غلطی ہے۔ یہ بات صرف اللہ جانتا ہے۔ میری گواہی صرف اللہ دے گا۔ اللہ زمین پر نہیں اُترے گا لیکن وقت سب ظاہر کردے گا۔ لیکن اگر میں وقت کا انتظار کروں گا تو شاید ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہ رہے۔ میں اِس وقت ایک بھائی سے بات کررہا ہوں۔ اُس بھائی سے جو ہمیشہ میرے لیے باپ کی طرح ثابت ہوا ہے۔ اُس بھائی سے جو بیک وقت میرا بھائی بھی ہے، دوست بھی ہے اور باپ بھی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میرے دل کو کسی انہونی کا دھڑ کا لگا رہتا ہے۔ دل میں عجیب عجیب سے واہمے آتے ہیں۔ زری میں میری جان ہے۔ وہ میری اکلوتی، لاڈلی بیٹی ہے، جس کو زمانے کے سرد وگرم سے بچا کر میں نے اور اُس کی ماں نے بہت محبت سے پالا ہے۔ میری بچی اتنی نیک ہے کہ میں جانتا ہوں اُس سے کبھی کسی کو شکایت نہیں ہوسکتی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج سب کو سب سے زیادہ اُسی سے شکایتیں ہیں۔ وہ ماں کے مرنے سے سہم گئی ہے۔ جب بہت ساری ذمہ داریاں اُٹھائے، چہرے پر ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ سجائے میں اُس کو دیکھتا ہوں تو میرے دل پر گھونسہ سا لگتا ہے۔ میری بچی کب اتنی بڑی ہوگئی۔ میں سوچتا رہ جاتا ہوں۔

عرفان کی نالائقی اور اُس کی دلہن کی طرف سے مجھے کوئی اُمید نہیں ہے۔ میں زری کے مستقبل کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔'' رفیق احمد کو کہتے کہتے کھانسی کا شدید پھندا لگا۔

''ابا پانی۔'' زری تیزی سے کمرے میں پانی کا گلاس لے کر داخل ہوئی۔ نفیس احمد نے خاموشی سے بھتیجی کے ہاتھ سے گلاس لے کر اُمید اور نا اُمیدی کے درمیان ہچکولے کھاتے بھائی کے لبوں سے پانی کا گلاس لگایا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ بس ذرا پھندا لگ گیا تھا۔ جاؤ تم جا کر چائے وغیرہ کا انتظام کرو۔'' رفیق احمد نے فکر مندسی بیٹھی زری کو اُٹھانا چاہا۔

''ابا......'' زری کا لہجہ فکر مند تھا۔

''بیٹا میں ٹھیک ہوں۔ میں تمہارے تایا سے کوئی بات کررہا ہوں۔ جاؤ تم اپنا کام وام دیکھو۔'' رفیق احمد کا لہجہ قطعیت لیے ہوئے تھا۔ زری چند لمحے خاموش کھڑی رہی اور پھر دھیمے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''میں چاہتا ہوں بھائی جان اب آپ زرقون کو بیاہ کر لے جائیں۔ اگر بھابی جان کو اعتراض ہوگا تو میں اُن سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔ جس نے یہ غلط فیصلہ کیا تھا وہ بیچاری تو خود دل میں لاکھوں دُکھ اور افسوس لیے چلی گئی ہے اور جس کے لیے کیا تھا، وہ ساری زندگی اُس غلط فیصلے کو گلے میں ڈالے ڈھول کی طرح پیٹے گا۔

میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں ایک غلط فیصلے کی وجہ سے میری بچی پر ظلم نہ کریں۔'' رفیق احمد نے نفیس احمد کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بہت آس اور اُمید سے کہا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو تم رفیق احمد! زرقون تمہاری بیٹی بعد میں ہے یہ پہلے میری بیٹی ہے۔ تم صحیح کہہ رہے ہو مریم اور فراز کی اماں اِس رشتے پر راضی نہیں ہیں لیکن پھر بھی، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، میں زری کو بیاہ کر لے جاؤں گا۔ وہ میری بھی بیٹی ہے۔ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو۔'' نفیس احمد نے محبت سے بھائی کے ہاتھ تھام کر مستحکم لہجے میں کہا۔

''میں آپ کا بہت احسان مند ہوں گا۔'' رفیق احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھا!'' نفیس احمد کی ساری بات سُننے کے بعد جہاں آرا بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بس اب آپ زری کو بیاہنے کی تیاری کریں۔ میں نے رفیق احمد سے وعدہ کیا ہے۔'' نفیس احمد نے آہستگی سے کہا۔

''آپ نے وعدہ کیا ہے ٹھیک ہے لیکن وعدہ میں نے بھی کیا ہے۔ ایسا وعدہ جس پر میری بیٹی کی شادی شدہ زندگی کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔'' جہاں آرا بیگم نے تخت پر سے کھڑے ہوتے ہوئے عجیب چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب! کیسا وعدہ؟'' نفیس احمد کو اُن کا لہجہ عجیب سا لگا۔ تو انہوں نے گھبرا کر پوچھا تھا۔

☆......☆......☆

''Ok I Like This House. Ok (اوکے مجھے یہ گھر پسند ہے) لیکن......'' سُنبل نے گھر کے گیراج میں کھڑے ہو کر باہر پھیلی سبز گھاس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

سُنبل امریکہ آئی ہوئی تھی۔ پہلے تو اُس کا خیال تھا کہ وہ اور احمد لندن میں ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے لیں گے اور وہیں پر پریکٹس کریں گے۔ لیکن جب سے اُس نے امریکہ دیکھا اور امریکہ میں ڈاکٹرز کی چاندی دیکھی۔ وہ تو جیسے پاگل ہو گئی اور اُس نے ہر حال میں طے کر لیا کہ وہ امریکہ میں ہی رہے گی۔ برٹش پاسپورٹ ہونے کی وجہ سے اُس کا امریکا کا ملٹی پل ویزا لگ گیا تھا لیکن وہ امریکہ کی شہریت چاہتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اگر پانچ سو ہزار (ڈھائی ملین) امریکن ڈالرز اُس کے پاس ہوں تو اس کو امریکی شہریت مل سکتی ہے اور امریکن شہریت حاصل کرنے کے لیے وہ کسی کی بھی گردن پر پیر رکھ سکتی تھی۔ بقول اُس کے کہ جب لوگ خود اس کے پیروں تلے اپنا سب کچھ رکھ دیتے ہیں تو اُس کو اٹھانے میں کیوں اعتراض ہو۔ بعد میں کوئی کچھ بھی کہتا رہے۔ کوئی کچھ بھی کرتا رہے، یہ اُس کا مسئلہ نہیں ہے۔ نہ وہ جاننا چاہتی تھی اور نہ ہی جانتی تھی۔ اِس وقت بھی وہ امریکہ کی ریاست ''Utha کے شہر Falt Lake City میں کھڑی تھی جہاں ایک رئیل اسٹیٹ کا نمائندہ اُس کو گھر دکھا رہا تھا۔ خوبصورت کشادہ چار بیڈ روم، خوبصورت بیک یارڈ اور فرنٹ لائن۔

بہترین، سحر زدہ، خوابوں جیسے، باتھ روم، نفیس ترین کچن، بیڈ روم میں بہت خوبصورت گلاس وال، لیونگ روم میں جلتا، خوبصورت آتشدان......

یہ اُس کے خوابوں کا گھر تھا۔ جس کو دیکھنے کا بھی کبھی اُس نے تصور نہیں کیا تھا۔ لیکن آج وہ خریدنے جا رہی تھی۔ آتشدان میں جلتی آگ نے کتنے گھر جلائے، اُس کو پروا نہیں تھی۔ آتشدان کے قریب رکھے نرم اور دبیز کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے اُس نے سوچا بھی نہیں۔

تین سو ہزار ڈالرز...... تقریباً پاکستانی ڈیڑھ کروڑ...... اُس نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ اُس نے اور احمد جمال نے اپارٹمنٹ کی مد میں ایک سو ہزار ڈالرز کی رقم رکھی تھی لیکن بھلا ہوا سنبل کے خوابوں کا کہ اُس کو اپارٹمنٹ کی جگہ یہ چار کمروں پر مشتمل گھر پسند آ گیا اور پسند آ گیا تو بس پسند آ گیا'

دو سو ہزار ڈالرز Oh! My God۔ ڈارلنگ یہ ہم کہاں سے لائیں گے۔'' احمد جمال نے فون پر اُس کی ساری بات سنتے ہوئے کہا۔ ''ابھی گاڑیاں بھی تو لینی ہوں گی۔'' احمد نے اُس کو سمجھایا۔

''لیکن احمد! پلیز مجھ کو مت روکو احمد۔ میں اِس جگہ تک بہت مشکل سے اور بہت مصیبتوں کے بعد پہنچی

ہوں۔ اگر میں نے برف سے ڈھکا یہ گھر نہیں خریدا تو مجھے ساری زندگی ملال رہے گا۔ سوچو کتنا اچھا لگے گا جب برف سے ہمارا گھر ڈھک جایا کرے گا تو آتشدان کے قریب بیٹھ کر ہم دونوں کافی کا کپ ہاتھ میں پکڑ کر باتیں کریں گے۔ نمکین پستے کھائیں گے۔ کوئی خوبصورت سی رومانٹک مووی دیکھیں گے۔ میں سردی سے کپکپاؤں گی تو تم...... گرم شال میرے کندھوں پر پھیلا دو گے۔ نرم آرام دہ بستر پر لیٹ کر ہم ساری زندگی کی تھکن بھول جائیں گے اتنی آرام دہ زندگی۔

اِتنا رومانٹک ماحول، آتشدان میں بھڑکتی آگ، سُلگتے کوئلے، ہلکی آواز میں بجتا میوزک، ہاتھ میں کافی کا کپ، اور ہم دونوں، احمد پلیز! میرے خواب، صرف پیسوں کی وجہ سے مت توڑو پلیز احمد۔''

''وہ تو ٹھیک ہے میری جان! ہم کوئی خاندانی رئیس تو نہیں ہیں نا! ہم نے یہ پیسے کس طرح جمع کیے ہیں مجھ سے زیادہ تم جانتی ہو۔ لیکن سوچو دو سو ہزار ڈالرز اب ہم کہاں سے لائیں گے۔ تم یہ بھی تو سوچو۔'' احمد کی آواز ماؤتھ پیس میں سے اُبھری۔

''کہاں سے لائیں گے۔'' سُنبل کا لہجہ مایوس ہوا۔ اُس کی گرفت فون پر ڈھیلی پڑی۔

''ہاں! سوچو کہاں سے لائیں گے۔'' احمد نے لوہا گرم دیکھ کر ایک ضرب اور لگائی۔

''ٹھہرو! ہم اِن پیسوں کا بندوبست کر سکتے ہیں۔'' سُنبل کا لہجہ ایک دم پُرجوش ہوا۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اُس نے پُرجوش آواز میں کہا۔

''کیسے؟'' احمد جمال حیران ہوا۔

''بس میں کرلوں گی۔'' سُنبل چہکی۔

''کس سے لوگی؟'' احمد کا لہجہ پُرتجسس تھا۔

''ہے ایک گدھا! بس اب زیادہ سوال مت کرو۔ تم فون بند کر کے جلد از جلد ہمارے خوابوں کے گھر میں آنے کا بندوبست کرو۔ مجھے پاکستان کال کرنی ہے۔'' سُنبل نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''لیکن!'' احمد پُرتجسس تھا۔

''باقی باتیں بعد میں، پہلے کام۔'' سُنبل نے جلدی سے کہہ کر فون بند کیا اور پاکستان کال ملانے لگی۔ وہ ایسی ہی تھی، جو سوچ لیتی کر گزرتی۔ اور وہ جس کو کال ملا رہی تھی، اُس کو یقین تھا۔ یہ گھر وہ خرید ہی لے گی۔

دوسری طرف پہلی ہی بیل پر فون اٹھالیا گیا تھا۔ لگتا تھا، دوسری طرف بھی اُس کی کال کا بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا۔

''ہیلو ڈاکٹر صاحبہ!'' دوسری طرف سے کسی مرد نے شائستہ لہجے میں کہا۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں آپ؟'' اُس نے شائستہ لہجے میں پُرسکون انداز میں پوچھا۔

☆......☆......☆
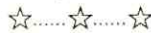
کس قدر صفائی سے رقیہ نے منع کر دیا۔
کس قدر دوٹوک لہجہ تھا۔

میں بھیک تو نہیں مانگ رہی تھی، اُدھا ہی تو مانگا تھا۔ ساری زندگی میں اِس غلط فہمی کا شکار رہی کہ رقیہ میری

سہیلی ہے۔ ہمیشہ اُس کے لیے میرے دل میں ایک نرم گوشہ رہا اور رقیہ......

بنّو خالہ کا بیٹا پاکستان آ چکا تھا۔ اِس وقت وہ سو رہا تھا۔ اُس کی طبیعت کافی خراب تھی۔ ڈاکٹرز نے آپریشن کا فیصلہ کیا تھا جس کے لیے کم از کم 10 سے 12 لاکھ روپوں کی ضرورت تھی جو کم از کم بنّو خالہ کے لیے ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اُن کو اُمید تھی کہ رقیہ بیگم خود یا کسی سے بندوبست کر کے اُن کو اِس رقم کا بندوبست کروا دیں گی لیکن رقیہ بیگم کسی کو اپنا بخار نہ دیں نہ کہ اتنی بڑی رقم...... سو انہوں نے ماتھے پر آنکھیں رکھ کر صاف انکار کر دیا اور اِس وقت بیمار بیٹے کے سرہانے اپنے خالی ہاتھوں کو تکتے ہوئے دلگرفتہ سی بیٹھی تھیں۔

''اماں!'' نعیم نے ذرا سی آنکھ کھول کر پریشان بیٹھی ماں کو پکارا۔

''ہاں میرے لعل۔'' خالہ بنّو بیٹے کی طرف لپکیں۔

''اماں سانس لینے میں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ کب ہوگا آپریشن۔'' نعیم نے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

نعیم کے دل کا والو خراب تھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ جگر میں بھی پرابلم تھی۔ ڈاکٹرز اُس کی صحت کی طرف سے پُراُمید تھے گرچہ وقت پر آپریشن ہو جائے۔ لیکن خالہ بنّو دس لاکھ کے انتظام میں ہنوز ناکام ہو گئی تھیں۔ اُن کی سسرال والوں نے دو لاکھ روپوں سے اُن کی مدد کی تھی اور تقریباً ڈھائی لاکھ روپے اُن کی سیونگ تھی لیکن بقایا ساڑھے پانچ لاکھ......

وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں اور نعیم کی تکلیف...... اُن سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''بیٹا میں ڈاکٹر سے بات کر کے آتی ہوں۔'' وہ آنکھوں میں اُمڈ آئے آنسوؤں کو بیٹے سے چھپانے کے لیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''خالہ بنّو......'' خالہ بنّو جو سر جھکائے کوریڈور میں بچھی کُرسی پر بیٹھی تھیں نے چونک کر دیکھا اور اُن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''تم۔''

☆......☆......☆

''بیٹا تمہارے ذمے کیا کم کام ہیں جو تم نے یہ سلسلہ بھی شروع کر دیا۔'' رفیق احمد نے صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی زرقون کو بہت سارے بچوں کو پڑھاتے دیکھ کر دل گرفتگی سے کہا۔

''ارے ابا! اِس ٹائم تو میں بالکل فالتو رہتی ہوں۔ سارے کام تو مومی کرتی رہتی ہے تو میں نے سوچا خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ مجھے کچھ مصروف رہنا چاہیے اور ویسے بھی مجھے قوم کے نونہالوں کا مستقبل عزیز ہے۔ سو میں نے اِن کو پڑھانا شروع کر دیا۔'' زرقون نے ایک بچے کی کاپی چیک کرتے کرتے شگفتہ سے لہجے میں کہا۔

''تو کون سا مفت میں پڑھا رہی ہو۔ اچھے خاصے پیسے بنا رہی ہو۔'' ثمینہ جو الگنی پر سے کپڑے اُتار رہی تھی نے چمک کر کہا۔

''رفیق احمد نے غصے سے زبان دراز بہو کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئے اور زری جو باپ کے چہرے پر تکلیف دیکھ چکی تھی، خاموش کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''ہونہہ...... پیسے آ رہے ہیں؟'' رفیق احمد نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے عجیب سے لہجے میں اپنے آپ سے

بُرجوں کے نام (Zodiac Signs)

آپ اکثر سوچتے ہوں گے کہ انسانی بُرجوں (ستاروں) (Signs Zodiac) کے نام حوت، حمل، اسد، جدی وغیرہ ہی کیوں رکھے گئے۔ ان کے کوئی اور نام کیوں نہیں رکھے گئے؟ دراصل یہ نام قدیم یونانیوں کی اختراع ہیں۔ یونانی سورج کو دیوتا مانتے جب کہ دوسرے ستاروں کو چھوٹے دیوتا قرار دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ دیوتا بادشاہوں کی شکل میں زمین پر آتے اور زندگی گزار کر دوبارہ آسمان پر چلے جاتے ہیں اگر بادشاہ اچھے ہوتے ہیں تو آسمان پر ستارے بن کر چمکتے ہیں ورنہ دوسرے ستاروں میں گم ہوجاتے ہیں۔ یونانیوں کے مطابق یہ ستارے آسمان پر مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ کوئی ترازو کی شکل میں نظر آتے ہیں تو کوئی کیکڑے کی شکل میں یہ ساری باتیں محض یونانیوں کے وہم پہ مبنی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی کسی قسم کی طاقت پہ یقین رکھنا ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے جن کی حقیقت سے تعلق نہیں۔ آسمان پر مختلف مہینوں کے دوران ستارے جو مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں ان مہینوں کو ان ستاروں کی شکل کے مطابق نام دے دیے گئے ہیں۔

پوچھا۔

''بھائی میرے سمسٹر کی فیس دینی ہے۔'' زری نے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جاتے عرفان سے کہا۔

''فیس۔'' عرفان رُکا لیکن مڑا نہیں۔

''جی بھائی پرسوں لاسٹ ڈیٹ ہے۔'' زری کا لہجہ دھیما تھا۔

''تم کتنا پڑھوگی زری! بس گھر بیٹھو۔ یہاں اپنا پورا نہیں پڑ رہا اوپر سے تم ہو۔'' عرفان کا لہجہ عجیب تھا۔

''بھائی!'' زری کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''بھائی میرا فائنل سمسٹر ہے۔ پھر میرا M.S.C مکمل ہوجائے گا۔ بس یہ فیس اور دیدیں۔'' زری کو اپنا وجود ریزہ ریزہ ہوتا محسوس ہوا۔ ہوتا ہے نا۔ کبھی اپنوں سے اپنا حق بھی بھیک کی طرح مانگنا پڑتا ہے۔ ایسی ہی ذلت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ جو ایک بھکاری کو چوراہے پر کھڑے ہوکر اٹھانی پڑتی ہے۔

''دیکھو زرقون میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ ایک ایک پائی میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ ابا کی دوائیاں، عبداللہ کا علاج، گھر کا خرچہ، اِن اخراجات نے میری کمر توڑ دی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں اب تمہاری یا مومنہ کی کوئی فیس وغیرہ نہیں بھر سکتا۔ بہتر ہے پڑھائی وغیرہ چھوڑ کر گھر داری میں دلچسپی لو۔ ویسے بھی ثمینہ سارا دن کام کر کے تھک جاتی ہے۔ تم یونیورسٹی کا بہانہ بنا کر گھر سے نکل جاتی ہو اور مومنہ...... وہ دس دس منٹ کے کام کو دو دو گھنٹے میں مکمل کرتی ہے۔ ثمینہ بہت تھک جاتی ہے۔ اور پھر بھی تم لوگ اُس سے خوش نہیں ہوتے۔'' عرفان بات کو نہ جانے کہاں لے گیا۔ کون سا فرسٹریشن تھا جو وہ زرقون پر نکال رہا تھا۔ زرقون صحن میں ساکت

کھڑی تھی اور اپنے بستر پر لیٹے رفیق احمد فکر مند......

''میری بچی ٹیوشنز نہیں پڑھائے گی تو کیا کرے گی۔'' رفیق احمد جو عرفان اور زرقون کے درمیان ہونے والی گفتگو کے خاموش گواہ تھے، اپنے آپ سے بولے۔

'یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ کاروبار میں ایسا کون سا گھاٹا ہوا ہے۔ ایسا کیا نقصان ہو گیا کہ معمولی اخراجات پورے ہونے مشکل ہو رہے ہیں۔ مجھے عرفان سے بات کرنا ہو گی۔ اللہ کرے بھائی جان جلد از جلد زرقون کو بیاہ کر لے جائیں تا کہ میری بچی سکون کا سانس لے۔

جس گھر میں ماں نہ ہو۔ باپ بیمار ہو اور بھائی بیوی کا غلام ہو۔ وہاں بسنے والی کنواری بیٹیوں کی زندگی رُل جاتی ہے۔ یا اللہ جو مجھے نظر آ رہا ہے۔ یا اللہ وہ صرف دھوکا ہو۔ میرے واہمے کبھی سچ نہ ہوں۔

میرے مالک! میں تیرا ایک گناہ گار بندہ ہوں لیکن اگر میں نے کوئی نیکی کی ہے جو تیرے دربار میں قبول ہوئی ہو، تو میرے مالک اُس نیکی کا اجر میری بچیوں کو دینا۔ اُن کو زندگی میں کوئی تکلیف نہ دینا۔ اُن کو زندگی کی ہر خوشی اور مسرت دینا۔ میرے مالک میری دعا سن لے۔

رفیق احمد سجدے میں گرے اپنے مالک سے راز و نیاز میں مصروف تھے اور آنسو اُن کی آنکھوں سے تیزی سے نکل کر اُن کی داڑھی میں چھپ رہے تھے۔

ایک باپ اپنی بیٹیوں کے لیے دعا کر رہا تھا، رو رہا تھا، پریشان تھا۔ فکر مند تھا اور آسمان پر بیٹھا کاتبِ تقدیر......!

☆......☆......☆

''میں نے جب مریم کا رشتہ طے کیا تھا تو مریم کی ساس نے یہ شرط رکھی تھی کہ تمہاری شادی اُن کی بیٹی کے ساتھ کی جائے اور وہ شرط میں نے مان لی تھی۔ کیونکہ اپنی بیٹی کی خوشیوں اور زندگی سے زیادہ مجھے کچھ عزیز نہیں تھا اور نہ رہے۔ لہٰذا کان کھول کر سُن لو فراز! زرقون کا خیال تم بھی اور تمہارے ابا بھی اپنے دل سے نکال دیں۔ تمہاری شادی مریم کی نند سے ہو گی اور بس۔'' جہاں آرا بیگم نے کمپیوٹر پر بیٹھے Face book کھولے زری کی پکچرز کو Zoom کر کے دیکھتے فراز سے کہا۔ فراز جو زری کی تصویروں کو دیکھنے میں مگن تھا۔ اُن کو اپنے پیچھے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور جہاں آرا بیگم جو رسان سے فراز سے بات کرنے آئی تھیں، فراز کی محویت کو دیکھ کر کھول کر رہ گئیں۔ ایک لمحے کے لیے اُن کے دل میں فراز کے لیے ہمدردی جاگی لیکن دوسری طرف تلوار کی دھار پر رکھے مریم کے مستقبل نے اُن کو حقیقت کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔

''کیا کہہ رہی ہیں امی آپ؟ آپ کیسے ایسی بات کر سکتی ہیں۔ آپ جانتی ہیں زرقون میری بچپن کی منگیتر ہے۔'' فراز کا لہجہ خود بخود تیز ہو گیا۔

''بچپن کی منگیتر تو میں بھی تھی۔'' مریم کب کمرے میں داخل ہوئی، فراز نہیں دیکھ سکا۔ ویسے بھی جہاں آرا کی باتوں نے اُن کے چاروں طرف ایک اندھیرا سا کر دیا تھا، ایسا اندھیرا جس میں روشنی کی کوئی کرن نہیں تھی۔ ایسا اندھیرا جس میں سانس لینا مشکل تھا۔

''آپ کی بات دوسری تھی۔'' فراز نے ہاتھ اُٹھا کر مریم سے کہا۔

''کیوں میری بات کیوں دوسری تھی۔ میری تو باقاعدہ منگنی ہوئی تھی اور تم......تم کو تو زری نے پھنسا رکھا

ہے۔'' مریم کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''مریم آپا۔'' فراز حلق کے بل چیخا۔

''دیکھ رہی ہیں امی۔ ابھی وہ جادوگرنی ہمارے گھر نہیں آئی ہے تو اِس کا یہ حال ہے۔ صحیح کہہ رہی تھیں عرفان کی ساس۔'' مریم نے ماں کا بازو ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... اچھا! وہ جواُن خاتون کا ہر دوسرے دن یہاں کا چکر لگ رہا تھا تو وہ یہ زہر گھول رہی تھیں لیکن امی میں اِس بات پر حیران ہوں، کوئی کچھ بھی کہے آپ سے زیادہ زری کو کون جانتا ہوگا۔'' فراز نے عجیب تاسف اور دکھ سے غصے میں بل کھاتی، منہ سے زہر اُگلتی بہن کو دیکھتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''تم خاموش رہو مریم! جب میں نے تم کو منع کیا تھا کہ تم مت بولنا، میں خود بات کروں گی تو تم کیوں بول رہی ہو۔'' جہاں آرا بیگم نے مریم کو ڈانٹا۔

''دیکھو فراز! یہ مسئلہ چیخ و پکار، لڑائی جھگڑے سے حل نہیں ہوگا۔ ایک بات تم غور سے سُن لو۔ غور سے بھی سُنو اور ٹھنڈے دل و دماغ سے بھی...... تم لاکھ چیخو، چلاؤ۔ تمہاری شادی مریم کی نند سے ہوگی۔ تم خود سوچو مریم عرفان کی بچپن کی منگیتر تھی۔ مریم کا کبھی کوئی رشتہ نہیں آیا کیونکہ سارا خاندان جانتا تھا کہ مریم عرفان سے منسوب ہے۔ اور پھر شادی سے چند ماہ یا شاید چند ہفتے پہلے عرفان نے ڈنکے کی چوٹ پر منگنی توڑ دی۔ چلو میں یہ بات بھی مان لیتی ہوں کہ تمہارے چچا کی مرضی نہیں تھی لیکن تمہاری چچی تو بہت چاؤ اور محبت سے اپنی بھتیجی کو بیاہ کر لائی تھیں۔ جس دن میری بچی کی جگہ اُن کے گھر میں کوئی اور لڑکی دلہن بن کر آئی اُس دن تمہاری بہن...... فراز تمہاری اکلوتی بہن اسپتال کے بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ تم شاید یہ سب باتیں بھول سکتے ہو لیکن میں نہیں' میری بچی نہیں، میں نے لوگوں کے سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ مریم نے طنز سُنے ہیں، طنز سہے ہیں۔ لوگوں نے ہمدردی کی آڑ میں تمہاری بہن کے کردار پر اُنگلیاں اُٹھائی ہیں۔ یہ سب باتیں میں نے سہی ہیں۔

میں ایک ماں ہوں اور مریم میری اکلوتی بیٹی ہے۔ آج اُس کی ساس نے یہ کہہ کر اُس کو بھیجا ہے کہ اپنی ماں سے کہو کہ اپنا وعدہ پورا کریں۔ ورنہ تم بھی وہیں رُک جانا۔ وقار نے بھی یہی کہا ہے اور میں اپنی بیٹی کو اُجڑتا نہیں دیکھ سکتی۔ اور اپنی بیٹی کے لیے اگر مجھے کسی کی سو بیٹیوں کو بھی روندنا پڑا تو میں پروا نہیں کروں گی۔

تمہارے ابا سے میں نے بات کرلی ہے اور وہ بھی خاموش ہیں کہ اب اِس معاملے کو اِسی طرح طے کرنا ہے تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے اِس بات کی قطعی پروا نہیں ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں، میں کیا کرنے جارہی ہوں، میں صرف یہ جانتی ہوں اور میں صرف تم کو یہ بتا رہی ہوں۔ میں نہ تم سے رائے مانگ رہی ہوں اور نہ ہی تمہارے مشورے کی مجھے ضرورت ہے۔''

جہاں آرا بیگم کا لہجہ چٹانوں کی طرح سخت تھا اور فراز...... فراز کو لگ رہا تھا کہ اُس کے وجود کے پرخچے اُڑ گئے ہیں۔ ساتوں آسمان دھڑ دھڑ اُس کے اوپر آ گرے ہیں۔ اُس کو سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔

''امی! لیکن......'' فراز کو اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

''لیکن کہنے سے پہلے بہت کچھ سوچ لینا۔'' جہاں آرا بیگم نے کُھردرے لہجے میں کہا اور مریم کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اور فراز کرسی پر سر تھامے بیٹھا بند دروازے کو غیر حاضر دماغی حالت میں گھور رہا تھا اور

پیچھے کمپیوٹر پر سُرخ آڑا پاجامہ کرتے میں مجی بی رزنون کی بڑی سی تصویر ہنس رہی تھی...... یا پھر......

☆......☆......☆

''تو پھر......'' رفیق احمد نے عرفان کی ساری بات سُننے کے بعد کہا۔

''ابا تو پھر کیا۔'' ''بس میں انتظار کر رہا ہوں۔ ہمیشہ منافع میری اُمید اور توقع سے زیادہ آیا ہے۔ اس دفعہ بھی آئے گا بس ذرا میرا رابطہ نہیں ہو پا رہا۔'' عرفان نے رفیق احمد کو یا پھر شاید اپنے آپ کو تسلی دی۔

''تو کیا سب ہی لگا دیا تم نے۔''

''جی ابا!'' اِس دفعہ رفیق احمد کو عرفان کی آواز گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

''سب ہی......'' رفیق احمد جیسے اپنی جگہ پر اُچھل کر رہ گئے۔

''تم نے سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں کیوں رکھ دیے۔ سمجھدار لوگ کہتے ہیں، کہ سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ مختلف جگہوں پر رکھنے چاہئیں، جو اگر نقصان ہو تو سارا اکٹھا نہ ہو۔ کچھ اِدھر اُدھر رکھا ہوا بچ جائے۔ تم کم از کم مجھ سے مشورہ تو کرتے۔ میری آنکھیں کمزور ہوئی ہیں، میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا نا۔ تم نے اِتنا بڑا اقدم بغیر کسی سے مشورہ کیے کیسے اٹھالیا۔'' رفیق احمد نے لہجے کو حد درجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ وہ باپ تھے۔ وہ عرفان کے چہرے پر پھیلی پریشانی اور فکر پڑھ رہے تھے۔

'کیا ہوگا؟ کچھ ہوگیا تو؟' یہ سوال عرفان کے ماتھے پر لکھے صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

''ابا زندگی ایک ہی دائرے میں گھومتے ہوئے نہیں گزاری جاسکتی۔ پہلے جو آسائشات تھیں اب ضروریات بن گئی ہیں۔''

اگر آپ کا گھر اچھا نہیں ہے۔ آپ کی گاڑی نئی نہیں ہے۔ آپ برانڈ ڈ شوز اور پرفیوم استعمال نہیں کرتے۔ بڑے ہوٹلز میں آپ کی ممبر شپ نہیں ہے۔ آپ کے والٹ میں چار پانچ مختلف بینکوں کے ATM اور کریڈٹ کارڈ نہیں ہے۔ تو کوئی آپ کو منہ بھی نہیں لگائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے یہ رسک لیا ہے اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں نے پوچھا، تو آپ منع کر دیں گے۔ ایک مخصوص دائرے سے نکلنے کا یہ ایک بہترین موقع تھا اور میں اِس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور......''

''تو اٹھالیا فائدہ......'' رفیق احمد نے عرفان کی بات بیچ میں سے کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ابا میں نے آپ کو بتایا نا، ہمیشہ بہت اچھا، میری اُمید اور توقع سے زیادہ اچھا رسپانس ملا ہے۔ لیکن اِس دفعہ......'' عرفان کہتے کہتے رُکا۔

''اِس دفعہ کیا؟''

''اِس دفعہ ڈاکٹر صاحبہ کو خلافِ توقع کافی دیر ہوگئی ہے۔ اور تقریباً نوے فیصد دکان کا مال میں نے انہیں دیا ہے۔''

عرفان بہت پریشان تھا۔ وہ چاہ رہا تھا۔ رفیق احمد کے سامنے اطمینان سے بات کرے لیکن وہ باپ تھے اور باپ بھی نبض شناس، وہ عرفان کی پریشانی کو سمجھ رہے تھے وہ جانتے تھے اُن کا بیٹا لالچ میں آکر وہ غلطی کر چکا ہے جو اُس کو فٹ پاتھ پر کھڑا کرسکتی ہے۔ اُن کی جہاں دیدہ نظریں سب دیکھ رہی تھیں۔ اُن کا تجربہ اُن کو دہلا رہا تھا اور عرفان کی حالت پر اُن کا دل بھی کُڑھ رہا تھا۔

وہ بہت پریشان ہو رہے تھے۔ وہ تو زندگی بھر کی کمائی بیٹے کے ہاتھ میں دے کر گھر بیٹھے تھے۔ اُن کو کیا اندازہ تھا ہر دن ایک نئی آزمائش لیے طلوع ہو رہا ہے۔

''خیر! کاروبار میں نفع اور نقصان کے فیصلے تو ہوتے رہتے ہیں۔ یہی زندگی ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' انہوں نے بیٹے کو تسلی دی۔

''ابا میں بہت پریشان ہوں۔ میرے پاس اِس وقت کوئی کام نہیں ہے۔ میں سونا بیچ بیچ کر گھر کا خرچہ اُٹھا رہا ہوں۔ ابا میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں؟'' عرفان جو اِس بات سے ڈر رہا تھا کہ رفیق احمد کو اگر پتا چل گیا تو شاید وہ زمین آسمان ایک کر دیں گے۔ نہ جانے حالات کس طرف چلے جائیں گے۔ لیکن باپ کی ہمدردی اور تحمل نے اُس کو حوصلہ دیا۔ تو اُس نے اپنی پریشانی کا ایک در اور کھولا۔

''تم فکر مت کرو۔ اللہ سب بہتر کرنے والا ہے۔ اللہ اپنے بندے پر اُس کی ہمت سے زیادہ پریشانی نہیں ڈالتا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

گو کہ رفیق احمد خود حد سے زیادہ پریشان ہو گئے تھے لیکن وہ جانتے تھے اِس وقت عرفان کو ایک ہمدرد کندھے کی ضرورت ہے۔ عرفان کی غلطی، عرفان کا لالچ، اُن سب کو زمین پر پٹخ سکتا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ وہ بہت خوفزدہ تھے۔ اور عرفان......

☆......☆......☆

''ماشاء اللہ!'' اسد علی خان جو اپنے بیٹے اور بیوی کے اصرار پر بہت خراب موڈ کے ساتھ نرگس کو دیکھنے آئے تھے۔

سفید کاٹن کی شلوار پر ہلکے گلابی رنگ کے دھاگوں کی کڑھائی ہلکے گلابی رنگ کے چکن کی قمیض اور دوپٹا، گھٹنوں کو چھوتے لمبے سیاہ سلکی بال، قمیض اور دوپٹے سے میچ کرتا رنگ و روپ، خوبصورت سیاہ آنکھوں میں سجا گہرا کاجل، گلابی...... شیشے کی طرح چمکتی، کلائیوں میں سجی سفید اور گلابی چند کانچ کی چوڑیاں، میک اپ سے بے نیاز چہرے پر سجی مسکراہٹ۔ ٹھوڑی پر سجا، سیاہ حسن کا نگہبان وہ تل۔

آفتاب جو اُن کو یہ کہہ کر لایا تھا کہ آپ ایک دفعہ نرگس سے مل لیں۔ اگر وہ آپ کو پسند نہ آئی تو میں ضد نہیں کروں گا لیکن بغیر دیکھے، اُس کو ریجیکٹ نہیں کریں۔''

اسد علی خان جو بہت زیادہ اسٹیٹس کونشس تھے۔ آج بیٹے کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر، اپنے ہی ملازم کے چھوٹے سے فلیٹ میں بیٹھے تھے۔

اسد علی خان ایک جہاں دیدہ آدمی تھے۔ انہوں نے نرگس کے خوبصورت چہرے کے پیچھے چھپی ایک اچھی لڑکی، ایک اچھی بیوی اور ایک اچھی بہو دیکھ لی تھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک حُسن پرست آدمی تھے۔ اور ایسا معصوم اور شفاف حسن...... اُن کو اپنے بیٹے کے ذوق کی داد دینی پڑی۔

'آفتاب اُن کا بیٹا ہے۔' اُن کا دل سوچ کر مسکرایا اور پھر جیسے ہی نرگس اُس چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اُن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

نرگس نے مسکرا کر اُن کو سلام کیا اور انہوں نے تیزی سے اپنے داہنے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی ڈائمنڈ کی انگوٹھی اُس کی انگلی میں پہنا دی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا! یہ مردانہ انگوٹھی ہے۔ لیکن یہ ٹوکن ہے تمہاری منگنی کا۔ میرا بیٹا باذوق ہے مجھے اندازہ نہیں تھا۔ لیکن بیٹا تم یہ بتاؤ، تم تو ہو ہی چاہے جانے کے قابل لیکن تم کو اس نالائق میں کیا نظر آیا۔'' اسد علی خان خوشگوار موڈ میں اپنے مزاج کے خلاف سر جھکائے بیٹھی شرماتی، لجاتی، مسکراتی نرگس سے سوال کررہے تھے۔

''محبت، محبت اور صرف محبت''
محبتوں میں سوال نہیں ہوتے
محبتوں میں کمال نہیں ہوتے
ہم اُن کو بے حد چاہتے ہیں
کیوں چاہتے ہیں
پوچھنے والے کمال کرتے ہیں
پوچھنے والے کیوں سوال کرتے ہیں

نرگس کے دل نے کہا اور لب خاموش رہے۔

زندگی اتنی حسین ہوگی، نرگس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ محبتوں میں لوگ کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ کہتے ہیں جدائی محبت کا مقدر ہے لیکن نرگس کی محبت...... نرگس کی محبت کس قدر آسانی سے اُس کی ہونے جارہی تھی۔ آفتاب سرشار تھا۔

چاند تو آسمان پر ہوتا ہے
تم میرے پاس کیسے......!

آفتاب نے نرگس کے حسین سراپے کو آنکھوں کے رستے دل میں اتارتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ منزل قریب تھی۔ وصال نزدیک تھا لیکن آفتاب کی بے قراری......

☆......☆......☆

سلوک اُس نے مجھ سے
کسی سگریٹ جیسا کیا
صرف تسکین کی خاطر اپنی
مجھ کو جلا دیا
بس طلب تھی اُس کو میری
کچھ وقت کے لیے
پہلے لگایا تھا ہونٹوں سے
پھر دھوئیں میں اُڑا دیا

''تو آپ مان گئے۔'' زرقون نے رُندھے ہوئے لہجے میں سر جھکائے بیٹھے فراز سے سوال کیا۔

''زری میں خوشی سے کیسے مان سکتا ہوں۔''

''تو زبردستی ہی سہی، مان تو گئے۔'' زرقون کا لہجہ رو رہا تھا۔ اور آنکھیں...... ہاں آنکھیں بھی۔ اور دل...... ہاں دل بھی......

''زری میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں؟ ایک طرف مریم آپا کی زندگی ہے اور دوسری طرف میری خوشی۔ ابا سے بات کی تو وہ کہنے لگے ظاہر ہے زرقون سے زیادہ مجھے کون عزیز ہوگا لیکن تمہاری اماں نے اسی شرط پر مریم کی شادی کی تھی۔ اِس بات کا اگر مجھے علم ہوتا تو شاید میں کبھی بھی مریم کی شادی نہیں کرتا۔ لیکن مریم اور مریم کا گھر مجھے کسی قسم کے انتہائی قدم، اٹھانے سے روک رہے ہیں۔ ابا تو بالکل نیوٹرل ہو گئے ہیں زری۔ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔'' فراز کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

زرقون کو صبح ہی ثمینہ نے عجیب ہنستے ہوئے لہجے میں بتایا تھا کہ عنقریب فراز کا پیغام مریم کی چھوٹی نند کے لیے جا رہا ہے۔''

زری سمجھی کہ ہمیشہ کی طرح یہ بھی ثمینہ کی کوئی گھٹیا چال ہے۔ کوئی زہریلا طنز ہے۔ کوئی گھناؤنا جھوٹ ہے۔ لیکن جب فراز سے اُس نے پوچھا تو اُس کی خاموشی...... وہ راز کھول گئی جو شاید ہزار لفظوں کی گفتگو بھی نہیں کھولتی۔

شک تو تھا محبت میں خسارے ہوں گے
یقین نہ تھا ، سارے ہی ہمارے ہوں گے

زرقون کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''پلیز زری! ایسی باتیں مت کرو۔ فراز نے اُس کی کلائی پر اپنی تین انگلیاں رکھنی چاہیں۔

''پلیز!'' زرقون نے جلدی سے اپنی کلائی پیچھے کی اور فراز خاموش، اُس کو تکتا رہ گیا۔

''ایسی باتیں نہ کروں تو کیا کروں؟'' زرقون کا لہجہ خشک تھا۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زری۔ کیا یہ بات مجھے روز کہنی پڑے گی۔ تم اِس طرح کیوں رو رہی ہو۔ زری میرے دل کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میرا دل بند ہو جائے گا۔'' فراز کا بس نہیں چل رہا تھا روتی ہوئی زرقون کو اپنے سینے میں سمو کر ساری دنیا سے چھپا کر کہیں چھپ جائے۔

جھوٹے وعدے ، جھوٹی قسمیں اور تیرا فریب
سیاست میں ہوتے تو کمال کرتے

زرقون سوچ کر رہ گئی۔

''فراز میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ مریم آپا کی زندگی داؤ پر لگا دیں، نہ ہی میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرے لیے تائی اماں کے سامنے جا کھڑے ہوں لیکن اُس محبت...... جو پتا نہیں محبت ہے بھی یا نہیں۔ یا ایک تعلق جو ہمارے درمیان ہے۔ اُس تعلق کے واسطے آپ کم از کم اپنی شادی کو اُس وقت تک تو ٹال سکتے ہیں نا جب تک مریم آپا کی نند کی شادی نہ ہو جائے۔ میں ساری زندگی آپ کا انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ کچھ تو کریں۔''

ہمارے بعد نہیں آئے گا تمہیں وفا کا ایسا مزہ
تم لوگوں سے کہتے پھرو گے مجھے چاہو اُسی کی طرح

زرقون کو برسوں پہلے پڑھا ایک شعر حسبِ حال لگا۔

''میں کیا کروں زری؟'' میرا دل و دماغ ہی قابو میں نہیں ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، میں نے تو کبھی

سوچا بھی نہیں تھا کہ ہماری محبت میں یہ نشیب و فراز آئیں گے اور پلیز تم سے میں بہت محبت کرتا ہوں یہ نہ کہو کہ ہمارے درمیان محبت نہیں بس ایک تعلق ہے۔ میرے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ تم کو کیا پتا آج کل میں کیا کیا فیس کر رہا ہوں۔ گھر جاتا ہوں تو امی ایک لفظ سُننے کو اور ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ابا الگ بے بس نظر آتے ہیں۔ سارے جہاں سے تھک ہار کر تمہارے پاس آتا ہوں تو تم یا تو روتی رہتی ہو یا پھر طنز کرتی ہو۔ بتاؤ میں کیا کروں؟ میں کہاں جاؤں؟ مجھے کوئی حل کیوں نہیں بتاتا؟'' فراز بولنے پر آیا تو بولتا چلا گیا۔

زرقون نے بہت تحمل سے فراز کی ساری بات سنیں۔ اُس نے اُس کا غبار باہر نکلنے دیا، پھر اُس نے تحمل اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ میں آپ پر طنز نہیں کرتی۔ میں تو شکوہ اور طنز اُن لوگوں سے بھی نہیں کرتی جن سے کرنا چاہیے تو آپ تو 'آپ' ہیں! ہاں میں آپ سے سوال کرتی ہوں۔ اُس محبت کی بنیاد پر جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں اور ایک بار میں پھر آپ سے کہوں گی پہلے آپ اپنی زندگی میں...... میرے مقام کا تعین کیجیے۔ آنکھیں بند کر کے یہ سوچیے کیا واقعی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ یا میں آپ کو اچھی لگتی ہوں۔ یا میں آپ کی دوست ہوں۔ یا پھر صرف ایک کزن، اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو کتنی! اتنی کہ میرے بغیر آپ زندہ نہیں رہ سکتے بقول آپ کے میں آپ کے لیے آکسیجن ہوں۔

یا اتنی محبت کرتے ہیں کہ میرے بغیر میرے علاوہ کسی کے بھی ساتھ رہ سکتے ہیں۔

کیا میں آپ کو اتنی اچھی لگتی ہوں کہ میرا جیسا آپ کو کوئی نہیں لگتا۔ یا صرف اتنی اچھی لگتی ہوں کہ ساری زندگی صرف ایک یاد بن کر آپ کے ساتھ رہوں تو فرق نہیں پڑتا۔''

''اِن سوالوں کے جواب بالکل سچائی سے، تنہائی میں...... خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے آپ سے کیجیے گا، ضرور کیجیے گا۔''

زرقون کے لہجے اور سوالوں نے فراز کو پتھر کا کر دیا اور وہ موم سی لڑکی، آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر بلا کا اعتماد لیے، سراپا سوال بنی اُس کے سامنے کھڑی رہی۔

☆......☆......☆

''شیری......'' مرتضٰی کی آواز نے امریکن بوائے فرینڈ جیکسن کی بانہوں میں جھولتی، نشے میں مدہوش، چکوزی میں مستیاں کرتی شبانہ عرف شیری کو بوکھلا دیا۔

''Whats A Wrong With Him?'' جیکسن نے اپنے جسم کے گرد ٹاول لپیٹتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔

بقائمی ہوش و حواس شبانہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں!

طلاق دیتا ہوں!

مرتضٰی گلا پھاڑ کر چیخ رہا تھا اور ٹاول میں لپٹی، نیم برہنہ شبانہ سوچ رہی تھی۔ آج کیا غلطی ہوئی کہ پکڑے گئے۔ یہ کھیل تو میں برسوں سے کھیل رہی تھی۔ جیکسن! ٹام! ایڈم! جان! ایکارڈو...... سب ہی کے ساتھ انجوائے

کیا لیکن آج......

شیری حیران تھی۔ اور مرتضٰی پاگل ہو رہا تھا۔ وہ جو محبت کی فصل لگانا چاہتا تھا۔ آج شاید ہمیشہ کے لیے محبت پر سے اعتبار ختم کر رہا تھا۔

Get Out From Here And I Kill You Bastered And You Too''
''Madam

(تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اور میڈم تم بھی) مرتضٰی نے باہر جاتے جیکسن کے پیچھے شیری کو دھکا دیا۔

شیری جا چکی تھی۔ مرتضٰی جانتا تھا کہ امریکن قانون کے مطابق طلاق دینا اتنا آسان نہیں ہوتا اور شیری تو اُس کی زندگی دشوار کر دے گی لیکن اُس کے باوجود وہ ہر حال میں، ہر قیمت پر شیری سے چھٹکارا پائے گا۔''

کاؤچ پر سر جھکائے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں اپنے بالوں کو بھینچے وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''گھر تو بس گھر ہوتا ہے نرگس، چاہے ایک چڑیا کا ہو یا میری امی کا۔ میں نے برسوں پہلے ایک چڑیا کا ننھا سا گھونسلہ یہ سوچ کر گرا دیا تھا کہ اُس کی وجہ سے میرے ابا کا کمرہ بُرا لگ رہا تھا۔ میرے نزدیک تو وہ گھاس اور تنکوں سے بنا صرف ایک گھونسلہ تھا لیکن اُس ننھی سی چڑیا کا تو ارمانوں سے سجا، بنا وہ ایک گھر تھا۔

میں نے اُس کا گھر اُجاڑا، ہمارا بھی گھر اُجڑ گیا۔ اب ہمارا گھر، گھر کہاں رہا ہے، مکان بن گیا ہے۔ صرف ایک مکان اور میرا دل تو بسنے سے پہلے ہی اُجڑ گیا۔

میں نے تو زندگی میں کبھی فراز کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچا تک نہیں ہے۔ تم سوچو، اُس چڑیا کی بد دعا نے میری زندگی اُجاڑ دی۔''

زرقون نرگس کے آگے بیٹھی اپنے دل میں چھبے اُس کانٹے کا ذکر کر رہی تھی۔ جو اکثر اُس جیسی نیک خصلت اور حساس لڑکی کو سونے نہیں دیتا تھا۔

''زری تم کب تک اِس واقعے کو یاد کر کر کے ملول ہوتی رہو گی۔ تم کتنی ہی دفعہ اللہ کے آگے گڑگڑا کر توبہ کر چکی ہو۔ اللہ تعالٰی معاف کرنے والا رحمٰن اور رحیم ہے۔'' نرگس نے روتی بلکتی زرقون کو تسلی دی۔

''لیکن نرگس اُس چڑیا کی بد دعا میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ تم خود سوچو، کبھی سوچا تھا کہ میرے اور فراز کے درمیان ایسے بڑے بڑے پہاڑ آ کھڑے ہوں گے۔ کبھی سوچا تھا نرگس۔''

''ارے تم بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ فراز بھائی سارے دریا عبور کر لیں گے۔ محبت کرنے والے ایک دن ضرور ملتے ہیں۔'' نرگس کا لہجہ محبت پر اعتماد لیے ہوئے تھا۔

''تم سچ کہتی ہو۔ تم یہ بات کہہ سکتی ہو کیونکہ تمہاری زندگی میں آفتاب بھائی جیسا مخلص اور سچا بندہ ہے۔ تم یقین کرو اب تو میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آیا فراز کو مجھ سے محبت ہے بھی یا نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں گھر میں گونجتے کسی ایسے جملے نے جو میری ذات سے وابستہ ہو اُن کو انجانے میں مجھ سے جوڑ دیا ہو۔'' زرقون کے لہجے میں شک تھا، بے یقینی تھی۔

''نہیں میری جان! ایسی بے یقینی اور مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسے ٹھیک ہو گا نرگس؟'' کہتے کہتے زرقون پھر سے رونے لگی۔ ''محبت کتنے دُکھ دیتی ہے، یہ کوئی مجھ سے

پوچھے۔'' زرقون نے کہا اور نرگس چپ سی رہ گئی کہ فراز اتنا مضبوط ثابت نہیں ہو رہا تھا جتنا نرگس سمجھتی تھی۔

☆......☆......☆

''یا اللہ! یا رحمٰن! یا کریم! میں نہیں جانتی میرے حق میں کیا بہتر ہے؟ لیکن میرے مالک تُو بہت رحم کرنے والا ہے۔ میں دُعا کا حق استعمال کرتے ہوئے تجھ سے فراز کو مانگتی ہوں۔ میں نے فراز سے بہت محبت کی ہے۔ میرے مالک! اگر تُو سمجھتا ہے فراز میرے، میرے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے۔ اگر تُو سمجھتا ہے کہ یہ رشتہ پھلے گا اور پھولے گا تو میرے مالک ہمارے راستے آسان کردے۔ میں سوچتی ہوں اور میں سمجھتی ہوں فراز میری زندگی کی خوشی ہیں لیکن یارب ذوالجلال تُو بہتر جانتا ہے۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ میں اپنی دل کی اِس خوشی کو، اِس اُمید کو، تیرے فیصلے پر چھوڑتی ہوں۔''

زرقون رات کے پچھلے پہر جب سارا گھر بہت گہری اور میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ سجدے میں گری زمین و آسمان کے قادرِ مطلق شہنشاہ سے راز و نیاز میں مصروف تھی۔ جائے نماز پر گرنے والے آنسو اِس بات کے گواہ تھے کہ سجدے میں بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُس نے اللہ سے کیا مانگا اور کیا کہا۔

''یا اللہ میری بہن جیسی دوست کے سارے غم ریت پر لکھ دے تاکہ ہوا ہی سے مٹ جائیں اور خوشیاں پتھر پر لکھ دے تاکہ ہوا تو کیا بارش بھی نہ مٹا سکے۔''

نرگس جس کو آج زرقون کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ زرقون اُس کی بہنوں جیسی سہیلی تھی۔ نرگس نے سچے دل سے اللہ سے دعا کی۔ زرقون کتنی اچھی تھی، کتنی مہربان، کتنی شاکر اور کتنی صابر، نرگس اچھی طرح جانتی تھی۔

وہ اللہ سے اُس کے لیے خوشیاں مانگ رہی تھی۔

کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے لیے دوسرے دعائیں کرتے ہیں۔ جن کے لیے اللہ کے پاس درخواستیں پہنچانے والے اللہ کے بہت سے بندے ہوں۔

☆......☆......☆

''سمجھ میں نہیں آتا میرے گھر کو کس کی نظر لگ گئی۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا، بظاہر سیدھی سادی سی یہ عورتیں اتنی بڑی سیاستدان اور پتھر دل ہوتی ہیں۔
اِن بچوں کی اماں (فہمیدہ بیگم) نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ گھروں میں کیسے شطرنج کی بساط بچھتی ہے۔ کیسی کیسی چالیں چلی جاتی ہیں۔ میں ہر بات سے بے خبر سب ٹھیک ہے کا راگ الاپتا رہا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ جنتی عورت اپنے دل پر کیا کیا سہہ رہی ہے۔
ثمینہ دلہن اور عرفان...... میں صرف بہو کو ہی برا کیوں سمجھوں میرا بیٹا...... میرا بیٹا اُس کو حق پر سمجھتا ہے، اُس کی جائز، اور ناجائز حمایت لیتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب دوست دشمن کا آشنا ہو جائے تو دوستی کے قابل نہیں رہتا۔ اور عرفان پر سے بھی میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔
عرفان نے کاروباری غلط فیصلے کیے ہیں خاموش ہوں اور خاموش رہوں گا کہ کاروبار میں صحیح اور غلط فیصلے ہو ہی جاتے ہیں۔ کبھی نفع ہوتا ہے اور کبھی نقصان۔ مجھے لگتا ہے کوئی بڑا نقصان، سامنے آنے والا ہے۔ روپے پیسے کا نقصان تو آدمی سہہ ہی لیتا ہے لیکن یہ جو میرے گھر میں دراڑ پڑی ہے، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔ گھر تو گھر خاندان میں بھی فاصلے پیدا ہو گئے ہیں۔
اللہ کرے بھائی جان، بھابی جان کو منانے میں کامیاب ہو جائیں اور ساتھ خیریت سے زری اپنے گھر کی ہو جائے۔ مجھے ثمینہ دلہن پر بالکل بھروسا نہیں ہے۔ مومنہ کا رشتہ طے ہو گیا، اللہ کی بڑی مہربانی! میرے کندھے ہلکے ہو گئے ہیں لیکن زری! میری نیک، فرماں بردار، خدمت گزار بیٹی! اللہ اُس کو بھی خیریت سے میری زندگی میں اُس کے گھر کا کر دے۔ امام صاحب نے کہا تھا میں بیٹی کی شادی کے لیے روز عشاء کی نماز کے بعد 300 مرتبہ ''یا عزیز'' پڑھوں، تو میں وہ بھی پڑھ رہا ہوں لیکن بھائی جان کی طرف سے کوئی خبر ہی نہیں آ رہی۔ اور جو میں خود گیا تو بھابی جان کا رویہ اتنا روکھا پھیکا تھا کہ دس منٹ بیٹھنا دوبھر ہو گیا اور میں اپنے سگے بھائی کے گھر سے غیروں کی طرح اُٹھ کر آ گیا۔
یا اللہ تُو دلوں کے حال جانتا ہے۔ تُو اپنے بندوں کو اُن کی اوقات سے زیادہ تو دیتا ہے لیکن اُن کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ میرے مالک ہم کسی تکلیف اور آزمائش کے لائق نہیں ہیں۔ ہم بے صبرے ہیں اور صبر کرنے والے نہیں ہیں۔ میرے مالک ہماری زندگی میں شکر کے مواقع فراہم کر، میری دونوں بچیوں کو ہر طرح کا سکھ اور آرام دے۔ میری زری کو زندگی کی ہر خوشی دے۔ اُس کو ساتھ عزت اور خیریت سے اُس کے گھر کا کر دے۔ میرے مالک، اُس کی زندگی میں بہت ساری خوشیاں لکھ دے۔ اُس کو وہ بھی دے جو اُس نے چاہا اور اُس کو وہ بھی دے جو اُس نے کبھی نہیں چاہا۔''
رفیق احمد رات کی تاریک تنہائی میں اپنے بستر پر لیٹے اللہ سے، اپنے خالقِ حقیقی سے دل کی باتیں کر رہے تھے۔ اور بے شک وہ اپنے بندوں کے دلوں سے بہت قریب ہے وہ اپنے بندوں کے دلوں میں جو ایک باریک سا خیال گزرتا ہے اُس سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حق میں بہترین فیصلے کرنے والا ہے اور پھر اُس نے فیصلہ کر دیا۔

☆......☆......☆

''زری کہتی ہے میں اُس سے محبت نہیں کرتا۔ وہ غلط کہتی ہے۔ میں اُس سے بہت محبت کرتا ہوں لیکن وہ یہ بھی تو کہہ رہی تھی محبت اور پسند میں فرق ہوتا ہے۔تم اپنے آپ سے پوچھو،محبت کرتے ہو یا پسند۔''اس کے اندر کسی نے کچھ یاد دلایا۔

''میں کیوں پوچھوں، میں کیوں پسند اور محبت، اچھا لگنے کے سوالوں کے درمیان رہوں۔نہیں زری غلط بات کررہی ہے۔''فراز نے اندر اٹھنے والے سوالوں کو رد کیا۔

''اچھا تو پھر دوسری جگہ رشتہ بھیجنے کے مطالبے پر خاموش کیوں ہوگئے۔''اُس کے ضمیر نے کچوکا لگایا۔

''خاموش ہوا ہوں، راضی تھوڑی ہوا ہوں۔'' فراز نے ضمیر کو جھڑکا۔ اور ویسے بھی میں کچھ بھی ہوجائے، شادی تو مقدر کا کھیل ہے لیکن میں اپنے مقدر سے بھی لڑسکتا ہوں اور زندگی میں صرف اور صرف زری سے محبت کروں گا۔''فراز نے جیسے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیں۔

''اچھا!!''اُس کا ضمیر قہقہہ مار کر ہنسا۔

''خوب راستے ڈھونڈ رہے ہو۔ چلو میرے کہنے سے ایک دفعہ اپنے آپ سے پوچھو تو سہی۔ زری سے محبت کرتے ہو یا وہ بچپن سے آس پاس گونجتی بازگشت کی وجہ سے تمھیں صرف اچھی لگتی ہے۔ یا پسند ہے۔ زندگی کے لیے لازمی ہے، آکسیجن ہے یا کاربن ڈائی آکسائیڈ کہ زندہ رہنے کے لیے اُس کو خارج کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چلو شاباش بتاؤ۔''

''محبت ہے یا پسند۔''اُس کا ضمیر اُس کو اُکسا رہا تھا۔ اُس پر ہنس رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ اور جو فراز نے سوچا۔ تو اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''Oh My God۔ یہ نہیں ہوسکتا۔''لیکن اُس کے اندر سے، اُس کے سینے میں دھڑکتے دل نے اُس کو وہی جواب دیا۔ جو سچ تھا۔ اور سچ کو جھٹلانا کم از کم ضمیر کی عدالت میں ناممکن ہوتا ہے۔ وہ سمجھ چکا تھا۔

☆......☆......☆

''دلہن اِدھر آؤ۔'' مریم جو کچن میں کھڑی روٹی پکا رہی تھی۔ ساس کی آواز پر ہاتھ دھو کر اُن کے کمرے میں چلی آئی۔

''تمہاری امی شمائلہ کے لیے تمہارے بھائی کا رشتہ لائی تھیں نا۔''

''جی۔'' مریم نے مسکراتی نظروں سے خاموش بیٹھی شمائلہ کو دیکھا۔

''تو اُن کو ہماری طرف سے انکار کردینا۔ اور......''

☆☆......☆☆

☆ زرقون کے خواب اور رفیق احمد کی دعائیں تعبیر پا جائیں گی؟

☆ مرتضٰی کی زندگی شیری کے بعد کس ڈگر پر جانے والی ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحبہ اور عرفان کا مستقبل کس ستارے کو چھو لینے میں کامیاب ہوگا؟

☆ کیا فراز کا دل زرقون کے حق میں فیصلہ سنانے والا ہے؟

☆ مریم کی ساس کیا کرنے والی ہیں؟

اِن سب سوالوں کے جواب آئینہ، عکس اور سمندر کی ماہ اکتوبر کی قسط میں ملاحظہ کیجیے۔

وہ اس کا پانچواں شوہر تھا۔ اس عورت کو حاصل کرنے کے لیے ہر ایک شوہر نے اس کے پہلے مرد کو مار ڈالا تھا۔ لیکن کوئی اس کے ایک بھی بچے کو اس سے دور نہ کر سکا تھا۔
وہ عورت اتنی خوب صورت تھی کہ اس کی خاطر قتل بھی کیا جا سکتا تھا اور بلاشبہ......

عقل کو دنگ کرتا، ایک خاص انتخاب

وہ سفر سے لوٹا تو گلی کوچوں میں پانی گھوم رہا تھا اور بارش ابھی تک جاری تھی۔ موسلا دھار، وہ گھٹنے گھٹنے پانی میں ڈوبا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ کندھے پر اٹھائی ہوئی گٹھڑی کو ٹٹولا اور مالک کا شکر بجا لایا کہ اس کی دولت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا جو وہ کما کر لا رہا تھا۔ گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہی اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اپنی حسین و جمیل بیوی سے ملنے اور اپنے اس بچے کو دیکھنے کے تصور سے جسے وہ صرف چند روز کا چھوڑ کر چل دیا تھا۔ اب وہ پانچ سال کا ہو چکا ہوگا، اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا۔ اب تو خوب شرارتیں کرتا ہوگا، عجیب پیاری پیاری باتیں کرتا ہوگا، ماں نے اسے بابا، بابا کہنا سکھا دیا ہوگا۔ پدری محبت سے سرشار ہو کر اس نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی اور ذرا سے غصے کے ساتھ سوچا۔ کیا اس کی بیوی سو گئی ہے؟

اسی لمحے اسے گھر کے آنگن میں بھرے ہوئے پانی میں کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ یقیناً اس کی بیوی آ رہی ہے۔ اس نے بیوی کی چاپ پہچان لی۔ وہ کس قدر بے صبری سے بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس نے اسی سے بیوی کی محبت کا اندازہ کیا اور دروازہ کھلنے سے پہلے اس کے بے مثال حسن کا تصور کر کے مسکرا دیا۔

دروازہ کھلا تو وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اسی طرح خوب صورت اور دل کش نظر آئی جس طرح وہ سوچتا ہوا آیا تھا۔ اوپر آسمان پر بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں اس کے جسم کی ساری دلآویزی نمایاں ہوگئی۔ اس نے اس کی آنکھوں میں محبت کی وہ چمک بھی دیکھ لی جس کا وہ ہمیشہ متمنی رہا کرتا تھا۔

دونوں نے محبت سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے بہت ہی بے قراری سے اپنے بچے کی خیریت پوچھی۔

عورت نے یقین دلایا۔ ”وہ بالکل خوش و خرم ہے ابھی ابھی بڑی مشکل سے سویا ہے۔ تم شور مت مچاؤ نہیں تو جاگ جائے گا۔“

وہ بچے کو ایک نظر دیکھے بغیر رہ نہ سکا۔ اس کمرے تک دبے پاؤں پہنچا جہاں وہ سو رہا تھا۔ اس کے اوپر جھک کر دیکھا۔ وہ سچ مچ پانچ سال کا ہو چکا ہے۔ بہت ہی خوب صورت اور بالکل تندرست ہے۔ وہ خوش ہو کر مسکرا دیا اور پھر بڑی حقارت سے ان چار بچوں پر نگاہ ڈالی جو اس کے بچے سے ذرا فاصلے پر الگ الگ سو رہے تھے۔ اس کے بچے سے عمر میں بڑے تھے۔ ان چاروں کی عمر میں ایک تفاوت تھی۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی شکل دوسرے سے نہیں ملتی تھی۔ وہ سب الگ الگ باپ سے تھے۔ لیکن ان کی ماں یہی عورت تھی۔ وہ اس کا پانچواں شوہر تھا۔ اس عورت کو حاصل کرنے کے لیے ہر ایک شوہر نے اس کے پہلے مرد کو مار ڈالا تھا۔ لیکن کوئی اس کے ایک بھی بچے کو اس سے دور نہ کر سکا تھا۔ وہ عورت اتنی خوب صورت تھی کہ اس کی خاطر قتل بھی کیا جا سکتا تھا اور بلاشبہ اس کی ہر خواہش کو پورا بھی۔ عورت، اس کا آرام دہ گھر...... دونوں ہی بہت پُرکشش تھے۔ جس شخص نے اس عورت پر قبضہ کر لیا، وہی اس کے گھر کا مالک بھی بن گیا۔

اپنے بچے کو دیکھنے کے بعد وہ کمرے میں واپس آ گیا۔ یہ کمرہ بہت ہی کشادہ تھا اور ہمیشہ بڑی نفاست سے سجا رہتا تھا۔ چاروں طرف بیش قیمت مورتیاں، تصاویر، جنگلی بھینسوں کے چمک دار نوکیلے سینگ اور شیروں وغیرہ کی کھوپڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ قدیم و موجود زمانے کے ہتھیار بھی بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ یہ نوادر اس کے گزشتہ شوہروں کی یادگاریں تھیں۔ انہیں بھی

اس عورت نے اپنے سے الگ نہیں ہونے دیا تھا۔ اگرچہ ہر شوہر نے آتے ہی انہیں چھین لینے اور برباد کردینے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس کی ضد اور خواہش کے سامنے جھک کر رہ گیا۔

اس نے بیوی کے سامنے باہر سے لائی ہوئی دولت کی گٹھری کھول کر رکھ دی۔ جسے دیکھ کر وہ اس کی توقع کے مطابق خوش ہوکر مسکرانے لگی۔

عورت نے اس کے سامنے پینے کے کئی لوازمات رکھ دیے۔ جنہیں اس نے بڑی لگن کے ساتھ تیار کرایا تھا، طرح طرح کے لذیذ اور خوشبودار کھانے دیکھ کر وہ مسرت سے باؤلا سا ہوا تھا۔ عورت کو پہلو میں بیٹھا کر شراب پینے لگا اور اپنے سفر کے حالات سنانے لگا۔

سفر کے دوران میں اس نے کئی حسین عورتیں دیکھی تھیں لیکن اس نے اعتراف کیا کہ کوئی عورت اس کی بیوی سے بڑھ کر حسین نہیں تھی۔

شراب پیتے پیتے وہ مدہوش سا ہونے لگا۔ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا، عورت اتنی حسین کیوں ہوتی ہے؟ اس کے ہونٹوں میں شہد کی سی مٹھاس کیوں ہوتی ہے؟ اس کے جسم کی قوسوں میں کیسا جادو ہوتا ہے کہ......!

وہ ایک گیت گانے لگا۔ اپنی زبان میں گیت، عورت اس کی زبان سمجھتی تھی۔ ساتھ رہ کر اس نے اپنے ہر ایک شوہر کی زبان سیکھی تھی جب وہ اس طرح بدمست ہوکر گانے لگتے تھے تو وہ ایک معنی خیز خاموشی کے ساتھ سنا کرتی تھی۔

اس کا شور سُن کر ساتھ کے کمرے میں سوئے ہوئے سارے بچے جاگ اُٹھے۔ گھبرا کر اسی کمرے میں چلے آئے اور آتے ہی ماں سے لپٹ گئے۔ اس نے اپنے بچے کو دیکھا تو خوش ہوکر اسے گود میں اٹھالیا اور اسے سینے کے ساتھ لپٹا لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اوہ تم کتنے خوبصورت ہو! کتنے پیارے ہو! بالکل میری طرح ہو......''

اس نے پلٹ کر اپنی عورت سے بھی پوچھا۔ ''یہ بالکل میرا ہم شکل ہے!'' عورت مسکراتی رہی۔ فخر اور بے بسی سے، بچہ اپنی ماں کی گود میں جانے کے لیے مچل اٹھا۔ رونے لگا تو باپ نے اسے پچکارا۔

''کیوں؟ کیوں؟ کیا ہوا میرے بچے کو؟ تم میری گود میں رہونا! میں تمہارا باپ ہوں۔'' بچے نے اپنی ماں کو پکارا۔ اس سے اپنے اجنبی باپ کی گود سے نکال لینے کے لیے کہا۔ باپ نے اس کی آواز سنی مگر اس کی زبان نہ سمجھ سکا۔ بہت حیران ہوا پھر کسی قدر غصے میں آ کر کہا۔

''تو نے اسے بھی اپنی زبان سکھا دی ہے؟ میری زبان کا ایک لفظ تک نہیں سکھایا۔'' اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ ساری خوشی غائب ہوگئی۔ بولا۔

''تو اپنے طور طریقے خود اپنے اور دوسرے بچوں تک ہی رہنے دے۔ دوسرے بچوں سے کوئی سروکار نہیں لیکن میں اپنے بچے پر نہ ان کی چھاپ پڑنے دوں گا نہ تیری۔'' عورت نے اپنے مرد کی طرف بڑی عجیب نظر سے دیکھا۔ جس میں قناعت تھی ایک انوکھا صبر۔ آنکھوں میں آنسو لا کر بولی۔ ''اس نے میری چھاتی کا دودھ پیا ہے۔ اس بات کو تم کیوں بھلا رہے ہو۔''

اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ بچے کو لے لینے کے لیے بازو پھیلا دیے۔ وہ بھی بچے کو دیر تک اپنے پاس روک نہ سکا۔ جب بچہ ماں کے پاس چلا گیا تو اس نے شراب کا ایک اور جام چڑھایا اور بڑی خونخوار نظروں سے اپنی عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ میگزین
رنگِ کائنات
دوشیزہ گلستاں
نئے لہجے، نئی آوازیں
یہ ہوئی نا بات
لولی وُڈ، بولی وُڈ
نفسیاتی الجھنیں اور اُن کا حل
کچن کارنر
بیوٹی گائیڈ

اسماء اعوان

فرمانِ الٰہی

اے ایمان والو! جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو، جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہوسکے۔ اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔ اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (وہ) زندہ، ہمیشہ رہنے والا (ہے) اسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔

(سورۃ البقرہ 2۔ ترجمہ: آیات 254 تا 255)

سورج گرہن کے لیے آپؐ کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا پس لمبا سجدہ کیا پھر سلام پھیرا اور سورج روشن ہوگیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا، اللہ کی تعریف کی اور ثناء کہی پھر فرمایا: ''بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے اور پیدا ہونے پر انہیں گہن نہیں لگتا۔ جب دیکھو (گہن) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور تکبیر پڑھو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا اس کی لونڈی زنا کرے۔ اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم اگر تم جان لو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔ 1398

(مشکوۃ شریف: باب صلاۃ الخسوف)

ظلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت ہی تاریکیوں کا سبب ہوگا اور بخل سے بھی پرہیز کیا کرو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کردیا۔'' (صحیح مسلم) یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔'' صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''شرک اصغر ریا، یعنی دکھاوے کے لیے نیکی کا کوئی کام کرنا ہے۔'' (مسند احمد)

جواہر پارے

☆ نیک عمل وہ ہے جو لوگوں سے بے نیاز

ہو کر کیا جائے۔

☆ حسد ایک زہر ہے، جسے پیتے ہم ہیں اور توقع دوسروں کے مرنے کی کرتے ہیں۔

☆ کلام میں شائستگی کھانے میں نمک کی طرح ہے۔

☆ مصیبتیں ہمیں پریشان کرنے کے لیے نہیں آتیں بلکہ بیدار کرنے کے لیے آتی ہیں۔

☆ نیکی کو کم سمجھو اور اسے چھپا کر کرو۔

عدل و احسان

خلیفہ منصور عباسی کے سامنے دو مجرم پیش کیے گئے دونوں کا جرم ایک ہی تھا۔ ایک کو سزائے موت ملی تو دوسرا بول اُٹھا۔

''اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان دونوں کا حکم دیا ہے۔ آپ نے میرے ساتھی کے ساتھ عدل کیا ہے اب میرے ساتھ احسان فرما دیجیے۔'' خلیفہ اس بات پر جھوم اُٹھا اور دونوں کو معاف کر دیا۔

مرسلہ: علی منصور۔ سرگودھا

Dieing Slowly

سرد مہری سی اجنبی لحہ
روز اک اینٹ رکھی جاتی ہے
یوں ہمارے تمہارے بیچ کہیں
ایک دیوار اُٹھتی جاتی ہے
جس کی بنیاد کے اندھیروں میں
روشنی ہے کہ دبتی جاتی ہے
جیسے کوئی تیرہ بخت انارکلی
پسِ دیوار چھپتی جاتی ہے

شاعرہ: طلعت اخلاق احمد

زیرِ تربیت

نوجوان صاحبزادے نے نئی نئی گاڑی خریدی اور ابھی ڈرائیونگ سیکھ ہی رہے تھے کہ ایک روز اصرار کر کے والد صاحب کو ساتھ بٹھا کر لے گئے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد صاحبزادے نے گویا کان لگا کر سننے کے بعد والد صاحب کو مخاطب کیا۔

''آپ یہ ٹھک ٹھک کی آواز سن رہے ہیں......؟ میرا خیال ہے کہ اس گاڑی کے رِنگ پسٹن خراب ہیں۔''

''یہ رِنگ پسٹن کی آوازیں نہیں ہیں بیٹا......'' والد صاحب نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ جواب دیا۔ ''بلکہ جس طرح تم بار بار بریک لگا رہے ہو، اس کی وجہ سے میرے گھٹنے ڈیش بورڈ سے ٹکرا رہے ہیں۔ یہ ان کی آوازیں ہیں۔''

مرسلہ: حاذق ندیم۔ کراچی

خبردار

رشوت کے تعلقات سے دھوکا وہی، بد دیانتی اور بد کرداری جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن یہ بیماریاں کسی غریب کا حق نہ مارنے اور سفارش کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دینے سے نہیں ہوتیں بلکہ دولت کمانے کے شارٹ کٹ طریقوں کے استعمال سے ہوسکتی ہیں۔

احتیاط کیجیے! خوفِ خدا ہی واحد علاج ہے ورنہ عذابِ الٰہی ہی آپ کا مقدر ہے......

حکمِ الٰہی معرفت وزارتِ پاکستان۔

مرسلہ: محمد توصیف۔ مانسہرہ

لاجواب

ایک روز مشہور شاعر مرزا داغ دہلوی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب اُن سے ملاقات کے لیے آئے مگر انہیں نماز پڑھتے دیکھ کر لوٹ گئے۔ اسی وقت داغ نے سلام پھیرا۔ ملازم نے

انہیں بتایا کہ ایک صاحب آپ سے ملنے آئے تھے اور چلے گئے۔

مرزا داغ نے ملازم سے کہا۔ ''دوڑ کر جاؤ اور انہیں بلا لاؤ، وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔''

ملازم بھاگا بھاگا گیا اور ان صاحب کو بلا لایا۔

وہ صاحب کہنے لگے۔ ''آپ نماز پڑھ رہے تھے، اس لیے میں چلا گیا تھا۔''

داغ صاحب فوراً بولے۔ ''حضرت! میں نماز ہی تو پڑھ رہا تھا، لاحول تو نہیں پڑھ رہا تھا، جو آپ بھاگ گئے۔''

مرسلہ: رافیعہ خان۔ ایبٹ آباد

تھرڈ کلاس

بس میں مسافر سوار ہوا تو کنڈیکٹر نے کہا۔

''فرسٹ کلاس بیس روپے، سیکنڈ کلاس پندرہ روپے، تھرڈ کلاس پانچ روپے، کہیے کون سا ٹکٹ دوں۔''

مسافر نے کہا۔ ''ایک ہی بس ہے، ایک جیسی سیٹیں ہیں۔ مجھے تو تھرڈ کلاس کا ہی ٹکٹ دے دو، کوئی فرق تو ہے نہیں۔''

کنڈیکٹر نے ٹکٹ دے دیا۔ تھوڑی دور جا کر بس خراب ہوگئی تو کنڈیکٹر نے آواز لگائی۔

''فرسٹ کلاس والے بیٹھے رہیں۔ سیکنڈ کلاس والے نیچے اُتر کر ساتھ ساتھ چلیں اور تھرڈ کلاس والے بس کو دھکا لگائیں۔''

مرسلہ: جاوید بلوچ۔ خوشاب

بینکر جوڑی

بیوی نے کہا۔ ''بعض اوقات میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری زندگی کا ہر لمحہ اپنے نام ''ڈیبٹ'' کرالوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ کہیں تمہاری زندگی دیوالیہ نہ ہو جائے۔''

شوہر نے جواب دیا۔ ''دیکھو بیگم! جس دن سے میں نے تمہیں اپنی زندگی کا شیئر دیا ہے، تمہاری ماں کے ''مارک اپ'' سے تنگ آ گیا ہوں، اوپر سے تمہارے ابا کی آمد پر جو ایکسائز ڈیوٹی لگتی ہے، اس کو ادا کر کے جی چاہتا ہے کہ اپنی خوشیاں 'فکس ڈپازٹ' کرا دوں۔

بیوی نے اٹھلا کر کہا۔ ''ایسا نہ کہیں جان! محبت کے اعتراف کا پہلا ''واؤچر'' بھی تو آپ ہی نے بھرا تھا، میری خواہشوں کے ''کرنٹ اکاؤنٹ'' سے اگر کٹوتی ہوئی تو میں سمجھوں گی آپ کو میرے حسن کی ''بیلنس شیٹ'' میں کوئی کمی محسوس ہوئی ہے۔''

مرسلہ: شعبان کھوسہ۔ کوئٹہ

غزل

پہلے زم زم سے ہاتھ کو دھونا
پھر محبت کا تھامنا کونا
مار دے گا وگرنہ سناٹا
دھیمی آواز میں بھی مت رونا
آسماں جیسی آنکھ اُگتی ہے
خواب اپنے زمین میں بونا
آسماں سے بلائیں اُتریں گی
آج کی رات چھت پہ مت سونا
روز و شب سے گزرتے جاتے ہیں
کیسا ہوتا ہے، کیسا نا ہونا!
آئینہ ٹوٹ بھی تو سکتا ہے
یوں بھی اب آئنے میں مت کھونا!
پاؤں اس کے اگر ہیں چاندی سے
راستا میرے دِل کا ہے سونا
بس یہ محبوب مشغلہ ٹھہرا
زندگی رات دن تجھے رونا

شاعر: محبوب صابر

انتخابی امیدوار

بلدیاتی انتخابات میں ایک امیدوار ایک ایسے

علاقے میں تقریر کرنے گیا جہاں آٹے کی شدید قلت تھی۔ اس نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی: ''میں آپ لوگوں کے پاس تقریر کرنے نہیں آیا کیونکہ تقریر کرنا علم والوں کا فن ہے، علم پیسے والوں کے پاس ہے اور پیسہ فساد کی جڑ ہے۔ سب سے لمبی جڑ خربوزے کی ہوتی ہے اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ آپ رنگوں کے چکر میں نہ پڑیں کیونکہ اس سے آنکھیں کمزور ہوتی ہیں اور سب سے کمزور آنکھیں بکری کی ہوتی ہیں۔ بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ جنت سے حضرت انسان گندم کے چکر میں بے دخل ہوئے۔ سب سے اچھی گندم آسٹریلیا میں پائی جاتی ہے لہٰذا آپ لوگ مجھے ووٹ دیں تاکہ میں آسٹریلیا سے گندم لاؤں اور آٹے کی قلت پوری کرسکوں۔

مرسلہ: عاشر عتیق۔ کراچی

طاقت کا توازن

ذرا دیر کو آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد دیکھیے تو آپ محسوس کریں گے کہ طاقت ہی توازن ہے۔ یہی لہریں بھی پیدا کرتی ہے اور سکون بھی فراہم کرتی ہے۔ پُرفضا مقام پر ایک جھیل میں کنکری ڈالیے تو لمحہ بھر کو کئی دائرے ابھرتے ہیں اور پھر سطح آب یکساں اپنی جگہ پر واپس۔ اب اسے عالمی سطح پر پھیلا دیجئے۔ ابھی کتنا بڑا طوفان اٹھا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب کچھ تہہ و بالا ہو جائے گا لیکن ہوا کیا۔ ذرا سی ہلچل ہوئی پھر وہی شب و روز۔ کل کے دشمن آج کے دوست، آج کے دوست کل کے دشمن نظر آنے لگے۔ انسانی جانوں کا زیاں اور مال و منال کے تباہی ایک ضمنی سی شے نظر آنے لگی۔ کسی کا کسی اور کے گھر میں گھس جانا اور سب کچھ ملیا میٹ کر دینا، تہذیب و اخلاق کی نفی کے زمرے سے نکل گیا ہے۔ اب تو روز ایسا ہو رہا ہے اور اسے طاقت کے آدب میں شامل کرلیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اسے حق کے پلڑے میں ڈال کر چپ ہو جائیں اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے تماشائی بن جائیں اور عدم توازن کو عیشِ فطری سمجھ کر اپنا ردِعمل بھی ظاہر نہ کریں؟

محمود واجد کی فکر......اور تشویش

حسنِ انتخاب: نصرت زمان۔ سکھر

محبت اور تنہائی

نہ جانے جب محبتیں فنا ہو جاتی ہیں بچھڑ جاتی ہیں تو اپنے پیچھے خوش فہمیاں کیوں چھوڑ جاتی ہیں۔ دل ہر آن ایک ہی دھن میں لگا رہتا ہے کہ وہ ہمیں مل جائے گا۔ ہمارا پھر سے ساتھ چاہیے گا۔ حال تک جدائیوں کے راستے تو بہت طویل ہوتے ہیں۔ جانے والے بھی لوٹ کر نہیں آتے جو اس نے ملنا ہوتا تو بچھڑتا ہی کیوں؟ اگر تم تنہا ہو اور وقت کے دل شکن لمحات تمہارے محسوسات کو پامال کر رہے ہیں تو کیا ہوا۔ تم اس دنیا میں اکیلے آئے تھے۔ اکیلے ہی جاؤ گے۔ جب قدرت نے تمہیں اکیلا ہی تخلیق کیا تھا تو پھر تنہائی سے کیا گھبرانا۔

(خلیل جبران)

حسنِ انتخاب: عالیہ بانو۔ ڈیرہ غازی خان

فیس بک ناشتہ

شوہر صبح ''فیس بک'' کھول کر بیٹھ گیا۔ اس کی ایک دوست نے ''سینڈوچ'' کی تصویر ''اپ لوڈ'' کی اور لکھا۔ ''آؤ سب ناشتہ کرلیں۔''

شوہر نے ''کمنٹ'' کیا۔ ''مزیدار تھا، مزا آ گیا۔''

بیوی نے ''کمنٹ'' پڑھ لیا اور شوہر کو ناشتہ نہیں دیا۔ 4 گھنٹے بھوکا رکھنے کے بعد بیوی بولی۔ ''لنچ'' گھر پر کرو گے یا ''فیس بک'' پر......؟''

مرسلہ: ذیشان بخاری۔ لاہور

☆☆......☆☆

نئے لہجے نئی آوازیں

منتظر

اُس کی نگاہوں میں کوئی شکوہ ہو جیسے
اُس کی خاموشی کہے وہ مجھ سے خفا ہو جیسے
جس کو دیکھو مجھ پہ انگلیاں اُٹھانے لگا ہے
میرے علاوہ یہاں ہر شخص پارسا ہو جیسے
گھنٹوں میرا ہاتھ تھام کر لکیریں تکتا تھا وہ
میری قسمت میں خود کو کھوج رہا ہو جیسے
وہ تو سرراہ بھی ملتا ہے تو کترا جاتا ہے
یہ اس کا ماضی نہیں کوئی گناہ ہو جیسے
شام ہی سے وہ گھر کی جانب چل پڑا
بتانے کو کوئی اس کا منتظر رہا ہو جیسے

عنبرین نعیم۔ کراچی

غزل

ہر دکھ کو میں جھیلی ہوں
دردِ بساط پہ کھیلی ہوں
خود سے ہی دل کی بات کروں
اپنی آپ سہیلی ہوں
کیا کوئی مجھ کو جانے گا؟
ایسی ایک پہیلی ہوں
تیرے جہاں کو مہکاؤں
چنپا اور چنبیلی ہوں
اپنے حصار میں لاؤں تجھے
دستِ دعا کی ہتھیلی ہوں
مجھ میں بستا نہیں کوئی
پُراسرار حویلی ہوں
کروں، جو تیرے بس میں نہیں
وہ سرمست البیلی ہوں
اس پُرشور زمانے میں
خانم کتنی اکیلی ہوں

فریدہ خانم۔ لاہور

فلسطین کے لیے

دل چیختا ہے
یہ آہ وفغاں دیکھ کر
آنکھ اشک برساتی ہے
معصوم فرشتوں کی بے حرمتی کے نشاں دیکھ کر
میرے اندر کا انساں مرجاتا ہے
خونِ آدم جب جب بہایا جاتا ہے
ممتا کے آنچل میں چھپالوں تجھ کو
روح تڑپتی ہے ان درندوں سے کیسے بچالوں تجھ کو
پل بھر کے لیے جو ہنستے ہیں
پھر ساکت آنکھوں سے تکتے ہیں
ان آنکھوں میں، میں جیون بھر سکتی
کاش کے بس کچھ کر سکتی
دھواں دھواں ساری فضا ہو رہی ہے
لہو میں ڈوبی زمیں رو رہی ہے
کہ وہ پھر ہریالی سے سج سکتی
میری جاں کے بدلے میں
اِک ننھی جاں ہی بچ سکتی
کاش کے میں کچھ کر سکتی

معصومہ منصور۔ کراچی

غزل

صحرا سجا دیا کبھی دریا جلا دیا
ہم کو تمہارے غم نے تماشا بنادیا
اِک درد، تین رنجشیں، دوچار آنسو
اُس نے دیا بھی ہم کو محبت سے کیلپر دیا
اے ہجر سیاہ مزاج! مری راتیں تو دیکھیے
تُو نے تو ایک ایک ستارہ بجھا دیا
یہ جسم اک سبق ہے، اذیت ہے، خاک ہے
اِس جسم ہی نے جینے کو مرنا سکھا دیا
ڈر ہے یہ کلم ظریف عقیدت نہ ہار دیں
لوگوں نے مجھ کو مردِ محبت بنادیا

کل شام کس خیال میں گھنٹوں رہے اُداس
ہر بار تیرا نام لکھا ، پھر مٹا دیا
سوچا تھا چپ رہیں گے مگر کیا کریں ہما
ہم کو کسی کی یاد نے پھر سے رُلا دیا
خالد ہما۔ گوادر

نظم

ابرِ باراں کی صورت
چشم نارسائی کی دھول
ہر طرف اڑ لی ہوئی
دل میں بے وفائی کی دھول
مہر لب خیالوں میں کیوں بھٹکتی رہتی ہے
عمر رفتہ راز داری سے
یہ مجھ سے کہتی ہے
خواہشیں سمندر سی
بحر میں اترنے کی
موج مضطرب مانند
ساحلوں سے ملنے کی
بے خودی ہے سنگ اُس کے
بیکراں تمنا یہ
دل میں ایسے پلتی ہے
عشق کا سفر ہے تو
بحر بیکراں بھی ہو
دل کو اپنے سمجھالو
تشنگی ہی تلتی ہے

خولہ عرفان۔ کراچی

مجھے تم سے محبت ہے

میری آنکھوں کی بے چینی
میرے جذبوں کی سچائی
اگر تم جان بھی جاؤ
تمہیں محسوس بھی ہوگا
میرے لفظوں کے اندر تم
کہیں پر گنگناتے ہو
کہیں پر رقص کرتے ہو
میری یہ شاعری ساری
تمہارا ورد کرتی ہے
اگر میری یہ نظمیں بھی
تمہارے نام ہوتی ہیں
تو پھر اس کا یہ مطلب ہے
کوئی گہری عقیدت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

فریدہ فری یوسف زئی۔ لاہور

غزل

تیری چاہت کا نور مجھ میں ہے
جانے کیسا غرور مجھ میں ہے
تُو نے مجھ کو جو کرلیا ہے پسند
کچھ تو خوبی ضرور مجھ میں ہے
دل تُو مانگے تو جان بھی دے دوں
اتنی چاہت حضور مجھ میں ہے
جب سے ڈوبا ہوں تیری آنکھوں میں
جانے کیسا سُرور مجھ میں ہے
میں ہوں روشن تمہاری ہستی سے
یہ تمہارا ہی نور مجھ میں ہے

ریحان آفاق۔ حیدر آباد

غزل

یوں ہوچکی ہے طبیعت بحال کہنے کو
مگر ہے دل کا وہی اب بھی حال کہنے کو
نہیں ہے ان کی طرح کوئی بھی حسین اے چاند
مگر ہیں خوب تیرے خدو خال کہنے کو
ہوا ہے تیر نظر کا نشانہ آج بھی دل
بچا ہوں آج بھی میں بال بال کہنے کو
تمہاری یادیں ہر اک لمحہ ساتھ رہتی ہیں
گزر رہا ہے ، بہت اچھا سال کہنے کو
چلو تلاش کریں چل کے ہمنوا کوئی
چلو کہیں تو چلیں عرضِ حال کہنے کو
نہ جانے کیوں یہ مری آنکھیں بھیگی رہتی ہیں
نہیں ہے دل میں مرے اب ملال کہنے کو
نگاہ اٹھتی ہے نیرّ کیوں بس اسی کی طرف
نہیں ہے حسن میں وہ بے مثال کہنے کو

نیرّ رضاوی۔ کراچی

اس ماہ زرینہ گل، خیبر پختونخوا کا سوال انعام کا حق دار ٹھہرا۔ انہیں اعزازی طور پر دوشیزہ گفٹ ہیمپر روانہ کیا جا رہا ہے (ادارہ)

علیم الدین۔ اورنگی ٹاؤن

☺: انسان گھر داماد بننے پر کب مجبور ہو جاتا ہے؟
✍: جب اسے کرائے کا مکان نہ مل رہا ہو۔

حارث احمد۔ گھوٹکی

☺: یہ دنیا غم تو دیتی ہے، شریکِ غم کیوں نہیں ہوتی؟
✍: بالکل غلط! براتی شریکِ غم ہی ہوتے ہیں۔

انیل بخش۔ کوٹھاری

☺: آپ کے پاس مونالیزا کا ٹیلیفون نمبر ہوگا؟
✍: کون سی مونالیزا؟

روحان شاہ۔ چیچہ وطنی

☺: یہ عشق کی فرسودہ بیماری کب ختم ہوگی؟
✍: بھیا ابھی اس ''بیماری'' سے بچاؤ کے ٹیکے ایجاد نہیں ہوئے۔

شہزادی نور۔ میلسی

☺: اگر آنسو سچ مچ موتی بن جائیں تو؟
✍: پھر ہر عورت کے گلے میں جڑاؤ موتیوں کا ہار ہوگا۔

عظمیٰ فیروز۔ میر پور خاص

☺: خاموشی کو کب زبان ملتی ہے؟
✍: جب شوہر تھکا ہارا دفتر سے گھر واپس آتا ہے۔

ناہید صابر۔ لڈن، وہاڑی

☺: سُنا ہے بُرا وقت کہہ کر نہیں آتا؟
✍: تو کیا آپ بغیر بتائے آنا چاہتی ہیں۔

عروبہ عرفان۔ آزاد کشمیر

☺: انسان کی قدر کب ہوتی ہے؟
✍: تنخواہ والے دن۔

ایاز بخاری۔ کھوسکی

☺: مردوں کی عقل داڑھ کب نکلتی ہے؟
✍: پوری بتیسی گرنے کے بعد یا شادی کرنے کے بعد، ورنہ وہ شادی کیوں کرتے۔

حلیمہ رانی۔ پھول نگر

☺: مہمان بلائے جان کب بن جاتا ہے؟
✍: جب وہ اس گھر کا فرد بننے کی کوشش کرنے لگے۔

گل رُخ۔ ڈیرہ غازی خان

☺: کیا مرد واقعی بہادر ہوتے ہیں؟
✎: ہاں شادی سے پہلے تک۔

حدیقہ افغانی۔ سوات

☺: زندگی ایک سہانا سفر ہے تو موت کیا ہے؟
✎: زندگی کا جنکشن۔

طیبہ بانو۔ کوٹری

☺: اگر آپ کو الہ دین کا چراغ مل جائے تو؟
✎: جن کو سب سے پہلے آپ کے پاس ہی بھیجوں گا۔

نعیمہ بیگم۔ بیگم پورہ، لاہور

☺: آخر شوہر اتنا جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟
✎: اس لیے کہ بیویاں ''سچ'' برداشت نہیں کرسکتیں۔

فائزہ نعیم۔ پنڈ دادنخان

☺: خواتین اپنی عمر سچ سچ کیوں نہیں بتاتیں؟
✎: وہ اور کون سا سچ بولتی ہیں جو عمر کے معاملے میں سچ بولیں گی۔

اریبہ منظور۔ جہلم

☺: کیا واقعی جس گھر میں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر آتے ہیں؟
✎: ہاں! لیکن وہ پتھر کبھی کبھی واپس بھی آجاتے ہیں۔

سوہنی۔ گجرات

☺: عورت کی زبان تو قینچی کی طرح چلتی ہے، مرد کی زبان؟
✎: کیا مرد کی زبان ہوتی ہے؟

دعا حنیف۔ نور پور

☺: محبت اور دولت میں سے آپ کس چیز کا انتخاب پہلے کریں گے؟
✎: محبت حاصل کرنے کے لیے پہلے دولت کا

انتخاب کرنا ہوگا

حرمین ۔ چورہ شریف

☺: اعتماد کی دیوار کب گر جاتی ہے؟
✎: جب شک کے تیز جھکڑ چلنا شروع ہو جائیں۔

عندلیب خان ۔ بھور بن

☺: دل کا دیا کس طرح روشن کیا جا سکتا ہے؟
✎: کسی دوسرے کی ماچس سے۔

امرینہ مری ۔ چکوال

☺: ووٹ کا مطلب؟
✎: جب کئی لڑکیوں میں سے کسی ایک لڑکی کا انتخاب کرنا ہو۔

انیلا حسین ۔ میانوالی

☺: پتا ہے تمہیں، کل کیا ہوا؟
✎: اچھا تو وہ تم تھیں۔

زرمینہ گل ۔ خیبر پختونخوا

☺: آنسو نمکین کیوں ہوتے ہیں؟
✎: تاکہ بہنے کے بعد رخساروں پر مکھیاں نہ بیٹھیں۔

جوہری عارف خان ۔ لانڈھی، کراچی

☺: ایک اچھے ہمسائے کی کیا پہچان ہے؟
✎: یہی کہ اسے جو بات کہلوانا ہو ماں باپ کے ذریعے سے کہلوائے۔

فیصل پروانہ ۔ ملتان

☺: راتوں رات امیر بننے کا کوئی طریقہ بتا دیں؟
✎: طریقے تو بہت ہیں، لیکن صبح ہوتے ہی اکثر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

جویریہ انعم ۔ ژوب، بلوچستان

☺: پُرسکون زندگی گزارنے کے لیے شوہر کے پاس کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟
✎: بہرہ پن۔

تابش مقصود ۔ KU ۔ کراچی

☺: کیا محبت کا اظہار کرنا ضروری ہے؟
✎: آج کل تو ضروری ہے، کیونکہ یہ پہلے آیئے، پہلے پایئے کی بنیاد پر کی جاتی ہے

غزل احمد ۔ پرفیوم چوک، کراچی

☺: سنا ہے مرد اپنی زبان سے بہت جلدی پھر جاتے ہیں؟
✎: غلط! وہ صرف اپنے وعدے سے پھرتے ہیں۔

عامر حسین ۔ فیوچر کالونی، کراچی

☺: اگر کوئی بچھڑا ہوا ایک عرصے بعد سامنے آ جائے تو بتایئے کیا ہوتا ہے؟
✎: افسوس! اور صرف افسوس ہوتا ہے کہ شادی میں اتنی جلدی کیوں کی۔

"یہ ہوئی نا بات" کے لیے میرا سوال یہ ہے...

کوپن برائے
اکتوبر 2014ء

____
____
نام: ______________________
پتا: ______________________

شیخ جی طریقہ واردات کے باریک سے باریک نکتے بتاتے ہوئے نماز کی تلقین ضرور کرتے۔ بلکہ اب تو ان کی گفتگو آسمان کی وسعتوں سے متعلق ہوتی یا زیرِ زمین قبر اُن کا موضوع ہوتا۔ دنیا کا جب بھی حوالہ آیا آپ کی بداعمالیوں کے سبب ہی آیا۔ آپ نے......

لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتا ایک خوب صورت مزاح پارہ

شیخ جی ہمارے پرانے رفیق ہیں لیکن یہ وہ شیخ جی نہیں جن کے بارے میں لطیفہ مشہور ہے کہ جب ان کے اعمال برابر ہوئے اور یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ انہیں جنت میں داخل کریں یا دوزخ کے حوالے کر کے باقیوں کے لیے سامانِ عبرت پیدا کریں تو ایک سمجھدار فرشتے نے صورتِ حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان کی مرضی بھی معلوم کی۔ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ جہاں چار پیسے بچیں وہیں رکھا جائے۔ بلکہ یہ تو شیخ جی ہیں جن کی نہ محبوب سے بنتی نہ یہ کسی کی محبوب سے بننے دیتے۔ اسی لیے کلاسیکی شعرا اور موجودہ دور کے اردو شاعر آج بھی شیخ جی کی خوب خبر لیتے ہیں۔ حالات کیسے ہی پُرخطر کیوں نہ ہوں شیخ جی پارسائی کے مشورے دینے سے باز نہیں آتے۔ ہمارے یہ رفیق (خود ان کا حکم یہی ہے کہ انہیں دوست کی بجائے رفیق کہا جائے) شیخ کے منصب پر کیسے فائز ہوئے۔ یہ بڑی دلچسپ اور بصیرت افروز کہانی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موصوف سرکاری عہدے پر فائز تھے اور عہدہ بھی وہ جس میں اختیارات اور مال پانی دونوں وافر مقدار میں دستیاب تھے۔ چنانچہ اسی سہولت کے پیشِ نظر وہ رشوت لینے میں کوئی خوف اور ثانی نہیں رکھتے تھے۔ احتساب کا دور دورہ تھا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ایک بار کسی باخبر نے پولیس کو اطلاع کر دی اور موصوف ''نذرانہ'' لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ پولیس جس گاڑی پر لاد کر انہیں حوالات میں بند کرنے لا رہی تھی اسے خوفناک حادثہ پیش آیا۔ سوائے ان کے باقی تمام سواروں کو شدید چوٹیں آئیں۔ ان کے حادثے میں بچ جانے پر بہت سے پولیس والوں نے تو زخمی حالت میں ہی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خود کو پہلی بار برا بھلا کہا۔ خون اور عرقِ انفعال کے بہنے پر موصوف سے شدید معذرت کی کہ وہ ایسی پارسا ہستی کو پکڑ لائے ہیں۔ پولیس والوں نے ٹھیک ہوتے ہی اس مخبر کو دھر لیا جس نے درست اطلاع بہم پہنچا کر اب اپنا آپ مستقل

خطرے میں ڈال لیا تھا۔ بس اسی ''معجزے'' کے سبب انہوں نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور شیخ جی کے نام سے شہرت حاصل کرنے لگے۔ آپ نے اسی دن عہد کیا کہ وہ اب رشوت نہیں لیں گے، صرف سرکاری مال ومتاع پر ہی ہاتھ صاف کریں گے۔ رشوت کا بند ہونا تھا کہ گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ جائز آمدنی سے اخراجات کے اس ہاتھی پر قابو پانا مشکل ہوگیا جسے رشوت کے چارے سے پالا تھا۔ نتیجتاً آپ کے بیوی بچے باغی ہوگئے اور گھر میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑنے کا اندیشہ لاحق ہوگیا۔ شیخ جی نے صورتِ حال کے پیش نظر یہ کہہ کر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی کہ سرکاری ملازمت اب شریف آدمیوں کے کرنے کا کام نہیں رہا۔ اور اسی ناجائز دولت سے کاروبار شروع کرنے کا سوچنے لگے۔ ہمیں دانشور سمجھ کر ہم سے کاروبار سے متعلق مشورہ طلب کیا اور پھر خود ہی فرمایا کہ ٹرانسپورٹ کا کاروبار اچھا ہے کہ اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں۔ سواریاں بٹھاؤ اور پیسہ لو۔ ادھار کا کوئی امکان نہیں۔ جوشِ خطابت میں بولے کہ میری رائے میں یہ سب سے حلال کاروبار ہے اور اب جی چاہتا ہے کہ حلال ہی کھایا جائے۔ ہم نے عرض کیا حضور اس حلال کاروبار میں جو ''منتھلی'' پولیس والوں کو دے کر حادثات کی کھلی چھٹی لی جاتی ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ بولے بھئی، اب تم استحقاق اور حرام کو یوں گڈمڈ تو نہ کرو کہ وطنِ عزیز میں اب ان دونوں کی سرحدیں ملتی جلتی ہیں۔ ہم نے کہا چلیے اسے جانے دیجیے لیکن حادثے کا بھی تو امکان ہے۔ بولے میں اب باقاعدگی سے زکوٰۃ دیا کروں گا۔ عرض کیا قبلہ جس نے آپ کی گاڑی میں آکر ٹکر مارنی ہے ہوسکتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دیتا ہو۔ پریشان ہوگئے اور آنے والے وقتوں میں اس کاروبار کا ارادہ

اور ہم سے مشورہ کرنا چھوڑ دیا۔ شیخ جی ناجائز مال کا بیشتر حصہ اپنے مکان میں لگا کر اور باقی رقم معقول شرحِ سود پر بنک میں رکھوا کے گناہوں سے ہمیشہ کے لیے تائب ہوگئے۔ آپ نے باقاعدہ داڑھی رکھ لی اور تسبیح پڑھنے کو معمول بنالیا۔ لباس میں کوٹ پتلون کی بجائے لمبا کُرتا اور شلوار شامل ہوگئی۔ اب لباس پہنتے ہی شیخ جی کی ہیئت کذائی تبدیل ہوجاتی۔ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنے کے تو ہم بھی قائل ہیں لیکن شیخ جی بعض اوقات شلوار کو اتنا اوپر لے جاتے کہ حدود آرڈیننس کے اطلاق کا خدشہ پیدا ہوجاتا۔ جیبوں میں روپوں کی جگہ مسواک اور تسبیح نے لے لی۔ بالوں کی تراش خراش قصہ پارینہ بن گئی کہ بال اب موسم کی مناسب اور الہام کے زور پر چھوٹے اور بڑے ہونے لگے۔ ٹوپی سر کا جزوِ لاینفک بن گئی بلکہ گمان ہونے لگا کہ شاید شیخ جی ٹوپی سمیت ہی نہ پیدا ہوئے ہوں۔ شیخ جی اپنے عہد شباب میں سرکاری مال کی خورد برد میں کمال رکھتے تھے۔ اس لیے آپ کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ اب بھی فیض حاصل کرنے آتے۔ شیخ جی طریقہ واردات کے باریک سے باریک نکتے بتاتے ہوئے نماز کی تلقین ضرور کرتے۔ بلکہ اب تو ان کی گفتگو آسمان کی وسعتوں سے متعلق ہوتی یا زیر زمین قبر اُن کا موضوع ہوتا۔ دنیا کا جب بھی حوالہ آیا آپ کی بداعمالیوں کے سبب ہی آیا۔ آپ نے زندگی میں جو اکلوتی دیانتداری کی تھی وہی قصہ احباب کو سُنا کر دادِ شجاعت حاصل کرتے۔ ترکِ دنیا کے اس قدر قائل ہوگئے کہ احساس ہونے لگا شیخ جی چند دنوں کے مہمان ہیں یا دنیا چند روز بعد تباہ ہوجائے گی۔ اک روز خانہ بدوشوں کے قافلے کو دیکھ کر حسرت بھری آہ بھر کر کہنے لگے، یہ لوگ کتنے خوش قسمت اور قناعت پسند ہیں کہ کوئی گھر نہیں رکھتے۔ عرض کیا اگر یوٹیلیٹی بل اسی شرح سے آتے

رہے تو وطنِ عزیز کے بیشتر لوگ اسی ''خوش قسمت'' قافلے میں شامل ہو جائیں گے۔ ٹی وی کو جہنم کا ڈبہ قرار دینے لگے۔ ایک روز برہم ہو کر فرمایا، غیر عورتوں کو یوں دیکھتے ہوئے آپ کو اللہ کا خوف نہیں آتا۔ عرض کیا ڈراموں میں مردوں کے کردار بھی ہوتے ہیں پھر ویسے بھی

حسن بے تاب ہے خود جلوہ دکھانے کے لیے

ہم نے انہیں بارہا حفیظ جالندھری کا وہ مصرع سُنا کر رام کرنے کی کوشش کی کہ جس میں حفیظ شیخ جی کو مطمئن کرنے اور ہمارا کام آسان کرنے کے لیے یہ سند دے گئے ہیں کہ شباب و عاشقی کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جب گھر میں ٹی وی چل رہا ہوتا ہے تو شیخ جی ایک کونے میں وظیفہ پڑھ رہے ہوتے ہیں اور جب وہ خبر نامہ سنتے ہیں تو گھر والے توبہ کر رہے ہوتے ہیں۔ شیخ جی تصویر کے سخت خلاف ہیں، اس لیے گھر میں ان مصنوعات کا داخلہ جن پر تصویر ہو بند کر رکھا ہے۔ ناگزیر حالات میں آپ مصنوعات پر موجود تصاویر کے چہرے اور کھلونوں کے سر غائب کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے اب ان کے بچے ہمہ وقت ان تصویروں اور کھلونوں پر شرطیں لگا کر ایک دوسرے سے پیسے جیتتے ہیں کہ بتاؤ یہ دھڑ مرد کا ہے یا عورت کا۔ یہ شیر ہے یا بلی، اور تو اور شیخ جی نے اب اپنی شادی کے البم میں موجود تصاویر کے چہروں پر بھی سیاہی لگا دی ہے۔ البتہ باقی تصویر پر نام لکھ دیا ہے تاکہ تصویر کی حد تک ازدواجی رشتوں میں خلل اندازی کا امکان نہ رہے۔ عالمِ شباب میں شیخ جی نے جو 'خوفناک' لطیفے رٹ رکھے تھے انہیں اب بھی موقع بہ موقع سُنا کر لطف اندوز کرتے ہیں۔ اگر لطیفے کا 'راوی' مرحوم ہو تو ساتھ ہی یہ جملہ ضرور کہہ دیتے تھے کہ سنانے والے کو اس کا ثواب پہنچے۔ ایک مدت تک انگریزی زبان اور اعلیٰ عہدہ آپ کے زیرِ استعمال رہا ہے۔ یہ آپ کی انگریزی دانی کا ہی کمال ہے کہ ایک بار شدید زخمی حالت میں بھی آپ کے منہ سے انگریزی کا ایک جملہ بھی غلط نہ نکلا اور نہ کوئی قرآنی آیت درست نکلی۔ اختیارات اور وضع داری کا توازن اب شخصیت کا حصہ بن گیا ہے اس لیے عین حالتِ نماز میں بھی اختیارات کو یاد کر کے مونچھوں کو تاؤ دینے لگتے ہیں اور صف بندی کے دوران بے دھیانی میں ساتھی نمازی کو کہنی لگ جانے پر قرأت ہی میں سوری بول دیتے ہیں۔ کھانے میں اب سادہ غذا پسند کرنے لگے ہیں لیکن خدانخواستہ اگر کوئی اپنے ہاں مدعو کرنے کی 'جسارت' کر ہی لیتا ہے تو سادگی کے ساتھ پُرکاری بھی شامل کر کے کھانے کے ساتھ پورا 'انصاف' کرتے ہیں۔ بعد میں میزبان اپنی حالت اور ڈاکٹر شیخ جی کی حالت کا اندازہ لگاتا ہے۔ آپ کی بیگم اس عمر میں بھی آپ کو جب شیخ جی کہہ کر پکارتی ہیں تو ان کی ساری مردانگی اور پارسائی یکجا ہو کر جوابی لہجے میں سمٹ آتی ہے۔

ڈاکٹر یونس بٹ ٹھیک لکھتے ہیں کہ جوتی آگے رکھیں تو نماز نہیں ہوتی، پیچھے رکھیں تو جوتی نہیں ہوتی۔ اسی کلیے کے مصداق جب ہماری چوتھی جوتی بھی چور لے اڑا تو ہم نے شیخ جی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جناب ہم مسجد سے چار جوتیاں چوری کروا بیٹھے ہیں اب شریعت میں ہمارے اور چور کے لیے کیا حکم ہے۔ بولے آپ چور کو اس کی حالت پر چھوڑیں اور خود نماز ادا کریں۔ دست بستہ عرض کی قبلہ ہم من حیث القوم موجودہ حالت میں اس لیے پہنچے ہیں کہ پچھلے پچاس سال سے ہم خود تو نماز پڑھ رہے ہیں اور چوروں کو ان کی حالت پر چھوڑ رکھا ہے۔

☆☆......☆☆

لولی وڈ بولی وڈ

ڈی۔ خان

ایک اور جوڑی

منی اسکرین کی نمبرون اداکارہ صبا قمر اور تازہ ترین سپر اسٹار حمزہ علی عباسی بہت جلد ایک دوسرے کے ہونے
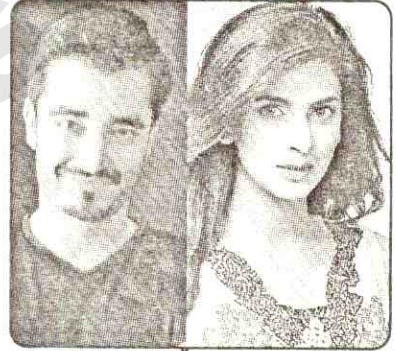
جارہے ہیں۔ پہلے پہل تو یہ خبر تھی مگر جب میڈیا کھوجیوں نے اِن دونوں کی آپس میں حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی انڈر اسٹینڈنگ دیکھی تو یقین کرنا پڑا کہ واقعی یہ دوستی سے بہت آگے کی چیز ہے اور اب اس دوستی کی شادی کی گونج سنی جارہی ہے۔

مہوش حیات کا سلور اسکرین پر دھماکہ

قارئین! ہوشیار باش! نمبرون ماڈل و کامیاب اداکارہ مہوش حیات نے لولی وڈ ٹریڈ میں ہاٹ کیک ''نامعلوم افراد'' میں آئٹم سونگ پکچرائز کرا کر بڑی بڑی اداکاراؤں کو ایک طرح سے ریڈ سگنل دکھا دیا ہے۔ چولی اور گھاگرے میں جس طرح مہوش پر یہ آئٹم سونگ فلمایا گیا ہے وہ یقیناً شائقین فلم یاد رکھیں گے۔ گڈ لک مہوش۔

عائزہ خان بھی گئیں

لیجیے! اس بار ایک اور شادی کی گونج، عائزہ خان نے دانش تیمور سے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ اور اس برس کے آخر تک یہ شادی متوقع ہے۔ ساتھیو! عائزہ

نے اعلان کردیا ہے کہ وہ شادی کے بعد اداکاری کو خیر باد کہہ دیں گی۔ عائزہ اِن دنوں تیزی سے اپنے

پراجیکٹس کی تکمیل میں مگن ہیں۔

بہروز سبزواری دادا بن گئے

شہروز سبزواری اور سائرہ کے ہاں بیٹی (نور یہہ) کے آنے سے خوشیاں ہی خوشیاں پھیل گئی ہیں۔ ننھی شہزادی نے ہمارے بہروز سبزواری کو دادا بنا دیا ہے۔ سفینہ اور بہروز کو دادا، دادی بننے کی بہت بہت مبارکباد۔ نور یہہ کی لمبی عمر اور صحت کی دعا کے ساتھ۔

PK کا پوسٹر منظر عام پر آ گیا

لیجیے قارئین! عامر خان کا نیا دھماکہ......PK} کا پوسٹر منظرِ عام پر آتے ہی توجہ کا مرکز بن گیا۔ خان
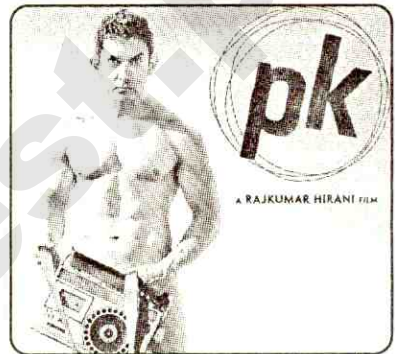
اس فلم میں واقعی ایک نیا، منفرد اور چیلنجنگ رول پلے کر رہے ہیں۔ اس پوسٹر پر خان کی انفرادیت نے سب ہیروز کو دانتوں تلے انگلی دبانے پر مجبور کر دیا ہے۔ 19 دسمبر کو دیوالی کے موقع پر ریلیز ہونے والی اس میگا موی کو ٹریڈ پنڈت ہاٹ کیک قرار دے رہے ہیں اور ٹریڈ پنڈت ابھی سے اسے 500 کلب سے اوپر کا شاہکار مان بھی رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خان کا ہنگامہ کتنی ''دھوم'' مچانے میں کامیاب ہوگا۔ Wait & Watch تب تک کے لیے میرے ساتھ آپ بھی انتظار کیجیے۔ یاد رہے عامر خان اس فلم میں ڈبل رول پلے کر رہے ہیں۔

ٹائیگر شیروف، عامر خان کے نقش قدم پر

نئے اداکار ٹائیگر شیروف جو کہ ہیروپنتی کی کامیابی کے بعد اس برس کے نامور اداکار بن چکے ہیں۔ پہلی فلم کے دوران ہی پابندی وقت کے قائل رہے اور اب جب کہ ٹائیگر سپر اسٹارز کی صف میں شامل ہو گئے ہیں انہوں نے وقت کی پابندی والا عمل نہیں چھوڑا۔ اس بات پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور عامر خان کو اپنا گرو مانتے ہوئے وہ ان ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ Keep It Up ینگ بوائے، یو آر گریٹ۔

فرحان اختر کا دل دھڑکنے دو

فرحان اختر کی نئی فلم ''دل دھڑکنے دو'' ہے۔ اس فلم کے پروڈیوسر رتیش سدھوانی سے عادت کے مطابق فلم کی تمام تفصیلات دو گھنٹے تک ڈسکس کرنے کے بعد فرحان مطمئن ہوئے اور فلم سائن کر لی۔ ''بھاگ ملکھا بھاگ'' کی زبردست کامیابی کے بعد فرحان کی اس نئی فلم کا شائقین فلم ابھی سے انتظار کرنے لگے ہیں۔

ہمشکل کامیاب ہو گئے

ہمت والا کی بدترین ناکامی کے بعد ساجد خان کی نئی فلم ہمشکل آخر کامیاب ہو ہی گئی۔ اس فلم میں سیف علی خان، رتیش دیش مکھ اور رام کپور نے ٹرپل رولز پلے کیے ہیں۔ فلم میں بپاشا باسو، تمنا بھاٹیہ اور ایشیا گپتا نے بھی اداکاری سے انصاف کیا ہے۔

اِٹس انٹرٹینمنٹ

قارئین! اِٹس انٹرٹینمنٹ نام ہے کامیڈی کنگ اکشے کمار کی نئی فلم کا۔ بولی وڈ کی اس نئی کامیڈی کو ڈائریکٹ کیا ہے ایک نئی ہدایت کار جوڑی ساجد اور فرہاد نے اور اس فلم کے پروڈیوسر ہیں۔ Tips

کے رمیش ایس تورانی اور جیتی لال گاڈا۔ سو فیصد امید ہے کہ یہ تفریحی شاہکار اکشے کمار کا ایک اور بلاک بسٹر ثابت ہوگا۔ اس فلم میں اکشے کے علاوہ تمنا بھاٹیہ، پرکاش راج، سونو سود اور متھن چکرورتی نے بھی یادگار اداکاری پیش کی ہے۔ 8 اگست کو لندن میں اس فلم کا شاندار پریمئر منعقد کیا گیا۔

Maa v/s Beta

ارجن کپور کا سوتیلی ماں سری دیوی کے بارے میں دیا گیا پہلا بیان سامنے آ گیا۔ کرن جوہر کے ''کافی ود کرن'' میں پہلی بار ارجن کپور نے کہا کہ وہ سری دیوی کو آج تک ماں کی حیثیت سے قبول نہیں کر پائے ہیں۔ حالانکہ ان کی والدہ مونا نے ہمیشہ

انہیں سری دیوی کی عزت کرنے کی نصیحت کی ہے لیکن...... ارجن آج بھی سری دیوی کو ماں نہیں مانتے۔ وہ انہیں اپنے باپ بونی کپور کی بیوی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اِٹس شاکنگ نیوز کہ خوابوں کی شہزادی سری دیوی کو ان کے اپنے گھر میں بونی کے پہلی بیوی کے بچے ماں ماننے پر تیار نہیں۔ ریڈرز ہم نے بھی آج تک سری کو اپنی فیملی (بونی کپور) کے بارے میں بات کرتے نہیں سنا۔ دیکھیے! اب لِٹل کپور کیا کیا اُگلتے ہیں۔ کیونکہ ابتدا تو ہو چکی۔

مگر دیوی کو سب کچھ ہینڈل کرنا آتا ہے کیونکہ لِٹل کپور! ایک زمانے تک سلور اسکرین پر راج کرنا اور اپنی شرائط کے ساتھ، بچوں کا کھیل نہیں۔ ہوشیار رہنا، پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

دھنوش، VIP لا رہے ہیں

سونیا کپور کے ساتھ رانجھنا کی سپرہٹ کامیابی کے بعد تامل سپر اسٹار دھنوش اپنی ہی تامل بلاک بسٹر فلم ''VIP'' کی کہانی بیچنے یا ری میک کرنے سے

انکار کر کے خود اس فلم کا ری میک بنانے کا اعلان کر رہے ہیں۔ کولا ویری اور رانجھنا کے بعد رجنی کانت کے داماد دھنوش VIP کے لیے بھی بہت پُرامید ہیں۔ شائقین فلم اور ٹریڈ پنڈت دھنوش کے اِس اقدام کو سراہ رہے ہیں اور VIP کے لیے بھی خاصے پُراُمید ہیں۔

سنی لیون کا آئٹم نمبر

عالمی شہرت یافتہ سنی لیون نے حال ہی میں تامل، تیلگو اور کناڈا ورژن فلم ''DK'' میں ایک آئٹم سونگ فلمایا ہے۔ آج کل بولی وڈ میں اس گانے کے چرچے عام ہیں اور شائقین بے قرار، کیونکہ سنی لیون اگر کسی آئٹم سونگ میں آئیں گی تو پھر تو...... آپ جانتے ہیں نا سنی لیون کی شہرت......

خوبصورت

لولی وڈ منی اسکرین کے سپر اسٹار فواد خان کی پہلی بولی وڈ مووی 'خوبصورت' ریلیز کے لیے تیار ہے۔ انیل کپور کی اس ہوم پروڈکشن کے ڈائریکٹر ہیں شتانک گھوش اور سونم کپور تو ہیروئن ہیں ہی، اس کے علاوہ رتنا پھاٹک، پرنجیت چٹر جی اور کرن کھیر

نے بھی اداکاری میں کمال کیا ہے۔ ہماری تمام دعائیں فواد خان کے اس خوبصورت شاہکار کی کامیابی کے لیے ہیں۔ **19** ستمبر کو یہ فلم عام نمائش کے لیے پیش کردی جائے گی۔

عنقریب ریلیز ہونے والی بولی وڈ فلمیں

اکشے کمار کی 'اِٹس انٹرٹینمنٹ' **8** اگست کو اجے
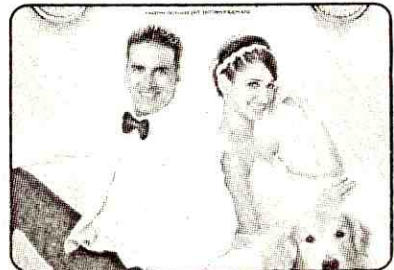
دیوگن کی 'سنگھم ریٹرنس' **15** اگست کو، رانی مکھر جی کی 'مردانی' **22** اگست کو، عمران ہاشمی اور ہمائما ملک کی 'راجہ نٹور لال' **29** اگست کو متوقع ہیں۔ جبکہ ماہِ ستمبر میں **5** ستمبر کو پریانکا چوپڑا کی 'میری کوم اور پرینیتی چوپڑا اور آدیتیہ رائے کپور کی 'دعوتِ عشق'

12 ستمبر کو دپیکا پڈوکون اور ارجن کپور کی 'فائنڈنگ فینی' **19** ستمبر کو فواد خان اور سونم کپور کی 'خوبصورت' نمائش متوقع ہے۔ اسی طرح **2** اکتوبر کو رتیک روشن کی شہرت یافتہ 'بینگ بینگ' اور شاہد کپور کا شاہکار 'حیدر' آمنے سامنے آئیں گے۔ ٹریڈ پنڈت **2** اکتوبر کو ایک تاریخ ساز دن قرار دے رہے ہیں۔ آگے وقت بتائے گا کہ کیا ہوگا۔ اس ماہ میں شاہ رخ خان کی ہوم پروڈکشن 'ہیپی نیوایئر' بھی **24** اکتوبر کو سینماؤں کی زینت بنے گی۔ ساتھیوں باقی خبریں اگلے ماہ۔

سوناکشی سنہا کو صدمہ

سوناکشی سنہا اور رنویر سنگھ کی گئے برس ریلیز ہونے والی فلم لٹیرا نے ناقدین کے دل تو جیتے لیکن سوناکشی ایوارڈ وننگ پرفارمنس دے کر بھی کوئی بھی ایوارڈ اپنے نام نہ کرواسکیں۔ لٹیرا **1950**ء کے پس منظر پر بنائی گئی فلم تھی جو سینما شائقین نے قطعی طور پر مسترد کردی تھی۔ مگر ناقدین میں اس فلم کے بڑے چرچے ہوئے تھے۔

نفسیاتی اُلجھنیں اور اُن کا حل

مختار بانو طاہرہ

زندگی اپنے ساتھ جہاں بہت ساری خوشیاں لے کر آتی ہے وہیں بہت سارے ایسے مسائل بھی جنم لیتے ہیں جو اس زندگی کو مشکلات کے شکنجے میں جکڑ لیتے ہیں ان میں سے بیشتر الجھنیں انسان کی نفسیات سے جڑی ہوتی ہیں اور انہیں انسان از خود حل کر سکتا ہے۔ یہ سلسلہ بھی اُن ہی الجھنوں کو سلجھانے کی ایک کڑی ہے۔ اپنے مسائل لکھ بھیجیں، ہماری کوشش ہوگی کہ آپ ان مسائل سے چھٹکارہ پالیں۔

ارباز علی۔ شیخو پورہ

:میں پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ تعلیم میں بھی ٹھیک ہوں۔ امی اور بہنوں نے میرے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے مگر ابو مجھ سے خوش نہیں۔ وہ کہتے ہیں تم گھر میں بیٹھے رہتے ہو، کوئی کام دھندا نہیں کرتے۔ حالات خراب ہوتے ہیں تو بہنیں ڈرتی ہیں، میں بھی ڈرتا ہوں۔ کبھی گھر سے باہر ہوں تو میرے ڈر کو لڑکے پہچان لیتے ہیں اور مذاق اُڑاتے ہیں۔ کئی لڑکے کہتے ہیں تم لڑکیوں جیسے لگتے ہو کیونکہ میں ان کی طرح لڑکیوں کو تنگ نہیں کرتا، سگریٹ نہیں پیتا اور ان کی فضول باتیں نہیں سنتا۔

: حالات خراب ہوں تب بھی محتاط ہو کر ذمہ داریاں انجام دی جاتی ہیں۔ کسی نہ کسی حد تک ڈر یا خوف بھی سب کو لگتا ہے لیکن اس کیفیت کو ظاہر کرنے یا نہ کرنے پر اختیار ہونا چاہیے۔ اگر کوئی نشہ نہ کرنے پر آپ کو لڑکیوں جیسا ہونے کا کہتا ہے تو سمجھ لیں کہ نشہ کی طرف ابھارنے یا اس کی رغبت دلانے کی کوشش ہے۔ نشہ نہ کرنے پر ثابت قدم رہیں۔ اچھے اور ذہین لڑکوں سے دوستی رکھیں جو کسی نہ کسی اچھے پیشے کے لیے خود کو تیار کر رہے ہوں۔ خود بھی گھر والوں کی آرزوئیں پوری کرنے کے قابل بننے کے لیے کوششیں جاری رکھیں۔

الفت جہاں۔ کھاریاں

:اچھی باجی! میں ہر روز ایک بہت ہی پریشان کن خواب دیکھتی ہوں۔ پھر صبح کسی نہ کسی کو سناتی ہوں۔ اس کے بعد سارا دن اسی خواب کے بارے میں سوچتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ ڈرتی رہتی ہوں کہیں سے کوئی بری خبر نہ آ جائے۔ مجھے یاد ہے بچپن میں بھی ایسے ہی ڈراؤنے خواب دیکھتی تھی۔ ویسے میں ڈرتی نہیں ہوں۔ مجھے تو ایسے قصے، ڈرامے وغیرہ سے بے حد دلچسپی ہے۔

: دراصل خواب بھی انسان کی دلچسپیوں، تجربات، خواہشات اور آرزوؤں پر مبنی ہوتے ہیں۔ شعوری اور خاص طور پر لاشعوری عوامل خواب میں کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک جگہ آپ نے ڈرنے کا ذکر کیا اور دوسری جگہ بتایا کہ ڈرتی نہیں ہیں، یعنی ملی جلی کیفیت ہے۔ کبھی ڈرتی ہیں اور کبھی نہیں ڈرتیں، اس کے علاوہ خوابوں پر پریشان ہوتی ہیں۔ بُرے خوابوں سے بچنے کے لیے انہیں بیان کرنا چھوڑ دیں۔ صبح اُٹھ کر خوابوں کو دوبارہ ذہن میں تازہ

کرنے سے گریز ضروری ہے اور ساتھ ہی دن کا آغاز ذمہ داریوں کو خوبصورتی کے ساتھ نبھاتے ہوئے کریں۔ جب آپ خوابوں کو بھلانا شروع کردیں گی تو ان کے حوالے سے خیالات آنے بھی رُک جائیں گے۔

شاہ زمان۔حیدرآباد

☆:اس مرتبہ ماہانہ ٹیسٹ میں نمبر کم آئے۔ سب نے باتیں سنانی شروع کردیں، خاص طور پر بڑے بھائی کو تو موقع ملنا چاہیے۔ امی بھی ان کی باتوں میں آجاتی ہیں اور ابو نصیحت کرتے ہیں تو بہت دیر تک ایک ہی بات دہراتے ہیں۔ میں گھر چھوڑ دوں یا چھت سے چھلانگ لگادوں۔ ہر وقت کی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا۔ آج تک کبھی فیل نہیں ہوا۔

ﷺ:کبھی فیل نہ ہونے کا مطلب ہے آپ ایک ذہین لڑکے ہیں۔ یہ نہیں بتایا کہ کس کلاس میں پڑھتے ہیں۔ بہرحال تحریر سے ظاہر ہورہا ہے کہ غصہ بہت تیز ہے۔ عمر کے جذباتی دور سے بھی گزر رہے ہیں۔ اکثر بڑے بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے آپ کا بڑا بھائی ہے۔ انہوں نے بھی اس طرح کی باتیں سنی ہوں گی؟ ہوسکتا ہے ان پر آپ سے زیادہ سختی ہوتی ہو۔ والد کی نصیحت کو خیر خواہی سمجھیں۔ جب آپ چھوٹے سے بچے تھے تو آپ بھی ان کے سے بار بار ایک ہی بات کیا کرتے تھے اور وہ ہر بار آپ کی بات کو مسکرا کر توجہ سے سنتے ہوں گے۔ امی کو مناسب وقت دیکھ کر بتادیں کہ اس مرتبہ غلطی سے نمبر کم آگئے، آئندہ پہلے سے بھی زیادہ محنت کریں گے، پھر وہ بھائی کو بھی کچھ کہنے سے روک دیں گی۔ والدین کی نصیحتوں سے بے عزتی نہیں ہوا کرتی بلکہ عزت بڑھتی ہے۔ گھر چھوڑنے اور چھت سے چھلانگ لگانے کی باتیں کریں گے تو ذہنی صحت متاثر ہوگی، لہٰذا آئندہ کبھی بھی اس طرح نہ سوچیں۔ آپ تو محنت اور کوشش سے کامیاب ترین انسان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

وہاج۔سرگودھا

☆:باجی! میرے والد کی عمر تقریباً 75 سال ہوگی، بے حد کمزور ہوگئے ہیں، بہن کے گھر رہتے تھے۔ تب زیادہ خوش بھی تھے۔ ان کے بچے گھر سے باہر ٹہلانے لے جاتے۔ یہاں بھی وہ گھر سے نکلے، راستہ بھول گئے، میں تلاش کرکے لے کر آیا۔ دراصل والد کی ادویات وغیرہ کا خرچ زیادہ ہے جو بہن کے لیے برداشت کرنا مشکل ہورہا تھا، اسی وجہ سے وہ میرے گھر آگئے۔ بہن روز ہی ملنے آتی ہے اور ان کو اپنے ساتھ لے جانا بھی چاہتی ہے لیکن میری وجہ سے نہیں لے جاتی۔ ڈاکٹر سے مشورہ کیا تھا، اس نے ادویات دے دی ہیں۔ کچھ خاص فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔

ﷺ:والد الزائمر کے مریض معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بیماری نسیان کے نام سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ یہ قابلِ علاج ہے لیکن بہتری بہت آہستہ ہوتی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اب تک جس طرح کی بھول ہورہی ہے اس میں کمی نہ ہوسکی تو مزید بھول ہونے میں کمی ہوگی۔ وقت کی پابندی سے ادویات دینی اہم ہیں۔ والد جہاں رہنے کے عادی ہیں انہیں وہیں رہنے دیں۔ ان مریضوں کی جگہ بار بار نہیں بدلنی چاہیے۔ کمرے کی ترتیب، چیزیں رکھنے کی جگہ وغیرہ اور اہل خانہ کی توجہ ایک جیسی رہنی چاہیے۔ اس وقت یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ والد کو بہن کے گھر ہی رہنے دیا جائے۔ والد گھر سے باہر جائیں تو وہ اکیلے نہ ہوں۔ گھر میں بھی زیادہ وقت کے لیے ان کو تنہا اور خاموش نہ چھوڑا جائے۔ ان سے باتیں کریں۔ لوگ ملنے آئیں تاکہ ان کا ذہن کام کرتا رہے۔

☆☆.....☆☆

نادیہ طارق

پیارے ساتھیو۔اس ماہ کچن کارنر میں ہم آپ کے لیے اُن ڈشز کی تراکیب لائے ہیں جو عموماً ہر گھر میں پکائی جاتی ہیں لیکن ہم نے اُن عام ڈشز کو کچھ خاص رنگ دے کر آپ کے ڈائننگ ٹیبل کی رونق میں اضافے کی کوشش کی ہے۔اب آپ ان ڈشز کو آزما کراہلِ خانہ سے داد پایئے اور نمبرون گھر کی ملکہ کہلایئے۔

سبزیوں کے کوفتے

اجزاء

آلو(اُبلے ہوئے)	4عدد
مٹر(چھلی ہوئی)	آدھا پیالی
سویا(چوپ کرلیں)	1 گڈی
گاجر(کدوکش کی ہوئی)	1عدد
لیموں	2عدد
بُھنا اور پسا ہوا سفید زیرہ	1چائے کا چمچہ
کُٹی ہوئی کالی مرچ	1چائے کا چمچہ
ہری مرچیں(چوپ کرلیں)	4عدد
پودینہ(چوپ کرلیں)	آدھا گڈی
نمک	حسبِ ذائقہ
انڈے کی سفیدی	2عدد
چاول کا آٹا	2 کھانے کے چمچے
تیل	حسبِ ضرورت

سالن کے اجزاء:

پیاز(باریک کٹی ہوئی،تلی ہوئی)	2عدد
پسا ہوا لہسن ادرک	1 کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	1 کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی	1چائے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	1چائے کا چمچہ
پسا ہوا دھنیا	2 کھانے کے چمچے
دہی	آدھا پیالی
ہرا دھنیا(چوپ کرلیں)	آدھا گڈی
تیل	1پیالی
نمک	حسبِ ذائقہ
ہری مرچیں(باریک کٹی ہوئی)	6عدد

ترکیب:

آلو چھیل کر کانٹے کی مدد سے ان کا بُھرتہ بنالیں۔ مٹر اور گاجر باریک پیس کر آلو میں ملادیں۔ سارے مسالے،سبزیاں،لیموں اور چاول کا آٹا آلو میں ملادیں اور کوفتے بنالیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ کوفتوں کو انڈے کی سفیدی میں لپیٹ کر کڑاہی میں تل لیں۔ سالن کے لیے ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز تل کر کاغذ پر پھیلا دیں۔تلی ہوئی پیاز کو چورا کر کے دہی میں ملالیں۔ لال مرچ، دھنیا، ہلدی نمک اور لہسن ادرک ملا کر تیل میں ڈالیں اور ہلکا سا بھون لیں۔ کوفتوں کو دیگچی میں پھیلا کر ڈال دیں۔ دیگچی کو آہستہ آہستہ ہلائیں اور پھر ایک پیالی گرم پانی ڈال دیں۔تھوڑی دیر دم پر رکھنے کے بعد گرم مسالا، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر گرما گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

قیمہ بھرے کریلے

اجزاء

قیمہ	آدھا کلو

کریلے	آدھا کلو
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	3 عدد
پسی ہوئی ہلدی	1 چائے کا چمچہ
پسا ہوا لہسن ادرک	1 کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	1 کھانے کا چمچہ
کلونجی	1 چائے کا چمچہ
سونف	1 چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
گڑ	1 کھانے کا چمچہ
املی کا گودا	3 کھانے کے چمچے
لیموں	2 عدد
ہری مرچیں	4 عدد
کڑھی پتے	چند عدد
تیل	1 پیالی

ترکیب:

ثابت کریلوں کو چھیل لیں اور چیرا لگا کر درمیان سے بیج نکال دیں۔ کریلوں میں آدھا کھانے کا چمچہ گڑ، آدھا چائے کا چمچہ ہلدی اور نمک لگا کر 20 منٹ کے لیے رکھ دیں اور پھر اچھی طرح دھولیں۔ دیگچی میں تیل ڈال کر پیاز گلابی کریں پھر قیمہ، ادرک لہسن، آدھا چائے کا چمچہ ہلدی، لال مرچ، نمک، کلونجی، کڑھی پتے ،سونف، لیموں کا رس اور ہری مرچیں ڈال کر بھون لیں۔ بھنے ہوئے قیمے میں سے آدھا قیمہ کریلوں میں بھر کر دھاگے سے بند کر دیں۔ فرائنگ پین میں کریلوں کو تل لیں۔ تلے ہوئے کریلوں کو قیمے والی دیگچی میں پھیلا کر ڈالیں، ساتھ ہی آدھا کھانے کا چمچہ گڑ اور املی کا گودا ڈال کر 10 منٹ تک دم پر رکھیں۔

کڑھی پکوڑے

اجزاء

دہی (پھینٹ لیں)	2 پیالی
بیسن	2 پیالی
پیاز (باریک کاٹ لیں)	آدھا پیالی
پسا ہوا لہسن	1½ کھانے کا چمچے
کڑھی پتے	6 عدد
پسی ہوئی لال مرچ	1 چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی	1 انچ کا ٹکڑا
ثابت کالی مرچ	6 عدد
لونگیں	4 عدد
بڑی الائچی	1 عدد
قصوری میتھی	2 کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	10 عدد
پیاز (چوپ کرلیں)	آدھا پیالی
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	1 پیالی
آلو (چوپ کرلیں)	آدھا پیالی
سُوکھا دھنیا (کُوٹ لیں)	1½ کھانے کے چمچے
ثابت سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب:

دیگچی میں دہی اور 2 پیالی پانی ڈال کر پھینٹیں۔ اس میں پون پیالی بیسن گھول لیں۔ اس میں آدھا چائے کا چمچہ لال مرچ، پون چائے کا چمچہ ہلدی، دار چینی، کالی مرچ، بڑی الائچی، لونگ اور کڑھی پتے ڈال کر چمچہ چلاتے ہوئے پکائیں۔ اُبال آجائے تو 15 منٹ تک پکانے کے بعد چولہا بند کر دیں اور آدھا پیالی ہرا دھنیا، 4 ثابت ہری مرچیں اور قصوری میتھی شامل کر کے ڈھکن بند کر دیں۔ فرائنگ پین میں آدھا پیالی تیل گرم کر کے سفید زیرہ ڈالیں، جب خوشبو آنے لگے تو پون چائے کا چمچہ ہلدی ڈال کر کڑھی میں ڈال دیں۔ پکوڑوں کے لیے آدھا پیالی بیسن میں آدھا چائے کا چمچہ لال مرچ، نمک، پیاز، آدھا پیالی ہرا دھنیا، 6 چوپ کی ہوئی ہری مرچیں، آلو، سوکھا دھنیا اور آدھا پیالی پانی ڈال کر گاڑھا سا آمیزہ بنالیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور چمچے کی مدد سے پکوڑے اس میں شامل کر دیں۔ سنہری رنگ

آنے پر پکوڑے کڑھی میں شامل کر کے پیش کریں۔

افغانی کباب

اجزاء

مرغی	آدھا کلو
کباب مسالا	1 کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	1 چائے کا چمچہ
نمک	1 چائے کا چمچہ
پسا ہوا لہسن ادرک	1 کھانے کا چمچہ
دہی	2 کھانے کے چمچے
تیل	حسبِ ضرورت
اسٹکس	حسبِ ضرورت

ترکیب:

ایک پیالے میں لال مرچ، نمک، ادرک لہسن، کباب مسالا اور دہی ڈال کر یکجان کرلیں۔ مرغی کے ایک ایک انچ کے ٹکڑے کاٹ لیں اور ٹشو پیپر کی مدد سے اس کا پانی بالکل خشک کرلیں۔ مرغی کے ٹکڑوں کو مسالے میں شامل کر کے ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ مرغی کی بوٹیوں کو اسٹکس میں لگا دیں۔ فرائنگ پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کر کے اس پر اسٹک رکھ دیں۔ تھوڑی دیر بعد تھوڑا سا تیل ڈال کر پلٹ دیں اور دوسری جانب سے پکائیں۔ مزیدار افغانی کباب تیار ہیں۔ (**نوٹ**) کباب مسالا بنانے کے لیے سونف، چھوٹی الائچی، لونگ، تیج پتہ اور دار چینی کو ہم وزن لے کر سوکھے توے پر بھون لیں اور پھر باریک پیس کر فرج میں رکھ لیں۔

ڈھاکہ مرغی

اجزاء

ڈرم اسٹکس	8 عدد
لیموں	2 عدد
پیاز	1 عدد
لہسن	3 جوے
ادرک	1 انچ کا ٹکڑا
نمک	حسبِ ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

ڈرم اسٹکس میں نمک اور لیموں کا رس لگا کر 2 گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے ڈرم اسٹکس اس میں شامل کریں اور رنگ تبدیل ہونے تک تلیں۔ ادرک، لہسن اور پیاز کاٹ کر آدھا پیالی پانی کے ساتھ بلینڈر میں پیس لیں۔ پیاز کے آمیزے کو چھلنی میں اچھی طرح سے دبا کر چھان کر پانی محفوظ کرلیں اور گودا پھینک دیں۔ مرغی کے ٹکڑے سُنہری رنگ کے ہوجائیں تو پیاز والا پانی اس میں شامل کردیں۔ جب پانی بالکل خشک ہوجائے تو مرغی کے ٹکڑوں کو جاذب کاغذ پر نکالتے جائیں۔ مزیدار ڈھاکہ مرغی تیار ہے۔

دال پوری

اجزاء

میدہ	آدھا کلو
چنے کی دال	ایک پاؤ
نمک	حسبِ ذائقہ
ہلدی پاؤڈر	چائے کا چوتھائی چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	چائے کا چوتھائی چمچہ
لہسن	7 سے 8 جوے
گھی/تیل	فرائی کے لیے

ترکیب:

دال کو تین سے چار گھنٹوں کے لیے بھگو دیں۔ پھر پانی پھینک کر دال پیس لیں۔ کڑاہی میں چائے کا نصف چمچہ تیل لے کر گرم کریں۔ اس میں دال، نمک، ہلدی اور مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح فرائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ خوشبو دینے لگے۔ میدے میں حسبِ ذائقہ نمک ملا دیں اور پانی سے گوندھ لیں۔ اب پیڑے بنا کر تمام پیڑوں کو بیلیں ہر پیڑے میں تھوڑی سی دال رکھ کر اسے بند کر کے دوبارہ پیڑا بنا ئیں پھر اسے پوری طرح بیل لیں اور اب اسے تیل میں دونوں طرف سے فرائی کریں۔ گرما گرم کھائیں۔

☆☆......☆☆

حکیم جی!

محمد رضوان حکیم

ساتھیو! اکثر ہمیں کسی ایسی بیماری سے سامنا کرنا پڑ جاتا ہے جس کے لیے ہمیں سمندر کی تہہ یا آسمان کی بلندیوں، جنگل بیابانوں یا پہاڑوں تک پر جانا پڑ جاتا ہے، مگر...... جان ہے تو جہان ہے۔ خدا اگر بیماری دیا ہے تو اُس نے شفاء بھی دی ہے۔ قدرت کے طریقۂ علاج کا آج بھی کوئی مول نہیں۔ حکمت کو آج بھی روزِ اول کی طرح عروج حاصل ہے۔ اسی لیے طبیب اور حکیم صاحبان کو خدائی تحفہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی صحت اور تندرستی کے لیے ہم نے یہ سلسلہ بعنوان حکیم جی شروع کیا ہے۔ اُمید ہے ہمارے مستند اور تجربہ کار حکیم صاحب آپ کی جملہ بیماریوں کے خاتمے کے لیے اہم کردار ادا کریں گے۔ نیا سلسلہ حکیم جی! آپ کو کیسا لگا؟ اپنی آراء سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔

ہیپاٹائٹس (A.B.C) کن کن وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے یرقان (Jaundice) سوزشِ جگر (Hepatitis) صفرا کی زیادتی (Bilious) جگر کا بڑھ جانا (Hepatoniegal)

کسی بھی انسان کے صحت مند رہنے کے لیے اعضائے رئیسہ کا صحت مند ہونا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعضاء رئیسہ میں کسی ایک اعضاء کے فعل میں خلل واقع ہوجائے تو انسان مہلک امراض کا شکار ہوجاتا ہے۔ انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ میں سے سب سے اہم اعضاء 'جگر' ہے۔ کیونکہ بہت سارے کام جگر ہی سر انجام دیتا ہے۔

جگر کا سب سے اہم کام نیا و تازہ خون بنانا ہے۔ جگر صفرا کی صورت میں خون سے فاسد مادہ علیحدہ کر کے نظام اخراج کے ذریعے جسم سے خارج کر دیتا ہے۔ جگر روزانہ تقریباً ایک لیٹر صفرا پیدا کرتا ہے جو خون کو قوت فراہم کرنے کے ساتھ غذا کو ہضم کرنے میں مدد کرتا ہے۔ جگر خون سے زائد گلوکوز کو گلائیکوجن میں تبدیل کر کے اپنے اندر جمع کر لیتا ہے اور بوقت ضرورت گلائیکوجن کو واپس گلوکوز میں تبدیل کر کے خون کو ضرورت کے مطابق فراہم کرتا ہے۔ جس سے کسی بھی انسان کا شوگر لیول نارمل رہتا ہے۔ جگر میں موجودہ خلیات جراثیم کے خلاف Anti Bodies بھی بناتے ہیں۔

الغرض یہ کہ جگر کا فعال رہنا ہمارے جسم کی صحت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے جگر کے فعل میں خلل واقع ہوجائے تو سب سے پہلے خون بننے کا عمل کم ہوجائے گا یا خون بنناختم ہوجائے گا (خون بننے کا عمل اگر رُک جائے تو انسان موت کے منہ میں چلا جاتا ہے)

جگر کے فعل میں خلل واقع ہونے سے بہت سے مہلک امراض پیدا ہوجائیں گے جیسے یرقان

(Jaundice)، سوزشِ جگر (Hepatitis) جگر کا اپنی قدرتی حالت سے بڑھ جانا (Hepatomegaly) صفرا کی زیادتی (Bilious) وغیرہ۔

یرقان (Jaundice)

یہ ایسی حالت ہے جس میں خون کے اندر بائلی روبن (Bilirubin) کی مقدار نارمل سے بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے سرخ ذرات خون (R.B.C) کی انتہائی کمی ہوجاتی ہے اور انسان انیمیا (Anaemia) کا شکار ہوجاتا ہے جو اسے یرقان میں مبتلا کردیتا ہے۔

سوزشِ جگر (Hepatitis)

جگر کی خرابی کی یہ خطرناک صورتِ حال ہوتی ہے۔ یہ مرض وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جگر کو نقصان پہنچانے والا زہریلا مادہ خون میں شامل ہوجانے سے، یرقان والے مریض کا جھوٹا پانی اور کھانا کھانے سے، اس کی استعمال کی ہوئی سرنج استعمال کرنے سے جگر کو نقصان پہنچانے والی ادویات کا بکثرت استعمال اور ناقص غذا استعمال کرنے سے جگر میں سوزش ہوجاتی ہے۔

جگر کا بڑھ جانا (Hepatomegaly)

اس مرض میں جگر قدرتی حالت سے بڑھ جاتا ہے اس کی وجوہات میں یکایک سردی کا لگ جانا، تیز مسالے دار غذاؤں کا استعمال، بہت زیادہ کھانا، سورج کی گرمی میں سخت جسمانی محنت کرنا، ورزش کرنا، جگر پر چوٹ کا لگنا اور صفراوی پتھری کا ہونا۔

صفرا کی زیادتی (Bilious)

صفرا کی زیادتی نظام ہضم کی خرابی جسم میں پروٹین کی زیادتی ہوجائے تو صفرا کی زیادتی ہوجاتی ہے، جو نقصان کا باعث بنتی ہے۔

یہ ایسا مرض ہیں جن پر فوری اور بھرپور توجہ دینی چاہیے اور جلد مناسب علاج کروانا چاہیے۔ ان امراض میں لاپروائی انتہائی خطرناک نتائج کی صورت میں ثابت ہوتی ہے۔

ان بیماریوں سے بچاؤ کے لیے یہ نسخے استعمال کیجیے۔

نسخہ نمبر:1

افسنتین کی لکڑی یا جڑ	50 گرام
چرائتا نیپال	50 گرام
گل مُنڈی	50 گرام
پنیر بُوٹی	50 گرام

ان سب کو ایک لیٹر پانی میں پکا کر صبح نہار منہ 1 کپ روزانہ پیئں۔

نسخہ نمبر:2

تخمِ کاسنی	10 گرام
تخم بہ	10 گرام
اونٹ کٹارا	10 گرام
ریوند چینی	10 گرام
میری تھسل	10 گرام
تبتی	10 گرام
جوکھار	10 گرام

ان تمام اجزاء کا سفوف بنالیں۔ روزانہ صبح و شام ایک چائے کا چمچہ پانی سے کھائیں۔

انتہائی پرہیز:

تمام گرم چیزیں مثلاً انڈہ، مرغی، مچھلی، مسور کی دال، بڑے کا گوشت، حلیم، پائے، سوپ، چائے وغیرہ۔
مسالے دار، کھٹی اور ہر طرح کی تلی ہوئی اشیا سے سخت پرہیز کریں۔ دھوپ اور گرمی سے بچیں، غذا ایسی استعمال کریں جو زود ہضم ہو، خون بنانے والی ہو اور جزو بدن بن کر قوت فراہم کرے۔

نوٹ:
حکیم صاحب سے مشورے کے لیے دیئے گئے نمبر پر رابطہ کرسکتے ہیں۔
0311-8327586

بیوٹی گائیڈ

آپ کے جانے پہچانے، اسکن اسپیشلسٹ **ڈاکٹر خرم مشیر**

ہر ماہ آپ کی بیوٹی سے متعلقہ مسائل کے حل کے ساتھ

ساتھیو! پچھلے ماہ ہم نے آپ کی بیوٹی کے لیے سائنٹیفک طریقوں سے علاج کی جانکاری دی تھی۔ اس ماہ ہم مزید سائنٹیفک طریقے آپ کے گوش گزار کریں گے۔ اُمید ہے یہ معلومات آپ کے لیے کارآمد ثابت ہوں گی۔ آپ یہ بات تو بخوبی جانتی ہیں کہ بال آپ کے امیج کو بنا اور بگاڑ سکتے ہیں۔ خاص کر شادی والے دن...... لمبی چوٹیاں اور جوڑا

وغیرہ رومانی ہیئر اسٹائل ہیں اور اکثر دلہنیں اسے اپناتی ہیں۔ ذیل میں کچھ نئے اسٹائل ملاحظہ فرمائیں۔اس سے آپ کو یقیناً فائدہ ہوگا۔

تھرمل ہیئر اسٹریٹننگ: آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ یہ عمل اصل میں حرارت کے ذریعے بالوں کو سیدھا کرنے کا عمل ہے۔ اس کے ذریعے آپ خم دار بالوں سے نجات حاصل کرسکتی ہیں۔ بلاشبہ اس کا نتیجہ بہت حوصلہ افزا ہے اور خم دار بال نہ صرف سیدھے ہوجاتے ہیں بلکہ ایک لمبے عرصے تک سیدھے رہتے ہیں تاوقتیکہ آپ انہیں کٹوا نہ دیں۔

ہیئر ایکس ٹینشن: اگر آپ بالوں کو مصنوعی طریقے سے لمبا کرنا چاہتی ہیں تو یہ عمل ماہرانہ انداز میں کیا جائے تو آپ کے بال کسی نقصان کے بغیر خوب صورت لگنے لگیں گے اور آپ کے بالوں کی افزائش میں بھی مدد ملے گی اور یہ صحت مند بھی ہوجائیں گے۔ مارکیٹ میں آپ کو کئی طرح کے ایکس ٹینشن مل جائیں گے۔ آپ کو اپنے بالوں کی

رنگت اور بناوٹ کے لحاظ سے انتخاب کرنا ہے۔

مستقل ٹریٹ منٹ: یہ سچ ہے کہ اکثر خواتین کو ہنی مون کے دوران چہرے وغیرہ پر اُگ آنے والے بالوں کا مسئلہ رہتا ہے۔ ویکسنگ، شیونگ اور توڑنے کا عمل محض وقتی حل ہیں اور مختصر عرصے کے بعد ان کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ اس حوالے سے بہترین ٹریٹ منٹ لیزر ٹریٹ منٹ ہے۔ اس کا نتیجہ انفرادیت لیے ہوئے ہے بعض مختلف خواتین پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عموماً جن جگہوں کے بالوں کو صاف کرنا ہوتا ہے ان میں چہرہ، اوپری ہونٹ، گردن، سینہ، بغل، پُشت، پیٹ اور پاؤں شامل ہیں۔

پرفیکٹ فیگر اسپارٹ ری ڈکشن: یہ ایک عام سا آئیڈیا ہے کہ اگر آپ ایک خاص مسلز گروپ کے لیے ورزش کریں گی تو اُس حصے کی چربی کم ہوجائے گی۔ اگر ورزش سے بات نہیں بنے گی تو دوسرے طریقے ہیں مثلاً TPM (Topiramate) جس کے ذریعے متاثر حصے کو حرارت پہنچائی جاتی ہے اور اوزون (Ozone) تھراپی بھی کی جاتی ہے۔

پلاسٹک سرجری: اگر آپ کوئی بڑی تبدیلی چاہتی ہیں مثلاً پیٹ کو کم کرنا یا ناک کی بناوٹ میں تبدیلی، تو ان کا سب سے بہترین ایک ہی حل ہے پلاسٹک سرجری۔

لیپوسکشن: اس کے ذریعے اُس چربی سے نجات حاصل کی جاتی ہے جو جسم کے مختلف حصوں میں جمع ہوجاتی ہے اور ڈائٹ ا ورزش سے بھی دور نہیں ہوتی ہے۔ جو خواتین خوب صورت فیگر چاہتی ہیں وہ اس عمل سے استفادہ کرسکتی ہیں مگر اپنے معالج سے مشورہ کرنے کے بعد، ایسا اس لیے ضروری ہے کہ لیپوسکشن ان لوگوں کے لیے نہایت موزوں ہے جو باقاعدگی سے ورزش کرتے ہیں، متوازن غذا لیتے ہیں اور چکنائی اور کیلوریز کا کم سے کم استعمال کرتے ہیں۔ اور جن کی جلد میں مطلوبہ لچک بھی ہوتی ہے۔
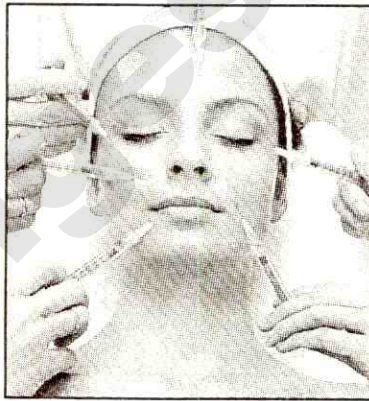
☆☆......☆☆